عنایت اللہ
دمشق کے قید خانے میں
ان مجاہدینِ اسلام کی داستان جنہوں نے اندلس کے ساحل پر اپنی کشتیاں جلاڈالی تھیں
WWW.PAKISTANIPOINT.COM
PP
پاکستانی پوائنٹ
مکتبہ داستان

دمشق کے قید خانے میں

اُندلس کے ساحل پر کشتیاں جلا دینے والوں کی داستانِ شجاعت

عنایت اللہ

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون: 7352332، 7232336 فیکس: 7223584

www.ilmoirfanpublishers.com. E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب .... دمشق کے قید خانے میں

مصنف .... عنایت اللہ

ناشر .... وقاص شاہد
مکتبہ داستان، لاہور

مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت .... جولائی 2011ء

قیمت .... روپے

☆ ملنے کے پتے ☆

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

کتاب گھر
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

پیش لفظ

یہ اُن مجاہدینِ اسلام کی داستانِ جہاد ہے جنہوں نے بحیرۂ روم کے پار جا کر اُندلس کے ساحل پر کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپسی کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے۔ اِس طرح بربر قبیلے کے ایک فرزند طارق بن زیاد نے تاریخِ اسلام میں شجاعت اور سرفروشی کی ایک حیرت انگیز اور ایمان افروز روایت کا اضافہ کر دیا۔

اِس ولولہ انگیز داستان کو ہم نے اُندلس کی فتح تک محدود رکھا ہے اور اسے عنوان دیا ہے ——— "دمشق کے قید خانے میں" ——— عنوان "اُندلس کے فاتح" ہونا چاہیئے تھا لیکن ہم نے اِن فاتحین کے انجام کو سامنے رکھا۔ اُندلس کا فاتح تو طارق بن زیاد تھا لیکن اس کی پشت پناہی میں امیر (گورنر) مصر و شمالی افریقہ موسیٰ بن نصیر تھا۔ اس کے بغیر طارق بن زیاد کو شاید اتنی کامیابی یا اتنی جلدی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔

طارق بن زیاد اُندلس کے شمالی علاقوں میں جو بہت ہی خطرناک علاقے تھے، لڑ رہا تھا کہ موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر اُندلس چلا گیا اور وہ شہر اور علاقے فتح کر لیے جن تک طارق بن زیاد نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس طرح اُندلس کے مفتوح ہونے کا عمل تیز ہو گیا۔

موسیٰ بن نصیر تو فرانس کی سرحد کے اندر بھی چلا گیا تھا اور توقع تھی کہ یہ بوڑھا امیرِ مصر و شمالی افریقہ فرانس کے خاصے علاقے کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لے گا لیکن خلیفہ کا انتقال ہو گیا اور مسندِ خلافت سلیمان کے ہاتھ آ گئی جس کے دل میں ذاتی رنجشیں اور کدورتیں بھری ہوئی تھیں اور جس کی فطرت میں آمریت پرورش پا رہی تھی۔ خلافت کی گدی پر بیٹھتے ہی اُس نے آمریت کا پہلا مظاہرہ یہ کیا کہ فاتحِ سندھ محمد بن قاسم کو اُس وقت گرفتار کروا کے واپس بلا لیا جب یہ نوجوان مجاہد سندھ میں اسلامی حکومت قائم کر کے باقی ہندوستان کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا مگر خلیفہ سلیمان نے محمد بن قاسم کو دمشق کے قید خانے میں پھینک کر اُسے اذیتیں دلوائیں پھر قتل کروا دیا۔ یہ تفصیلات ہماری کتاب ——— "ستارہ جو ٹوٹ گیا" ——— میں پڑھیے۔

آج چین میں لاکھوں مسلمان آباد ہیں اور وہاں کی مسجدیں اسلامی فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ انہیں دیکھ کر قتیبہ بن مُسلم کا یاد آنا قدرتی امر ہے۔ چین کی سرزمین پر اسلامی پرچم اِسی مردِ مجاہد نے لہرایا تھا اور وہاں دینِ اسلام کی شمع اِسی مردِ مومن نے روشن کی تھی اور یہ آج

تک روشن ہے۔ اِس مردِ مومن کو بھی خلیفہ سلیمان نے دمشق کے قید خانے میں قید کر کے مارا تھا۔
فاتحین اُندلس طارق بن زیادہ اور موسیٰ بن نصیر کو بھی سلیمان نے اُس وقت واپس بُلا لیا
جب موسیٰ فرانس میں داخل ہو گیا اور طارق اُندلس کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ مستحکم کر رہا تھا۔
موسیٰ کو اُس نے دمشق کے قید خانے میں قید کر دیا اور طارق کو گوشۂ گمنامی میں پھینک دیا۔
اِس معمر امیرِ مصر و شمالی افریقہ کو جو جسمانی اور روحانی اذیتیں دی گئیں وہ آخری باب میں پڑھیے۔

ہم تاریخی ناولوں کے متعلق کچھ کہنا چاہیں گے۔ ہمارے ہاں تاریخی ناولوں کو غیر معمولی مقبولیت
حاصل ہوئی ہے لیکن لکھنے والوں نے محض پیسہ کمانے اور مقبولیت حاصل کرنے کے لیے تاریخی
حقائق کو افسانے پر قربان کر دیا ہے۔ عشق و محبت پر زیادہ زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں
نے محمد بن قاسم، طارق بن زیادا اور خالدؓ بن ولید جیسے تاریخ ساز مجاہدینِ اسلام کو فلمی کہانیوں
کے ہیرو بنا ڈالا ہے۔

ایک تو بعض متعصب غیر مسلم تاریخ نویسوں نے تاریخِ اسلام کا چہرہ مسخ کیا ہے اور اِس
سے زیادہ مجرمانہ حرکت تاریخی ناول لکھنے والے پاکستانیوں نے کی ہے کہ تاریخ کا گہرا مطالعہ
کیے بغیر تاریخی واقعات کو عشق و محبت کے افسانے بنا ڈالا ہے۔

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ہمارے تاریخی ناولوں میں آپ کو مکمل اور مستند تاریخ ملے
گی اور تمام مورخوں کے حوالے بھی ملیں گے۔ اس کے باوجود آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں
لکھیں ہم کتاب میں تصحیح کریں گے۔

یہ داستان ہماری روایات کا صحیح عکس ہے۔ آج کل تفریحی اور اخلاق سوز کہانیاں
مسلمان کی اولاد کو اپنی روایات بلکہ دین و ایمان سے ہی دُور لے گئی ہیں۔ یہ تاریخی ناول اپنے
بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں اور یہ ہماری روایات کی داستان
ہے۔ یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

۹۷ ہجری (۷۱۵ء)

مکہ معظمہ میں انسانوں کا اتنا گھنا ہجوم تھا کہ سانپ بھی رینگ کر نہیں گزر سکتا تھا۔ شہر کے اندر اور باہر، گلیوں اور بازاروں میں انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ اس متحرک ہجوم میں ایک خاصیت تھی۔ ان سب کا لباس ایک تھا — سفید چادر، کندھوں سے ٹخنوں تک — ایک کندھا ننگا، سر ننگا، پاؤں ننگے اور سر اُستروں سے صاف کیے ہوئے تھے۔ ان کی توجہ کا، امنگوں کا، روح کا، دل و جان کا مرکز خانہ کعبہ تھا۔

جس طرح ان کا لباس ایک تھا اسی طرح ان کا نظریہ، ان کا عقیدہ اور ان کا دین ایک تھا — لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ — وہ سب مسلمان تھے حرم کے پاسبان تھے، وہ حجاج تھے، فریضہ حج ادا کرنے آئے تھے۔

شہرِ مکہ کے باہر چھوٹے بڑے خیموں کی ایک بستی آباد ہو گئی تھی جو بہت گنجان تھی۔ اس بستی میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے۔ عورتوں کا لباس بھی ایک تھا۔

اس ہجوم کا لباس ایک جیسا تھا، جسموں کے رنگ مختلف تھے — گورے بھی تھے، بغیر چاند کی رات جیسے سیاہ کالے چہروں والے بھی تھے۔ گندمی رنگت والے بھی اور زرد پیلے چہروں والے بھی تھے۔ ان میں جری اور جابر بھی تھے اور کمزور و ناتواں بھی تھے۔ ان میں سپہ سالار بھی تھے اور سپاہی بھی تھے۔ آقا بھی تھے اور غلام بھی تھے لیکن لگتا تھا جیسے وہ ایک ہی رنگ میں رنگے گئے ہوں۔ اُن کی حرکات ایک جیسی، سکنات ایک جیسی، گفتار ایک جیسی تھی۔

وہ کسی ایک ملک سے نہیں بہت سے ملکوں سے آئے تھے۔ ان میں افریقی بھی تھے، چینی بھی تھے۔ ہندوستانی اور ایرانی بھی تھے اور جہاں تک نورِ اسلام پہنچا تھا وہاں کے مسلمان مکہ معظمہ میں آ گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کی روحیں ایک دوسری کو بڑی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ ہزاروں کوس دُور رہنے والوں کے دلوں میں بال برابر بھی فاصلہ نہیں تھا۔ ان میں بیگانگی نہیں بلکہ ایسی اپنائیت تھی کہ مکہ میں کوئی بھی اپنے آپ کو اجنبی نہیں سمجھ رہا تھا۔ سفید احرام میں ملبوس اس ہجوم کا ہر فرد محسوس کر رہا تھا جیسے وہ یہیں پیدا ہوا تھا اور اُس کی زندگی کا آخری سفر اسی منزل پر ختم ہو گا۔

عقیدت نے سب پر وجدانی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔

مکہ معظمہ کی فضا ایک مسلسل، مترنم اور مقدس گونج بنی ہوئی تھی ـــــ ہجوم کی آواز ایک تھی، سب کی زبانوں پر کلماتِ تلبیہ تھے۔

لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک
ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک

فضا میں ایسا تقدس تھا کہ بادشاہوں اور اُمرا کے سر جھکے جا رہے تھے۔ ترنم ایسا کہ روحوں پر وجد طاری ہوا جا رہا تھا۔ ہر فرد، بلا امتیاز رنگ و نسل، ایک اللہ کے رنگ میں رنگا گیا تھا۔

حج میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ دُور دراز کے قافلے ابھی چلے آ رہے تھے۔ خیموں کی بستی پھیلتی جا رہی تھی۔ اونٹوں اور دُنبوں کی آوازوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

*

اس ہجوم میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی یہاں کوئی وہاں۔ ان کا ایک ایک ہاتھ آگے کو پھیلا ہُوا تھا۔ بعض نے اپنے آگے ایک ایک کپڑا بچھا رکھا تھا اور بعض کے ہاتھوں میں کشکول تھے ـــــ یہ بھکاری تھے ـــــ ان میں کچھ تو معذور تھے اور باقی صحراؤں میں زندگی بسر کرنے والے بدّو تھے۔ حج کے دنوں میں وہ بھیک مانگنے کے لیے مکہ میں آجاتے اور اچھی خاصی رقمیں اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔

حاجی ان کے آگے درہم و دینار پھینکتے جا رہے تھے۔ وہ یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہے تھے کہ ان میں خیرات کا حقدار کون ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں خیرات دے رہے تھے۔ یہ بھکاری فریضۂ حج کا ایک حصّہ بن گئے تھے۔

ان بھکاریوں میں ایک بھکاری کا اضافہ ہو گیا جو کسی حاجی نے محسوس نہ کیا۔ محسوس کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ ان بھکاریوں جیسا ہی ایک بھکاری تھا جو پہلے سے یہاں موجود تھے۔ اس نئے بھکاری میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ وہ انہی جیسا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے، ہاتھوں اور چہرے پر میل جمی ہوئی، داڑھی پر ریت کے ذرّے چمک رہے تھے۔ اگر اس میں کوئی خصوصیت تھی تو یہ تھی کہ وہ تمام بھکاریوں میں سب سے زیادہ بوڑھا اور نحیف تھا اور وہ اپنے پاؤں پر زیادہ دیر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔

ایک خصوصیت اور بھی جس وجہ سے لوگ اُسے ذرا غور سے دیکھتے تھے۔ وہ یہ تھی کہ اُس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہُوئی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ یہ قیدی ہے اور اُس پر خاص کرم کیا گیا ہے کہ اُسے بھیک مانگنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

"قیدی ہو؟" ـــــ پہلے روز ہی ایک حاجی نے اُس سے پوچھا۔

اُس نے آہستہ سے سر نیچے اُوپر ہلایا۔ اُس کی آنکھیں سفید اور بے نُور تھیں۔

"چوری کی ہے؟"

"چوری کرتا تو ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے" ـــــ اُس نے اپنے دونوں رعشہ گیر ہاتھ آگے کر کے جواب دیا۔
"کسی عورت کے ساتھ پکڑے گئے تھے؟"
"ایسا ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا" ـــــ اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا ـــــ "میں سنگسار کر دیا جاتا۔"
"پھر کیا جرم کیا ہے تم نے؟"
"قسمت ہار گئی ہے" ـــــ بوڑھے بھکاری نے جواب دیا۔
"مجرموں کی قسمت جلدی ہار جایا کرتی ہے بڈھے بدّو!" ـــــ قریب کھڑے ایک اور حاجی نے کہا۔
بوڑھے بھکاری کے چہرے پر کربناک تاثر آگیا۔ وہ اپنے اردگرد پانچ چھ آدمیوں کو کھڑے خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
"مجرم اپنا جرم نہیں بتایا کرتے" ـــــ ایک حاجی بولا۔
"میرا جرم یہ ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک مر گیا ہے" ـــــ بوڑھے بھکاری نے کہا ـــــ "اور اُس کی جگہ اُس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک مسندِ خلافت پر بیٹھ گیا ہے۔ دمشق کے قید خانے میں جا کر دیکھو۔ مجھ جیسے کئی قیدی ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔"
"تم کون ہو؟" ـــــ ایک اور حاجی نے پوچھا ـــــ "تمھارا نام کیا ہے؟ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟"
"کبھی میرا بھی نام ہوا کرتا تھا" ـــــ بوڑھے بھکاری نے جواب دیا ـــــ "نام صرف اللہ کا رہے گا" ـــــ اُس نے انگلی آسمان کی طرف کر کے کہا ـــــ "صرف اللہ کا نام رہے گا.... کچھ دو گے تو اللہ کو دو گے.... اللہ تمھارا حج قبول کرے.... میں اپنا جرم نہیں بتا سکتا۔ بتاؤں گا تو یہ میرا جرم ہو گا.... وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔"
حاجی کچھ سکّے اُس کے آگے پھینک کر چلے گئے۔ بوڑھے بھکاری نے اپنے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیوں پر کپڑا ڈال دیا۔ ان بیڑیوں سے جو سوال پیدا ہوتے تھے ان کے جواب اُس کے پاس تھے لیکن وہ جواب دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ دمشق سے آیا تھا۔ اُسے خلیفہ کے قافلے کے ساتھ لایا گیا تھا۔ یہ اُس کی سزا کا حصّہ تھا کہ مکّہ چل کر بھیک مانگے۔
وہ ہاتھ آگے کو پھیلائے چُپ چاپ بیٹھا رہتا تھا۔ حاجی اسے ضعیف العمر سمجھ کر کچھ زیادہ ہی پیسے دیتے تھے لیکن وہ خوش نہیں ہوتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد جب حاجی اپنے خیموں میں چلے جاتے تو وہ اُٹھتا اور کم سے کم پیسوں سے کچھ خرید کر کھا لیتا پھر دن بھ

کی بھیک گننے بیٹھ جاتا۔ گن کر اُس کا دل بیٹھ جاتا۔ وہ اور زیادہ رنجیدہ اور ملول ہو جاتا۔ اُسے دو لاکھ دینار پورے کرنے تھے۔ حج کے ان چند دنوں میں وہ اتنی کثیر رقم اکٹھی نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے محسوس کیا کہ وہ چونکہ چُپ بیٹھا رہتا ہے اس لیے اُسے پیسے کم ملتے ہیں۔ اُس نے بولنا شروع کر دیا لیکن وہ دوسرے بھکاریوں کی طرح دردناک صدائیں نہیں لگاتا تھا نہ وہ اپنے بھوکے پیاسے بچوں کا رونا روتا تھا۔ وہ ایک ہی صدا لگاتا تھا:

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

اور وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے

*

وہ صدا لگا رہا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے آ کر اُسے پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ بوڑھے بھکاری نے مُڑ کے دیکھا۔

"بھاگنے کی تو نہیں سوچ رہے بُڈھے؟" ـــ ٹھوکر مارنے والے نے پُوچھا۔

"کبھی سنا تھا کہ اُندلس کے میدانِ جنگ سے کوئی بھاگا ہے؟" ـــ بوڑھے بھکاری نے کہا ـــ "میں نے بھاگنا ہوتا تو...!"

"ابھی اُندلس تیرے دماغ سے نہیں نکلا" ـــ اس آدمی نے اُسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہُوئے کہا۔

"اپنے خلیفہ سے کہہ دینا کہ تمھاری حکومت جلدی ختم ہو جائے گی" ـــ بُوڑھے بھکاری نے کہا ـــ "محمد بن قاسم کے قاتل کو میرا یہ پیغام دے دینا.... اور تیری ان دو ٹھوکروں کا جواب روزِ قیامت دوں گا۔"

اسے ٹھوکر مارنے والے نے بھکاری کو گہری نظروں سے دیکھا اور آہ بھر کر آگے چلا گیا۔

ایک روز شمالی افریقہ سے حج کے لیے آئے ہوئے دو آدمی آہستہ آہستہ چلتے اس کے قریب آئے تو اُس نے صدا لگائی۔

"یہ کوئی عقل والا بھکاری معلوم ہوتا ہے" ـــ ایک افریقی نے کہا۔

"ہاں!" ـــ دوسرے نے کہا ـــ "دوسرے بھکاریوں کی طرح اپنی مجبوریوں کا رونا نہیں روتا۔"

دونوں اپنی تھیلیوں سے پیسے نکالنے لگے۔ بھکاری زمین پر بیٹھا منہ اوپر کر کے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک افریقی اُسے پیسے دینے لگا تو اُس کا ہاتھ رُک گیا۔ وہ بھکاری کے سامنے بیٹھ گیا اور اُس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کا چہرہ ذرا اُوپر اٹھایا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" ـــ افریقی نے بھکاری سے پوچھا۔

"میرا کوئی نام نہیں" ـــ بھکاری نے کہا ـــ "میں اللہ کے اس فرمان کی مجسم تفسیر ہوں

کہ وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔"

"خدا کی قسم!" ــــ افریقی نے کہا ــــ "تم موسیٰ ہو.... موسیٰ بن نصیر!..... امیر افریقہ!

"فاتح اندلس؟" ــــ دوسرے افریقی نے حیرت زدگی کے عالم میں پوچھا۔

بوڑھے پابجولاں بھکاری کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

"یہ کس جرم کی سزا ملی ہے تمہیں؟" ــــ ایک افریقی نے پوچھا۔

بوڑھے بھکاری نے انگلی آسمان کی طرف کر دی۔ بولا کچھ بھی نہیں۔ اس پر رقّت اور جذباتی کیفیت طاری تھی۔

"ہم نے سنا تھا کہ تم خلیفہ کے زیرِ عتاب ہو" ــــ دوسرے افریقی نے کہا۔ "یہ تو ہمارے لیے بعید از قیاس تھا کہ تم بھکاری بن چکے ہو۔"

"بھکاری بنا دیا گیا ہوں" ــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا اور اپنی ٹانگوں اور پاؤں سے کپڑا ہٹا کر بولا ــــ "میں خلیفہ کا قیدی ہوں اور دمشق کے اسی قید خانے میں بند رہا ہوں جہاں اس خلیفہ نے فاتح سندھ محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کے دشمنوں کے ہاتھوں اذیتیں دے دے کر قتل کرا دیا۔ خلیفہ سلیمان فریضہ حج ادا کرنے کے لیے آیا ہے اور مجھے اس حکم کے ساتھ یہاں لایا ہے کہ میں بھیک مانگوں اور اسے دو لاکھ درہم ادا کروں ورنہ میں پاؤں میں بیڑیاں ڈالے اسی طرح بھیک مانگتا رہوں گا۔"

"دو لاکھ درہم؟" ــــ ایک افریقی نے حیرت سے کہا ــــ "کیا یہ اندلس کو فتح کرنے کا جرمانہ ہے؟"

اس سوال کا جواب خاصا طویل تھا۔ موسیٰ میں شاید اتنا زیادہ بولنے کی سکت نہیں تھی یا وہ جواب دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اس سوال کے جواب میں سوال کرنے والے افریقی کی طرف دیکھا اور اس کا سر آگے کو یوں ڈھلک گیا جیسے اسے اونگھ آگئی ہو۔

اس کی عمر اسّی برس ہونے کو تھی۔ عمر کے کم و بیش ساٹھ برس میدانِ جنگ میں لڑتے، کوچ کرتے اور خیموں میں رہتے گزرے تھے۔ وہ کئی معرکوں میں زخمی ہوا تھا۔ اس کے جسم کا کوئی ایسا حصّہ نہ تھا جس پر زخم کا نشان نہ ہو۔

اس کا زخم خوردہ وجود چلتی پھرتی تاریخ تھا ــــ اسلام کی عسکری تاریخ ــــ وہ عالم اور فاضل بھی تھا۔ عقل و دانش میں اس کا مقام بہت بلند تھا۔

یہ جو دو افریقی اس کے پاس رک گئے تھے، دونوں شمالی افریقہ کے رہنے والے بربر تھے اور دونوں اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ بربر شمالی افریقہ میں رہنے والی ایک وحشی اور خونخوار قوم تھی۔ آج ظلم و تشدّد کی انتہا کے لیے بربریّت کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ اسی بربر قوم سے منسوب ہے۔

بربر جنگ و جدل اور قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے لیے مشہور تھے لیکن فنِ حرب و ضرب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ ان کی بہادری اور خونریزی ان کے طاقتور

دشمنوں کو بھی خوف زدہ کر دیا کرتی تھی۔ یہ کئی بار مفتوح ہوئے لیکن کوئی بھی فاتح ان پر زیادہ عرصہ حکومت نہ کر سکا۔ آخر عرب کے مسلمانوں نے اس طرف رخ کیا۔ مجاہدین کے لشکر کے سپہ سالار عقبہ بن نافع فہری تھے جنہوں نے بڑی ہی خونریز لڑائیوں کے بعد بربروں پر فتح پائی تھی۔

بربر کچھ عرصہ بغاوتیں کرتے رہے لیکن عرب سپہ سالاروں نے ان بغاوتوں کو جنگی طاقت سے دبانے کی بجائے اسلام کے اصولوں کے ذریعے ٹھنڈا کیا۔ بربروں کا اپنا ایک مذہب تھا لیکن ان کے کلچر کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔ مسلمان فاتحین نے جب اسلام پیش کیا تو بربر بڑی تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے۔ انہیں فوج اور انتظامیہ میں اچھے عہدوں پر لیا جانے لگا۔ ان سے باقاعدہ لڑائیاں لڑائی گئیں اور اس طرح اس قوم میں ڈسپلن پیدا ہو گیا اور بربر اسلام کی ایک جنگی طاقت بن گئے۔

*

اب موسیٰ بن نصیر افریقہ کا امیر تھا۔ اُس نے اپنی حکمتِ عملی سے بربروں میں بغاوت کی آخری چنگاری کو بھی سرد کر دیا۔ وہ موسیٰ جو میدانِ جنگ میں کفار کے لیے سراپا قہر ہُوا کرتا تھا، باغی بربروں کے لیے ریشم سے نرم اور شہد سے میٹھا تھا۔ اُس کی اس حکمتِ عملی نے بربروں کو، خصوصاً بربر سرداروں کو اسلام کا شیدائی اور مردانِ حُر بنا دیا تھا۔

یہ بربر سردار جو مکہ معظمہ میں اُس کے سامنے آ بیٹھے تھے، موسیٰ کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ ان میں ایک یوسف ابن الحارث تھا اور دوسرا خضر ابن الغیاث۔ قبولِ اسلام کے بعد انہیں یہ نام عربوں نے دیئے تھے۔ وہ دونوں موسیٰ کو بھکاریوں کے روپ میں دیکھ کر اُسی احترام کا مظاہرہ کر رہے تھے جو اُن کے دلوں میں اُس وقت ہُوا کرتا تھا جب موسیٰ افریقہ کی مسندِ امارت پر بیٹھا ہوتا تھا۔

"ہمیں بتا امیر افریقہ!" — یوسف ابن الحارث نے پوچھا — "ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں" — موسیٰ نے کہا — "اللہ نے مجھے کسی گناہ کی سزا دی ہے۔"

"کچھ تو بتا ابنِ نصیر!" — خضر ابن الغیاث نے کہا — "ہم اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔"

"ہم سلیمان بن عبدالملک کو قتل کر سکتے ہیں" — یوسف ابن الحارث نے موسیٰ کے کان میں کہا — "وہ فریضہ حج کے لیے آیا ہے۔ اُس کی لاش واپس دمشق جائے گی۔"

"پھر کیا ہو گا؟" — موسیٰ نے پوچھا۔

"نیا خلیفہ تمہاری سزا معاف کر دے گا" — یوسف نے کہا — "ہم جان گئے ہیں کہ تم سلیمان بن عبدالملک کے ذاتی عناد اور حسد کا شکار ہوئے ہو۔"

"میں اُسے قتل کراؤں گا تو میں بھی اللہ کے حضور ذاتی عناد کا مجرم ہوں گا" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "میں خود اس کی خلافت کے خلاف بغاوت کرا سکتا تھا لیکن میرے دوستو! مجھے اپنی جان نہیں اسلام کی عظمت زیادہ عزیز ہے۔ میں نے اور مجھ سے پہلے افریقہ کے اُمراء نے تمہاری قوم میں بغاوتوں کو کیوں ختم کیا تھا؟ تمہیں اپنا غلام بنانے کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے اور کفر کے خلاف اسلام کو ایک طاقت بنانے کے لیے۔ میں کتنے دن اور جیوں گا؟ چند ایک اور چاند طلوع ہوتے دیکھ لوں گا۔ سلیمان کب تک زندہ رہے گا؟ اُسے بھی مرنا ہے۔ زندہ اسلام رہے گا۔ ایک خلافت کے خلاف بغاوت ہو گئی تو یہ آگ ہر اُس ملک میں پہنچ جائے گی جہاں مسلمان حکمران ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو نہیں اسلام کو بچانا ہے۔"

اُس وقت جب یہ بربر، یوسف ابن الحارث اور خضر ابن الغیاث موسیٰ بن نصیر کے ساتھ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے قتل اور خلافت کے خلاف بغاوت کی باتیں کر رہے تھے، ایک حاجی ان کے پاس آن کھڑا ہوا اور ان کی باتیں سن رہا تھا۔ یوسف نے اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم اس ضعیف العمر بھکاری کا تماشہ دیکھ رہے ہو؟" ـــــ یوسف نے اُسے کہا ـــــ "اِسے کچھ دینا ہے تو اللہ کے نام پر دو اور جاؤ۔"

"اس کی اور تمہاری باتیں سن رہا ہوں میرے افریقی بھائی!" ـــــ اس آدمی نے کہا۔ "میرا دل اس کے غم میں بوجھل ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم، یہ بزرگ مجھے اجازت دے تو میں اپنی جان کی بازی لگا کر خلیفہ کو قتل کر دوں..... اس عظیم انسان کو جو کوئی بھی پہچانے گا وہ یہی کہے گا جو تم کہہ رہے ہو اور جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟" ـــــ خضر نے اُس سے پوچھا ـــــ "لب و لہجے سے شامی لگتے ہو۔"

"ہاں!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "تم نے ٹھیک پہچانا میرے بھائی! میں شامی ہوں" ـــــ اُس نے تھیلی کھول کر اس میں سے دو دینار نکالے جو وہ موسیٰ کی گود میں پھینک کر بولا ـــــ "میں تمہیں جلدی ملوں گا..... اور میں کوئی اچھی خبر لے کر آؤں گا۔"

وہ چلا گیا۔

*

"دیکھ لیا ابن نصیر؟" ـــــ خضر نے موسیٰ سے کہا ـــــ "جو کوئی تمہیں جانتا ہے وہ تمہاری نجات کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔"

"لیکن میں اپنی جان کے لیے کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "میں نجات کی بھیک صرف اللہ سے مانگتا ہوں۔"

"تمہارا دو لاکھ جرمانہ ہم ادا کریں گے" ـــــ یوسف نے کہا ـــــ "لیکن واپس جا کر یہاں تو ہم زادِ راہ ہی لائے ہیں۔"

"میرا قبیلہ تمھارے نام پر درہم و دینار کے انبار لگا دے گا" — خضر نے کہا۔

یہ دونوں بربر موسیٰ کے سامنے سے اُٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے ایسی عقیدت کہ وہ تو جیسے اُسے اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

"تم دونوں چلے جاؤ" — موسیٰ نے انہیں کہا — "میں خلیفہ کا قیدی ہوں۔ وہ مجھے یہاں بٹھا کر بھول نہیں گیا۔ وہ اپنے محافظوں کے ذریعے مجھ پر نظر رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جن لوگوں کا میں امیر رہا ہوں وہ میری قدر و قیمت کو بھولے نہیں ہوں گے اور مجھے اس ذلت و رسوائی میں دیکھ کر کوئی بھی انتہائی کارروائی کر سکتے ہیں"

وہ دونوں وہاں سے اُٹھنے ہی والے تھے کہ چار آدمی ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے آئے اور دونوں بربروں کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔

"تم دونوں کو خلیفہ نے طلب کیا ہے" — ان میں سے ایک نے یوسف اور خضر سے کہا۔

"خلیفہ کو ہم سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" — یوسف نے پوچھا۔

"اس کا جواب صرف خلیفہ دے سکتا ہے" — اُس آدمی نے کہا — "ہم حکم کے پابند ہیں .... فوراً چلو"

"اگر ہم نہ چلیں تو؟" — خضر بولا۔

"پھر تمہیں یہاں سے گھسیٹ کر لے جایا جائے گا" — اُس آدمی نے کہا — "یہ بھی خلیفہ کا حکم ہے .... اس سے پہلے کہ تمہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر لے جایا جائے، چل پڑو"

"خلیفہ کے حکم کو تم نہیں ٹال سکتے میرے دوستو!" — موسیٰ نے کہا — "ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ رُسوائی سے بچو۔ اللہ تمھارا محافظ ہو"

وہ چاروں آدمی دونوں بربروں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ مُوسیٰ بن نصیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

*

حاجیوں کے خیموں سے الگ تھلگ خیموں کی ایک اور بستی آباد ہو گئی تھی۔ ان خیموں کے درمیان ایک خیمہ بہت بڑا تھا۔ یہ نام کو تو خیمہ ہی تھا لیکن یہ رنگدار قناتوں اور جھالروں والے شامیانے کا ایک خوبصورت کمرہ تھا۔ اس کے اندر ریشمی پردے لٹکے ہوئے تھے۔ ایک بڑا پلنگ اور اس پر ریشمی جالی کی مسہری تھی۔ نیچے قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ پلنگ سے ذرا ہٹ کر چھوٹے صوفے کی شکل کی ایک کرسی رکھی تھی۔ اس کے آگے ایک خوشنما چوکی اور چوکی پر مخمل کے غلاف والی گدی رکھی تھی۔ کرسی پر بیٹھنے والا اس گدی پر پاؤں رکھتا تھا۔

اس نرم و گداز کرسی پر ایک آدمی بیٹھا تھا جس کا لباس عربوں جیسا تھا اور لباس بھی ایسا کہ دُور سے دیکھنے والا بھی کہہ اُٹھتا تھا کہ یہ کسی ملک کا بادشاہ ہے۔ ایک آدمی اندر داخل ہُوا اور جھک کر پھر دایاں بازو گھما کر اور ہاتھ ماتھے پر رکھ کر تعظیم بجالایا۔

"خلیفۃ المسلمین!" ــــ اُس نے کہا ــــ "دونوں کو لے آئے ہیں۔"

"ان کے پاس ہتھیار ہیں؟" ــــ خلیفۃ المسلمین نے پوچھا۔

"نہیں خلیفۃ المسلمین!" ــــ اُس آدمی نے کہا ــــ "وہ احرام باندھے ہوئے ہیں، نہتے ہیں۔ ان کی تلاشی لے لی ہے۔"

خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک نے شہنشاہوں کے انداز سے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ اُس کے سامنے کھڑا آدمی اُلٹے پاؤں باہر نکل گیا۔

بربر یوسف ابن الحارث اور خضر ابن الغیاث اندر آئے۔

"السلام علیکم امیرالمومنین!" ــــ دونوں نے بیک زبان کہا۔

"بربروں کے متعلق میں نے جو سُنا تھا وہ غلط نہیں سُنا" ــــ خلیفہ نے کہا۔

"کیا سُنا ہے خلیفہ نے بربروں کے متعلق؟" ــــ خضر نے پوچھا۔

"کہ وہ تہذیب سے بے بہرہ ہیں" ــــ خلیفہ سلیمان نے کہا ــــ "وحشی ہیں.... تم سے ہمارے بدو اچھے ہیں جو آداب و اخلاق سے بیگانہ نہیں۔"

یوسف اور خضر کے چہروں پر حیرت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"میری طرف دیکھو" ــــ خلیفہ نے شاہانہ رعب سے کہا ــــ "ایک دوسرے کو کیا دیکھتے ہو.... تم بے قصور ہو۔ تمہیں دربارِ خلافت کے آداب سکھائے نہیں گئے۔ کیا تمہیں بتایا نہیں گیا کہ خلیفہ کے آگے جھک کر سلام کیا جاتا ہے؟"

"امیرالمومنین!" ــــ یوسف نے کہا ــــ "ہم صرف اُس دربار میں جھکنا جانتے ہیں جس میں حاضری دینے اتنی دُور سے آئے ہیں۔ اللہ کے اس دربار میں ہم صرف جھکتے ہی نہیں سجدے بھی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ آداب اسلام نے سکھائے ہیں۔"

"اس وقت تم خلیفۃ المسلمین کے دربار میں ہو" ــــ خلیفہ سلیمان نے عتاب آمیز لہجے میں کہا ــــ "یہاں بھی جھکنا لازمی ہے۔"

"خلیفۃ المسلمین!" ــــ یوسف نے کہا ــــ "ہم نے اسلام اس لیے قبول کیا تھا کہ اس کے اصول ہمیں اچھے لگے تھے۔ ایک یہ کہ انسان انسان کے آگے نہیں جھکا کرتا۔ اسلام صرف اللہ کے آگے جھکنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر آپ ہمیں اپنے آگے جھکنے کا حکم دیتے ہیں تو ہم اسلام کو ترک کر کے واپس اپنے مذہب میں چلے جاتے ہیں۔"

"میں اسلام کا ہی خلیفہ ہوں" ــــ سلیمان نے کہا ــــ "مجھے مت بتاؤ اسلام کے احکام کیا ہیں۔ میں جنگلوں میں رہنے والے اور تہذیب و اخلاق سے نابلد بربروں کو اجازت

نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے اسلام کے احکام سنائیں۔"

"بربروں کی تہذیب اور ان کا اخلاق دیکھنا ہے تو اندلس میں جاکر دیکھ خلیفہ!۔۔۔

خضر بھڑک کر بولا ۔۔۔ "کیا تو نہیں جانتا کہ اندلس کی فتح کا سہرا بربروں کے سر ہے۔"

"طارق بن زیاد بھی بربر ہے" ۔۔۔ یوسف نے کہا ۔۔۔ "جن بربروں کو تو وحشی اور جنگلی کہہ رہا ہے، انہوں نے اندلس کے کفار کے دل جیت کر انہیں حلقہ بگوشِ اسلام کرلیا ہے۔"

"خلیفۃ المسلمین!" ۔۔۔ خضر نے کہا ۔۔۔ "تو نے اندلس کے فاتحین کو واپس بلالیا ہے تو بربر عرب کے سالاروں کی کمان میں ابھی آگے ہی آگے بڑھے جارہے ہیں۔ طارق بن زیاد نے اندلس کے ساحل پر فوج اتار کر کشتیاں جلاڈالی تھیں کہ واپسی ممکن ہی نہ رہے مگر اس نے آدھا اندلس فتح کرلیا تو تو نے اسے دمشق بلاکر اس کے بال و پر جلا دیئے کہ وہ گمنامی میں کھوجائے اور دوسرے فاتح، امیرِ افریقہ موسیٰ بن نصیر کو بیڑیاں ڈال کر بھکاری بنادیا۔ اندلس میں جاکے دیکھ۔ وہ بربر ہیں جنہوں نے اندلس کے سینے میں اسلام کا پرچم گاڑ دیا ہے۔"

"اور سنا ہے تم دونوں موسیٰ کی ذلت و رسوائی کا مجھ سے انتقام لوگے" ۔۔۔ خلیفہ نے کہا ۔۔۔ "کیا تم میں اتنی جرأت ہے کہ تم مجھے قتل کرو؟.... تم بغاوت کرکے میری خلافت کا تختہ الٹنا چاہتے ہو؟"

"اگر موسیٰ بن نصیر اشارہ کردے تو ہم بغاوت بھی کرکے دکھادیں گے" ۔۔۔ یوسف نے کہا ۔۔۔ "اگر تیرے مخبروں نے ہماری وہ باتیں جو ہم نے موسیٰ کے ساتھ کی ہیں، تیرے کانوں میں ڈال دی ہیں تو ہم جھوٹ نہیں بولیں گے۔"

"تعریف کر موسیٰ کی جس نے ہمیں روکا ہے" ۔۔۔ خضر نے کہا ۔۔۔ "کیا اس کی باتیں تیرے کانوں تک نہیں پہنچیں؟ وہ کہتا ہے بغاوت کا نام نہ لینا ورنہ سلطنتِ اسلامیہ کمزور ہوجائے گی مگر تو اسلام کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔"

"لے جاؤ ان بدزبان جنگلیوں کو" ۔۔۔ خلیفہ نے گرج کر کہا ۔۔۔ "انہیں دمشق کے قید خانے میں پہنچادو۔ یہی ان کا آخری ٹھکانہ ہوگا۔"

خلیفہ کے چھ سات محافظ دوڑتے اندر آئے۔ ان کی تلواروں کی نوکیں ان دونوں بربر سرداروں کے جسموں میں چبھنے لگیں۔ محافظ انہیں گھسیٹتے دھکیلتے ہوئے خیمے سے باہر لے گئے۔

"ہمیں فریضۂ حج سے روکنے والے!" ۔۔۔ یوسف اور خضر کی آوازیں خلیفہ سلیمان کو سنائی دے رہی تھیں ۔۔۔ "تیری بادشاہی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔"

ان کی آوازیں دبتی گئیں اور حاجیوں کی آواز کی مترنم گونج "اللھم لبیک"

... کے بعد ان دونوں بربروں کا کہیں سراغ نہ ملا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک ولید بن عبدالملک کا بھائی تھا۔ سلیمان سے پہلے خلیفہ ولید تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا لیکن اچانک اُسے ایسے مرض نے آن گھیرا کہ چند دنوں میں انتقال کر گیا۔ اپنے بیٹے کو وہ خلافت کے لیے نامزد بھی نہ کر سکا۔ اُس کے انتقال کے ساتھ سلیمان نے مسندِ خلافت سنبھال لی۔

دونوں بھائیوں میں یہ فرق تھا کہ ولید نے محمد بن قاسم کو ہندوستان پر فوج کشی کے لیے بھیجا تھا اور اُسے کمک اور ہر طرح کی مدد بھیجتا رہا۔ دوسری طرف اُس نے امیرِ شمالی افریقہ موسیٰ بن نصیر کے اس منصوبے کو منظور کیا کہ اُندلس پر حملہ کیا جائے اور اس کی قیادت ایک بربر سپہ سالار طارق بن زیاد کرے۔ ولید نے انہیں حملے کی اجازت ہی نہ دی بلکہ اُنہوں نے جو بھی مدد مانگی وہ اُس نے بھیجی۔

ولید کا بھائی سلیمان خلیفہ بنا تو اُس نے ہندوستان سے محمد بن قاسم کو اُس وقت مجرم کی حیثیت سے واپس بلا کر قید میں ڈالا پھر قتل کروا دیا جب وہ سندھ کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر کے فتح پہ فتح حاصل کرتا آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اُدھر اُس نے موسیٰ بن نصیر کو جو طارق بن زیاد کے پیچھے پیچھے اُندلس میں داخل ہو کر وہاں کے وہ علاقے فتح کرتا جا رہا تھا جو طارق کی زد میں ابھی نہیں آئے تھے، یہ حکم بھیج کر واپس دمشق بلا کر قید خانے میں ڈال دیا کہ پیش قدمی روک دو۔ سلیمان نے طارق کو بھی واپس بلا لیا۔

اگر ولید مرحوم کا بیٹا خلیفہ بن جاتا اور وہ باپ کے نقشِ قدم پر چلتا تو یورپ اور ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ سلیمان نے قتیبہ بن مُسلم کو بھی پابندِ سلاسل کر دیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ہندوستان اور یورپ میں مسلمانوں کی افواج کو پہنچانے اور اسلام کو ان دو ملکوں میں داخل کرنے کے پیچھے قتیبہ بن مُسلم کا ہاتھ تھا۔ قتیبہ اُس وقت چین میں تھے جب سلیمان نے انہیں دمشق میں طلب کیا تھا۔

*

موسیٰ بن نصیر حج کے دوران مکّہ میں بھیک مانگتا رہا۔ بھیک میں اُسے دن بھر میں جو رقم حاصل ہوتی وہ خلیفہ سلیمان کو دے دیتا اور مُوسیٰ کو کھلے آسمان تلے بٹھا دیا جاتا۔ ایک پہرہ دار اُس کے پاس موجود رہتا۔ اُسے تو کھانا بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے پیسوں سے کھانا خرید کر کھاتا تھا۔ وہ ایک سال سے اذیتیں سہہ رہا تھا خلیفہ سلیمان نے اُس کی عمر بھر کی فتوحات کو تو نظر انداز کر ہی دیا تھا، اُس نے اُس کی عمر کا بھی خیال نہ کیا۔ وہ تو اپنی آخری منزل کو پہنچ گیا تھا۔ خلیفہ سلیمان نے محض عناد کی وجہ سے موسیٰ بن نصیر کو صرف قید میں ہی نہیں ڈالا تھا بلکہ غیر انسانی ایذا رسانی سے اُس کے بوڑھے جسم کو توڑ پھوڑ دیا تھا۔ موسیٰ کو تپتی ہوئی ریت پر جلا دینے والی دھوپ میں کئی کئی گھنٹے کھڑا رکھا جاتا تھا۔ وہ بیہوش ہو کر گر پڑتا تو اُس کے منہ میں پانی کے چند قطرے ٹپکا دیئے جاتے کہ وہ زندہ رہے۔ اُسے زندہ رکھنے کے لیے ہی

کھانے کے لیے کچھ دے دیا جاتا تھا جو نا کافی غذا ہوتی تھی۔

موسیٰ بن نصیر کو تو پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے کسی اور مقصد کے لیے اندلس سے بلایا تھا لیکن اُس کی بدقسمتی کہ وہ واپس آیا تو ولید آخری سانس لے رہا تھا۔ اس طرح موسیٰ سلیمان کے ہتھے چڑھ گیا۔ سلیمان نے اُس پر مختلف الزام عائد کر کے اُس پر ایذا رسانی کے وحشیانہ طریقے آزمائے پھر اُس پر دو لاکھ دینار جرمانہ عائد کر کے اُسے کہہ دیا گیا کہ بھیک مانگو اور جرمانہ ادا کرو۔

جب یوسف ابن الحارث اور خضر ابن الغیاث کو خلیفہ سلیمان کے اشارے پر گھسیٹتے دھکیلتے باہر لے گئے تو خلیفہ کے خیمے کے ساتھ والے حصے کا پردہ ہٹا اور ایک حسین و جمیل جواں سال عورت سامنے آئی۔ وہ شام کے خطے کے حسن کا شاہکار تھی۔ وہ آکر خلیفہ سلیمان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اُس نے اپنے ہاتھ سلیمان کے کندھے پر رکھ دیئے پھر اُس کی انگلیاں سلیمان کی گردن پر رینگنے لگیں۔ سلیمان نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر کے عورت کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"کلثوم!" ـــــ سلیمان نے آہستہ سے کہا۔

وہ عورت جو ابھی جوان لڑکی تھی، اُس کے آگے آکر اُس کے زانوؤں پر بیٹھ گئی۔

"کیا تم نے سنا ہے ہم نے کیا کیا ہے؟"

"ہاں امیرالمومنین!" ـــــ کلثوم نے سلیمان کی گھنی مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا ـــــ "میں پردے کے ساتھ کھڑی سن رہی تھی۔"

"بدنصیب بربر!" ـــــ سلیمان نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا اور اپنا ایک بازو کلثوم کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہنے لگا ـــــ "افریقہ سے اتنی دور یہاں میرے حکم سے مرنے آئے تھے۔ موسیٰ کو بچانے کے لیے بغاوت کی باتیں کرتے تھے۔"

"کیا آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ آپ کی خلافت میں اب کوئی بھی بغاوت کی بات نہیں کرے گا؟" ـــــ کلثوم نے پوچھا۔

"جو کرے گا وہ اسی انجام کو پہنچے گا" ـــــ خلیفہ سلیمان نے کہا ـــــ "لوگ مجھے ظالم کہیں گے۔ تاریخ لکھنے والے مجھے سفاک اور جابر لکھیں گے لیکن آنے والی نسلیں یہ نہیں سنیں گی کہ ہمارے دورِ خلافت میں کسی ملک میں بغاوت ہوئی تھی۔"

"کیا یہ آپ کی بھول نہیں امیرالمومنین؟" ـــــ کلثوم نے کہا ـــــ "صرف دو بربر سرداروں کو ہلاک کر دینے سے بغاوت کے خطرے کو ختم نہیں کیا جا سکتا" ـــــ اُس نے سلیمان کے ساتھ رومان انگیز اور دل گداز حرکتیں کرتے ہوئے کہا ـــــ "موسیٰ کو قید کر کے آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا ہے۔"

خلیفہ سلیمان نے رومانی کیفیت میں نیم وا آنکھوں سے کلثوم کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ اُس پر تو جیسے سحر طاری ہوا جا رہا تھا۔

"کیا آپ نے سوچا نہیں کہ موسیٰ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اُندلس کا امیر مقرر کر آیا ہے؟" ــــ کلثوم نے کہا ــــ "عبدالعزیز کو پتہ چل چکا ہوگا کہ اُس کے باپ کو انسانی سے آہستہ آہستہ موت تک پہنچایا جا رہا ہے۔ طارق بن زیاد کو آپ نے پابند کر رکھا ہے کہ دمشق سے باہر نہ جائے۔ عبدالعزیز اور طارق ایک ہیں۔ اُندلس میں ہماری تمام فوج موسیٰ، طارق اور عبدالعزیز کو عظیم اور قابلِ تکریم و تعظیم سمجھتی ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ عبدالعزیز ہمارے خلاف بغاوت کرے گا؟"

"کیوں نہیں کرے گا؟" ــــ کلثوم نے کہا ــــ "وہ اپنے باپ کی بے عزتی کا انتقام ضرور لے گا۔ وہ تو خود مختاری کا اعلان بھی کر سکتا ہے۔ فوج اُس کے ساتھ ہے۔ آپ شاید یہ بھی بھول گئے ہیں کہ نصف سے زیادہ فوج بربر ہے۔ بربر بجا طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اُندلس کے فاتح وہی ہیں۔ آج آپ نے دو بربر سرداروں کو سزا دی ہے۔ جو بربر حج کرنے کے لیے آئے ہیں وہ ان دونوں سرداروں کو ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ کسی نہ کسی طرح انہیں پتہ چل جائے گا کہ آپ نے ان دونوں کو کہاں پہنچا دیا ہے۔"

"ٹھہرو!" ــــ سلیمان بن عبدالملک نے کہا ــــ "میں نے عبدالعزیز بن موسیٰ کے متعلق تو سوچا ہی نہیں تھا۔ مجھے سوچنے دو۔"

*

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی سوچوں پر رعونت اور ذاتی اقتدار کا نشہ طاری تھا۔ اس نشے میں کلثوم کے حُسن وجمال اور ناز وادا نے اضافہ کر دیا تھا۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے سے چند مہینے پہلے کلثوم اُس کے حرم میں آئی تھی۔ یہ اُس کے ایک دوست کا تحفہ تھا۔ کلثوم تو جیسے مردوں پر سحر طاری کرنے اور انہیں اپنے اشاروں پر نچانے کی تربیت یافتہ تھی۔ وہ آتے ہی سلیمان پر چھا گئی اور حرم کی ہر عورت کو اُس نے اپنی لونڈی بنا لیا تھا۔

کلثوم کے حسن و ادا میں سحر تھا یا نہیں وہ سحر کاری کی تربیت یافتہ تھی یا نہیں، اصل کمزوری سلیمان بن عبدالملک کی تھی۔ وہ عورت اور شراب کا رسیا تھا۔ اُمّتِ رسولؐ کی بدقسمتی کہ وہ خلیفہ بن گیا۔ اپنے کردار کے مطابق اُس نے خلافت کو شہنشاہیت کا رنگ دے دیا اور تاریخ کے روایتی بادشاہوں جیسے حکم جاری کر دیئے۔

تاریخ اور نفسیات گواہ ہے کہ جس مرد نے اعصاب پر عورت کو سوار کیا وہ خود ہی تباہ نہیں ہوا بلکہ وہ اگر اپنے خاندان کا سربراہ ہے تو اُس نے پورے خاندان کو تباہ کیا اور اگر وہ کسی ملک کا سربراہ ہے تو اُس نے پورے ملک کو تباہ کیا۔

تاریخ اس بارے میں خاموش ہے کہ کلثوم سلیمان کی بیوی تھی یا حرم کی داشتہ، البتّہ تاریخ بے شمار واقعات سناتی ہے جو سلیمان کو مطلق العنان اور سفاک بادشاہ ثابت

کرتے ہیں۔ اس کی خلافت دراصل خلافت میں لپٹی ہوئی بادشاہی تھی۔ وہ بظاہر فریضۂ حج ادا کرنے گیا تھا لیکن شاہانہ جاہ و جلال اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اُس کے حرم کی منظورِ نظر کلثوم اور کلثوم کی نوکرانیاں بھی اُس کے ساتھ تھیں۔ خلیفہ کا محافظ دستہ اور جاسوس بھی اُس کے ساتھ تھے۔ اُس نے اللہ کے گھر میں بھی جا کر اپنا دربار لگا لیا تھا۔

اُس شام جب اُس نے دو بربر سرداروں کو سزا دی تھی، وہ رات کو اپنے محلاتی خیمے سے نکلا اور اُس جگہ چلا گیا جہاں موسیٰ رات گزارنے کے لیے لیٹ جایا کرتا تھا۔ اُس کے ساتھ دو محافظ اور دو مشعل بردار تھے۔ موسیٰ لیٹا ہوا تھا۔

"اُٹھ!" ــــ اُس نے موسیٰ کے پہلو میں پاؤں سے ٹھوکر ماری۔

ضعیف العمر موسیٰ بن نصیر بڑی مشکل سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اُوپر دیکھا۔

"تیری عقل ٹھکانے آگئی ہے" ــــ سلیمان نے کہا ــــ "وہ دو بربر بغاوت کی باتیں کرتے رہے اور تو اُنہیں روکتا رہا۔"

"تیرے ڈر سے نہیں ابنِ عبدالملک!" ــــ موسیٰ نے آسمان کی طرف اُنگلی کر کے کہا ــــ "اللہ کے ڈر سے.... مجھے اب بھی تیری خلافت کا کوئی ڈر نہیں، تیرا کوئی ڈر نہیں۔"

سلیمان نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔

"بدبخت!" ــــ سلیمان نے کہا ــــ "تو کیا سمجھتا ہے کہ میرے دل میں اللہ کا ڈر نہیں؟"

"نہیں!" ــــ موسیٰ نے کہا ــــ "تو تو احکامِ الٰہی سے بھی واقف نہیں۔ قرآن کھول اور دُوسرا پارہ پڑھ۔ اللہ کا فرمان ہے ــــ حج کے دنوں میں اپنی عورتوں سے دُور رہو، کوئی بُرا کام نہ کرو، کسی سے لڑو جھگڑو نہیں۔ جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جاتے گا۔ سفرِ حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ اور بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے عقل والو! میری نافرمانی نہ کرو۔ ــــ کیا تو ان احکام پر عمل پیرا ہے خلیفہ سلیمان؟"

خلیفہ سلیمان اُسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتا واپس چلا گیا۔

*

پھر حج بھی ہو گیا۔ حاجیوں کے قافلے واپسی کے سفر کو چل پڑے۔ خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک کا قافلہ بھی دمشق کو روانہ ہو گیا۔ موسیٰ کو ہر روز تھوڑا سا سفر اونٹ پر کراتے باقی دن پیدل چلاتے تھے۔ اُس نے بھیک میں جو کچھ کمایا وہ خلیفہ کے جرمانے میں وصول کر لیا تھا۔

ڈیڑھ دو مہینوں بعد یہ قافلہ دمشق پہنچ گیا۔ موسیٰ کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

دمشق میں پہلی ہی رات کلثوم نے سلیمان کو یاد دلایا کہ اُندلس میں موسیٰ کا بیٹا امیر ہے اور وہ کسی بھی وقت اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے باغی ہو کر اُندلس کا

خودمختار حکمران بن سکتا ہے۔

"کلثوم!" ـــــ سلیمان نے کہا ـــــ "میں خلیفۃ المسلمین ہوں۔ مسلمانوں نے ایک نیا ملک فتح کیا ہے۔ وہاں نیا نظام رائج کیا جا رہا ہے۔ لڑائی بھی ابھی جاری ہے۔ کیا یہ میرا فرض نہیں کہ خلیفہ کی حیثیت سے وہاں جاؤں؟ اس سے میری اہمیت اور مقبولیت بڑھے گی۔"

"نہیں خلیفۃ المسلمین!" ـــــ کلثوم نے کہا ـــــ "مجھے آپ کی جان کا خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ جانے والوں میں کوئی وہاں بتا دے کہ موسیٰ بن نصیر قید خانے میں ہے اور اس کی حالت بہت بُری ہے۔ اس صورت میں آپ کا وہاں سے زندہ نکل آنا ناممکن ہو گا۔"

"مجھے وہاں کے حالات معلوم کر لینے چاہئیں" ـــــ سلیمان نے کہا ـــــ "اگر بغاوت اور خودمختاری کا ذرا سا بھی اشارہ ملا تو میں عبدالعزیز کو ٹھکانے لگوا دوں گا۔"

دوسرے دن خلیفہ سلیمان نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک تیز رفتار قاصد کو طلیطلہ (اُندلس) اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئے۔ خلیفہ نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اُس نے کیا کچھ معلوم کرنا ہے اور بہت جلدی واپس آنا ہے۔

"اور آخری بات" ـــــ سلیمان نے قاصد سے کہا ـــــ "کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ تم میرے بھیجے ہوئے قاصد ہو۔ اپنے متعلق یہ بتانا کہ تم اُندلس میں یہ دیکھنے کے لیے آئے ہو کہ اس ملک میں آکر آباد ہو جاؤں تو کچھ سُودمند ہو گا یا نہیں۔"

*

انتہائی تیز رفتاری سے آنے جانے کے باوجود قاصد کو واپس آتے ڈیڑھ مہینہ لگ گیا۔ اس دوران موسیٰ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ صبح سویرے قید خانے سے نکل کر شہر میں بھیک مانگا کرے اور شام کو تمام رقم قید خانے کے حاکم کے حوالے کر دیا کرے۔

"خلیفۃ المسلمین!" ـــــ قاصد نے اُندلس کے احوال و کوائف سناتے ہُوئے کہا ـــــ "اِس سے زیادہ خوبصورت اور سرسبز خطہ دنیا میں شاید ہی کہیں ہو گا۔"

"میں خطے کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتا" ـــــ سلیمان بن عبدالملک نے کہا ـــــ "صرف یہ بتاؤ کہ امیر عبدالعزیز بن موسیٰ وہاں کیا کر رہا ہے اور اپنی فوج اور لوگوں میں اُس کے متعلق کیا باتیں ہوتی ہیں۔"

"اگر فوج اور لوگوں میں وہاں کوئی مقبول آدمی ہے تو وہ صرف امیر اُندلس عبدالعزیز ہے" ـــــ قاصد نے کہا ـــــ "وہ متقی اور زاہد ہے۔ عالِم دین ہے۔ عرب اور بربر تو اُس کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہی ہیں، عیسائیوں میں بھی وہ نیک نام ہے۔"

قاصد نے تفصیل سے بتایا کہ اُس نے اُندلس کے مقامی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کچھ کیا ہے اور کر رہا ہے۔

"امیرِ اُندلس عبدالعزیز نے وہاں کے لوگوں کی کایا پلٹ دی ہے" —— قاصد نے کہا —— "وہاں دولت مند عیسائی غریب عیسائیوں پر حکومت کرتے تھے۔ وہاں انصاف اسی کو ملتا تھا جس کے پاس سونے کے سکّے ہوتے تھے۔ زندگی کی ہر عیش، ہر سہولت اسی طبقے کو حاصل تھی۔ امیر عبدالعزیز نے غریب عوام کو ایسی زندگی دی ہے کہ وہ نہ صرف پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں بلکہ انہیں وقار اور تکریم بھی حاصل ہو گئی ہے"

موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز نے اُندلس میں فتح کے فوراً بعد وہاں کے لوگوں کی بھلائی کے لیے جو کام کیے تھے، ان کی تفصیل اس داستان کے آخر میں بیان کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ضروری ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کچھ اور سننا چاہتا تھا۔

"بربر عبدالعزیز کے متعلق کیا کہتے ہیں؟" —— خلیفہ نے قاصد سے پوچھا۔

"خلیفۃ المسلمین کو معلوم ہو گا کہ سالار طارق بن زیاد کے ساتھ جو فوج اُندلس کے ساحل پر اُتری تھی وہ سب بربر تھے" —— قاصد نے جواب دیا —— "بربروں کو جو مالِ غنیمت ملا وہ ان لوگوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ امیر عبدالعزیز نے بربر فوج کو بہت زیادہ تعظیم دی۔ مُوسیٰ بن نصیر بڑے لمبے عرصے سے افریقہ کا امیر تھا۔ اُس نے بربر قوم پر ایسی نوازشات کیں کہ وہ مُوسیٰ کو اپنا مُرشد مانتے ہیں۔ اس وجہ سے بربر امیر عبدالعزیز پر اپنا جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں"

"کیا وہاں کوئی ہمارا بھی نام لیتا ہے؟" —— خلیفہ سلیمان نے پوچھا۔

"اگر خلیفۃ المسلمین اِس گستاخی کی اجازت دیں تو زبان کھولوں" —— قاصد نے کہا۔

"اجازت ہے" —— خلیفہ کی بجائے کلثوم نے کہا جو خلیفہ کے ساتھ لگی بیٹھی تھی —— "بے خوف ہو کر بات کرو"

"خلیفۃ المسلمین!" —— قاصد نے کہا —— "میں بہت سی سرائوں میں گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ، عیسائیوں کے ساتھ، بربر مسلمانوں کے ساتھ باتیں ہوئیں۔ کسی نے دمشق کی خلافت کا نام نہیں لیا۔ میں مسجدوں میں گیا جو وہاں نئی بنی ہیں۔ وہاں بھی کسی نے خلیفہ کا نام نہیں لیا۔ اگر نام لیا جاتا ہے تو امیر عبدالعزیز کا لیا جاتا ہے"

"کیا موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی بھی کوئی بات ہوتی ہے؟" —— خلیفہ نے پوچھا۔

"یہ تو میں نے کئی لوگوں کو ایک دوسرے سے پوچھتے سنا ہے" —— قاصد نے کہا —— "وہ پوچھتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کہاں چلے گئے ہیں.... خلیفۃ المسلمین! جس کسی کو پتہ چلا کہ میں دمشق سے آیا ہوں اُس نے یہ ضرور پوچھا کہ موسیٰ اور طارق کیا دمشق میں ہیں؟ پھر یہ پوچھا کہ وہ کب واپس آئیں گے؟.... میں نے وہاں یہ دیکھا ہے

کہ اُندلس کا خلافت کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ آپ کو وہاں جانا چاہیے خلیفۃ المسلمین!
"ہاں!" ۔۔۔ خلیفہ سلیمان نے کہا ۔۔۔ "ہمیں وہاں جانا چاہیے۔ اگر ہم نہ گئے تو ایک روز خطبے سے بھی ہمارا نام نکل جائے گا۔"
"تم جا سکتے ہو" ۔۔۔ کلثوم نے قاصد سے کہا۔ قاصد چلا گیا تو کلثوم نے سلیمان سے کہا ۔۔۔ "آپ اُندلس نہیں جائیں گے۔ کیا آپ نے قاصد کی اتنی زیادہ اور اتنی واضح باتوں سے اندازہ نہیں کیا کہ اُندلس ایک روز خود مختار ملک بن جائے گا۔ کیا آپ بنو امیہ کی خلافت کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ موسیٰ کے خاندان کو خلافت کی گدی دینا چاہتے ہیں؟"
"نہیں!" ۔۔۔ سلیمان نے کہا ۔۔۔ "میں موسیٰ کے خاندان کو ختم کر کے مروں گا۔"
"موسیٰ کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ وہ ایک نئے مفتوحہ ملک کا امیر اپنے بیٹے کو مقرر کر آیا ہے؟" ۔۔۔ کلثوم نے کہا ۔۔۔ "موسیٰ کو ختم کر دینے سے اس کا خاندان تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس کی نسل ختم ہونی چاہیے۔"
"ابو حنیف کو بلاؤ" ۔۔۔ سلیمان نے کہا۔
کلثوم چل پڑی۔
"تم کہاں جا رہی ہو؟" ۔۔۔ سلیمان نے اُسے روکا ۔۔۔ "دربان کو بھیجو۔"
"ابو حنیف کو آپ کے حضور لانے کے لیے مجھے ہی جانا چاہیے" ۔۔۔ کلثوم نے کہا ۔۔۔ "وہ آپ کے حکم کے انتظار میں یہیں بیٹھا ہے۔"
کلثوم کمرے سے نکل گئی۔ راہداری اور دو کمروں میں سے گزرتی اُس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ بڑا ہی خوشنما کمرہ تھا۔ اُس میں ایک خوبرو اُدھیڑ عمر عرب بیٹھا تھا۔
کلثوم کو دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے اپنے بازو آگے پھیلا دیئے۔ کلثوم سیدھی اُس کے بازوؤں میں چلی گئی۔ وہ ابو حنیف تھا۔
"بیٹھ جاؤ" ۔۔۔ کلثوم نے اُسے بٹھا دیا اور اُس کے پاس بیٹھ کر بولی ۔۔۔ "اُندلس جانے کے ارادے باندھتا ہے.... تم اس کے مشیر ہو۔ مشیر تو اس کے اور بھی ہیں لیکن میں نے تمہیں اس کے دل میں اتارا ہوا ہے۔"
"یہ کوئی نئی بات نہیں" ۔۔۔ ابو حنیف نے کہا ۔۔۔ "نئی بات کرو۔ قاصد کیا خبر لایا ہے اور سلیمان کیا کہتا ہے۔"
کلثوم نے اُسے قاصد کی تمام باتیں سنائیں۔ سلیمان کا ردِ عمل بھی سنایا اور کلثوم نے سلیمان کو جو مشورہ دیا تھا وہ بھی سنایا۔
"یہی مشورہ میں دوں گا" ۔۔۔ ابو حنیف نے کہا ۔۔۔ "سلیمان کی خلافت قائم رہی تو ہماری بھی بات بنی رہے گی.... یہ بھی یاد رکھ کلثوم! اُندلس سے جو لونڈیاں اور کنیزیں موسیٰ بن نصیر نے سلیمان کو تحفے کے طور پر دی تھیں، ان میں ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت

ہے۔ ان عیسائی لڑکیوں کے دماغ بہت تیز ہوتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کنیزیں وہاں نوکرانیاں نہیں تھیں۔ یہ شاہی خاندانوں اور امراء کے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی تمہیں پیچھے کر کے خود آگے ہو جائے۔"

"یہ باتیں پھر کرلیں گے" ـــ کلثوم نے کہا ـــ "خلیفہ تمہیں بلا رہا ہے۔ وہ اُندلس کے امیر عبدالعزیز کے متعلق تم سے مشورہ لے گا۔"

"کیا مشورہ دوں؟"

کلثوم نے اپنا دایاں ہاتھ چھری کی طرح اپنی شہ رگ پر پھیرا۔

"فوراً جاؤ" ـــ کلثوم نے کہا ـــ "وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے.... اُسے اُندلس جانے کا مشورہ نہ دینا۔"

ابو حنیف تیز تیز چلتا خلیفہ کے کمرے میں چلا گیا اور دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے۔

*

اسی دن کے پچھلے پہر دمشق سے ایک قاصد اُندلس کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ایک تحریری پیغام لے جا رہا تھا۔ پیغام چمڑے کی تھیلی میں بند کیا گیا تھا اور تھیلی کا منہ ابو حنیف نے خلیفہ سلیمان کی موجودگی میں سربمہر کیا تھا۔ پیغام ابو حنیف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور خلیفہ سلیمان نے لکھوایا تھا۔ قاصد کا نام جو تاریخ میں آیا ہے وہ ابوالنصر ہے۔ یہی قاصد سلیمان سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے موسیٰ کو اُندلس سے بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ ابوالنصر ایوانِ خلافت کا قابلِ اعتماد عہدیدار تھا۔

"ابوالنصر!" ـــ اب سلیمان نے اپنا پیغام اُندلس بھیجنے کے لیے ابوالنصر کو دے کر کہا تھا ـــ "تم جانتے ہو کہ ہمارے بڑے بھائی ولید تم پر کتنا اعتماد کرتے تھے۔ تمہارا وہ اعتماد اب بھی قائم ہے۔ یہ پیغام راستے میں نہ کھلے۔ اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو تھیلی کی مہر توڑ کر اس پیغام کو جلا دینا یا اپنے منہ میں ڈال کر نگل لینا۔ کسی اور کے ہاتھ نہ جائے۔"

"ایسے ہی ہوگا امیر المومنین!" ـــ ابوالنصر نے کہا۔

"اور ایک بار پھر سن لو" ـــ خلیفہ سلیمان نے کہا ـــ "یہ پیغام حبیب ابن عبیدہ کے ہاتھ میں جائے۔ کسی اور کو پتہ نہ چلے کہ کوئی پیغام لائے ہو.... باقی سب کچھ تمہیں سمجھا دیا گیا ہے۔"

*

ابھی اُندلس کا دارالسلطنت طلیطلہ تھا۔ امیر عبدالعزیز طلیطلہ میں ہی تھا۔ ابوالنصر رات کو طلیطلہ کے مضافات میں پہنچا۔ قلعے کے دروازے بند تھے اس لیے اُسے رات شہر سے باہر گزارنی پڑی۔ صبح دروازے کھلے تو وہ شہر میں داخل ہوا۔ اس نے اپنا حلیہ اور

لباس بدل لیا تھا جس میں وہ عرب لگتا ہی نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی یہاں آچکا تھا اس لیے مختلف اور اہم جگہوں سے وہ واقف تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ حبیب ابنِ عبیدہ کہاں رہتا ہے۔

مؤرخوں کے مطابق حبیب ابنِ عبیدہ فوج کے کسی اعلیٰ رتبے پر فائز اور ان دنوں وہ انتظامیہ میں تھا۔ شائد اسی لیے تاریخ میں اس کے نام کے ساتھ امیر لکھا گیا ہے ـــــ امیر حبیب ابنِ عبیدہ۔

ابوالنصر اس کے گھر پہنچ گیا۔ اُس وقت حبیب کا ایک رفیقِ کار زید بن نابہ اُس کے پاس آیا بیٹھا تھا۔ خادم نے اُسے اطلاع دی کہ ایک آدمی اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ حبیب باہر آیا۔

"کون؟" ـــــ حبیب نے ابوالنصر کو بڑی غور سے دیکھ کر کہا ـــــ "کیا تم ابوالنصر نہیں ہو؟ کسی کے لیے خلیفہ کا پیغام لائے ہو؟"

"صرف تمہارے لیے!" ـــــ ابوالنصر نے کہا ـــــ "خلیفہ کا کوئی خاص اور خفیہ پیغام ہے ہے حکم ہے کہ کسی اور کو پتہ نہ چلے کہ میں پیغام لے کر آیا ہوں.... پیغام لے لو، مجھے چھپا لو۔ میں جواب لے کر چلا جاؤں گا۔"

حبیب ابنِ عبیدہ نے اُس سے تھیلی لے لی اور اپنے خادم سے کہا کہ اس مسافر کو الگ کمرے میں رکھے اور اس کے کھانے پینے کا بہت دھیان رکھے۔

اپنے کمرے میں جاکر زید بن نابہ کے سامنے حبیب نے تھیلی کھولی اور پیغام نکالا۔ پڑھتے پڑھتے اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ پیغام لمبا نہیں تھا۔ مؤرخ دوزی اور سکاٹ لکھتے ہیں کہ پیغام حبیب ابنِ عبیدہ کے ہاتھ سے گر پڑا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پیغام زید نے اُٹھا لیا اور پڑھنے لگا۔

"امیرِ اُندلس عبدالعزیز کو قتل کر دو" ـــــ زید نے پیغام پڑھا ـــــ "اور اُس کا سر دمشق بھیج دو؟.... اور کسی کو پتہ نہ چلے۔"

"ابن نابہ!" ـــــ حبیب نے کہا ـــــ "تم جانتے ہو موسیٰ بن نصیر کے ساتھ میری دوستی کتنی گہری ہے۔ میں اُس کے بیٹے کو کس طرح قتل کروا دوں؟.... نہیں.... یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

"پھر خود مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ" ـــــ زید بن نابہ نے کہا ـــــ "اس خلیفہ کا حکم نہیں مانو گے تو وہ تمہیں اور تمہارے خاندان کے بچے بچے کو قتل کرا دے گا۔ قتل سے پہلے تمہیں قید خانے میں بند کر کے اتنی اذیتیں دے گا کہ دن رات میں کئی کئی بار مرو گے۔"

"کیا تم میرا ساتھ دو گے؟" ـــــ حبیب نے پوچھا۔

"کہو گے تو ضرور ساتھ دوں گا" ـــــ زید نے کہا ـــــ "ابن عبیدہ! تمہیں خلیفہ کا یہ

حکم ماننا ہی پڑے گا۔"

*

ان دونوں کے درمیان بہت باتیں ہوئیں۔ تقریباً تمام یورپی اور مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حبیب ابنِ عبیدہ کی دوستی موسیٰ کے ساتھ تو ضرور تھی لیکن مرحوم خلیفہ ولید اور اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کے حبیب ابن عبیدہ پر اور اس کے خاندان پر ایسے احسانات تھے جنہیں وہ فراموش نہیں کر سکتا تھا اور سلیمان کی انتقامی کارروائی کے خوف سے بھی وہ اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے پانچ فوجی عہدیداروں کو ساتھ ملایا اور انہیں اعتماد میں لیا۔ یہ پانچوں بنوامیہ میں سے تھے۔ یہ سب امیر عبدالعزیز کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔

مشکل یہ پیش آگئی کہ امیر عبدالعزیز فلاح و بہبود اور ترقیاتی کاموں میں اس قدر بھاگ دوڑ کرتا تھا کہ کسی ایک جگہ ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ اُندلس کے کئی علاقوں میں لڑائی ابھی جاری تھی۔ عیسائی مسلمانوں کو اُندلس سے نکالنے سے تو عاجز ہو چکے تھے، وہ باقی ماندہ اُندلس کو بچانے کے لیے بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ امیر عبدالعزیز اچانک کسی نہ کسی محاذ پر چلا جاتا تھا۔

اُس پر قاتلانہ حملے کی کوشش کی گئی جو ایسی بری طرح ناکام ہوئی کہ اُسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ اُسے کسی نے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخر حبیب ابن عبیدہ نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈ نکالا جو پاگل پن کی حد تک نڈر اور دماغ اور جسم کا بہت تیز تھا۔ وہ اکیلا امیر عبدالعزیز کے ساتھ سائے کی طرح لگ گیا۔ عبدالعزیز ہر جگہ اپنے محافظوں کے گھیرے میں رہتا تھا۔ اس تک تو تیر بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اس قاتل نے جس کا نام کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھا، ایک موقع ڈھونڈ لیا۔ اُس زمانے میں فوج میں سپہ سالار امامت کے فرائض پورے کیا کرتا تھا اور دارالسلطنت کی جامع مسجد میں امامت امیر کرتا تھا۔ ایک روز امیر عبدالعزیز مسجد میں نمازِ فجر کی امامت کے لیے کھڑا ہوا۔ اُس نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی اور سورۃ واقعہ کی تلاوت شروع کی ہی تھی کہ اگلی صف سے ایک آدمی بجلی کی تیزی سے آگے کو نکلا۔ چشم زدن میں تلوار نکالی۔ ایک ہی وار میں امیر عبدالعزیز کا سر تن سے جُدا کیا۔ سر کو اٹھایا اور پیشتر اس کے کہ نمازی جان سکتے کہ یہ ہوا کیا ہے، قاتل مسجد سے نکل گیا اور غائب ہو چکا تھا۔

اُس نے کٹا ہوا سر کپڑے میں چھپا لیا تھا۔ وہ حبیب ابنِ عبیدہ کے گھر پہنچ گیا۔ حبیب اُس کے انتظار میں تھا۔ اُس نے کھال کا ایک تھیلا بنوا رکھا تھا۔ سر کو اُس میں ڈال کر اُس کا منہ سی دیا گیا اور حبیب نے یہ تھیلا مخمل کے ایک تھیلے میں ڈال کر قاصد ابوالنصر کو دیا۔

"یہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو دے دینا"۔۔۔ حبیب نے کہا۔

"اس میں کیا ہے؟" ــــ ابوالنصر نے پوچھا۔
"خلیفہ کے پیغام کا جواب ہے" ــــ حبیب نے کہا ــــ "ابھی چلے جاؤ"۔
ابوالنصر اُسی وقت روانہ ہو گیا اور تقریباً بیس دنوں بعد وہ دمشق پہنچ گیا۔ تھیلا خلیفہ سلیمان کے حوالے کر دیا۔

سلیمان نے امیر عبدالعزیز کا سر دیکھا تو اُس نے قہقہہ لگایا۔

"امیرِ اُندلس کا سر قید خانے میں لے جاؤ" ــــ خلیفہ نے حکم دیا ــــ "اور یہ اُس کے باپ موسیٰ بن نصیر کے آگے رکھ دو"۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ عبدالعزیز کا سر قید خانے میں موسیٰ کے آگے رکھ دیا۔ موسیٰ جو پہلے ہی ایذا رسانی، صدمے اور ذلت سے سُوکھ چکا تھا، بیٹے کا سر دیکھ کر غشی میں چلا گیا۔ ہوش میں آیا تو سر وہاں نہیں تھا۔

اسی قید خانے میں محمد بن قاسم کو اذیتیں دے دے کر اسی خلیفہ کے حکم سے قتل کرایا گیا تھا تو محمد بن قاسم نے موت سے ایک روز پہلے کہا تھا ــــ "اُنہوں نے ایک جوان کو ضائع کیا، اور کیسے جوان کو ضائع کیا!"

موسیٰ نے اپنے بیٹے کا سر دیکھ کر کہا ــــ "انہوں نے ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جو دن کو عدل و انصاف اور انتظامی کام کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت کرتا میرا بیٹا قائم اللیل اور صائم النہار تھا"۔

قتیبہ بن مسلم فاتح سمرقند کو بھیں اور اسی خلیفہ کے حکم سے قتل کیا گیا تو قبل از مرگ دورانِ قید اُس نے کہا تھا ــــ "اے اُمتِ رسولِ عربی! میں تو تیرے عروج کے لیے کوشاں تھا۔ اب تجھے زوال سے کون بچائے گا"۔

امیرِ اُندلس عبدالعزیز بن موسیٰ کے قتل کے بعد موسیٰ بن نصیر زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا، اور اس کے سال ڈیڑھ سال بعد سلیمان بن عبدالملک بھی مر گیا۔

یہ داستان نہیں۔ یہ ایک ولولہ انگیز اور ایمان افروز داستان کا انجام ہے۔ اس داستان کا آغاز ۵ رجب ۹۲ ہجری بمطابق ۹ جولائی ۷۱۱ء ہُوا تھا جب ایک عیسائی حاکم امیر مصر و افریقہ موسیٰ بن نصیر کے دربار میں یہ فریاد لے کر آیا تھا کہ اُندلس کے بادشاہ راڈرک نے اُس کی کنواری بیٹی کو بے آبرو کیا ہے اور وہ اس بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا ہے جو وہ مسلمانوں کی مدد کے بغیر نہیں لے سکتا۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو بلایا۔

وہ کوئی پرانی بات نہیں تھی کہ امیرِ مصر و افریقہ موسیٰ بن نصیر نے ایک عیسائی حکمران کی فریاد پر طارق بن زیاد کو بلایا تھا۔ تین چار سال پہلے کا ہی تو یہ واقعہ تھا۔ دمشق کے قید خانے میں بیٹھے ہوئے موسیٰ بن نصیر کو گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک واقعہ یاد آرہا تھا۔ اُس کی بوڑھی آنکھوں کے سامنے گزرے ہوئے لمحوں کا قافلہ اُلٹے قدم چلتا رہتا تھا۔ وہ نہیں یاد کرنا چاہتا تھا اُس وقت کو جو گزر گیا تھا۔ اُس کے آہستہ آہستہ، مدھم مدھم دھڑکتے دل کو تکلیف ہوتی تھی۔ دل کی یہ دھڑکن ماتمی دف کی مانند تھی۔ وہ تو مجبور اور مقہور زندگی کے باقی دن گزار رہا تھا۔

اُس کے دل میں تأسف نہیں تھا، کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اُس نے اللہ کا نام اور دین کا پیغام بحرِ ظلمات کے پار پہنچا دیا تھا۔ اب ناکردہ گناہ کی اُسے جو سزا مل رہی تھی، اُس کا اُس نے اللہ سے گلہ شکوہ نہیں کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اللہ اُس سے ناراض نہیں۔ وہ دنیا سے رشتہ توڑ چکا تھا۔ اُس نے ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا کہ اُسے اسی قید خانے میں جان دینی ہے اور اُسے گمنامی میں کہیں دفن کر دیا جائے گا۔ شاید اُس کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی۔

اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی دفن ہوا، دفن نہ بھی ہوا اور اُس کی لاش دریا بُرد کر دی گئی، تاریخِ اسلام میں وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جب تک سورج اپنی تمازت سے زمین کو زندہ رکھے گا، چاند اور ستارے کرۂ ارض کی راتوں کو روشن رکھیں گے، موسیٰ بن نصیر کا نام زندہ و پائندہ رہے گا۔

اُسے معلوم نہیں تھا کہ طارق بن زیاد کہاں ہے۔ خلیفہ نے دونوں کو دمشق بلایا تھا۔ موسیٰ کو طارق کے متعلق سوچ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اس جواں سال سپہ سالار فاتحِ اُندلس کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہو گا اور وہ بھی اسی قید خانے میں کسی اندھیری کوٹھڑی میں پڑا موت کا انتظار کر رہا ہو گا۔

موسیٰ بن نصیر کو جس ذلّت و رسوائی میں پھینکا گیا تھا، وہ بیان کیا جا چکا ہے اور پھر اُس کے بیٹے کا سر کٹوا کر اُس کے آگے رکھ دیا گیا۔

غم سے نڈھال، ضعیف العمر، ذلّت و مشقت سے اَدھ مُوا کیے ہوئے موسیٰ بن نصیر کو وہ دن یاد آیا جس دن شمالی افریقہ کی چھوٹی سی ایک ریاست سیوستہ کا گورنر جولین اُس کے پاس آیا تھا۔ وہ سارا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اُس دن موسیٰ شمالی افریقہ کے ایک شہر طنجہ میں تھا۔ موسیٰ مصر اور شمالی افریقہ کا امیر تھا، وہ مردِ میدان

تھا۔ سپہ سالار تھا اور شہری امور کا بہترین منتظم تھا۔ وہ کبھی چین سے نہ بیٹھا تھا۔ شہر شہر قریہ قریہ گھومتا پھرتا اور سلطنت کے احوال و کوائف کو دیکھتا رہتا تھا۔

ایک مسئلہ اُسے کبھی کبھی پریشان کر دیا کرتا تھا اور اسے وہ اپنی بہت بڑی ذمہ داری سمجھا کرتا تھا۔ یہ تھی بربر قوم۔ بربر شمالی افریقہ کے باشندے تھے۔ لڑاکے، خونخوار اور نڈر۔ ان کی تاریخ جنگ وجدل اور خونریزی کی بڑی لمبی داستان ہے۔ متعدد قومیں ان پر حملہ آور ہوئیں لیکن اپنی فوجیں کٹوا گئیں۔ اگر کسی نے انہیں مفتوح کیا بھی تو ان پر انتہائی مختصر عرصہ حکومت کی جا سکی۔ بربروں نے بغاوت کر کے اپنے فاتح حکمرانوں کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ روم جیسی بڑی طاقت کو اُنہوں نے رومیوں کے خون میں ڈبو دیا تھا۔ ہسپانوی گوتھ آئے اور بربروں کے ہاتھوں ایسی شکست کھا کر بھاگے کہ رُومیوں کی طرح گوتھوں نے بھی پھر کبھی ان کے کسی علاقے کا رُخ نہ کیا۔

بربروں کو شکست دی تو عرب کے مسلمانوں نے دی۔ شکست دینے پر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ اصل کام تو شکست دینے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ یہ تھا بربروں پر حکومت قائم کرنا۔ پہلے پہل ان پر جو امیر مقرر ہوئے وہ بربروں کو پسماندہ اور جنگلی قوم سمجھتے رہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ بربر خود سر اور سرکش قوم تھی۔ اس قوم کا اپنا مذہب اور اپنا کلچر تھا۔ بربروں نے مسلمانوں کا مذہب قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر سے پہلے امیر نے بربروں کو محکوم اور غلام سمجھنا چھوڑ دیا اور انہیں معاشرے میں، شہری انتظامیہ اور فوج میں اہمیت دی۔ رُتبے اور عہدے دیئے اور اسلامی مساوات کے اصولوں پر بربروں کو عربی معاشرے میں جذب کرنا شروع کر دیا۔ مشکل یہ تھی بربر عرب کے بدوؤں کی طرح قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا سردار تھا اور ہر قبیلہ آزاد تھا اس لیے انہیں ایک قوم کی حیثیت سے اکٹھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چند قبیلے اطاعت قبول کرتے اور باقی باغی ہو جاتے تھے، تاہم امیر کے بہتر سلوک اور تبلیغ سے متاثر ہو کر بربروں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔

پھر مُوسیٰ بن نصیر امیر بن کر آیا۔ اُس نے آتے ہی بربروں کی ایک الگ اور باقاعدہ فوج بنا دی۔ مُوسیٰ تمام قبیلوں تک خود گیا اور عملی طور پر اسلام کی تعلیمات متعارف کرائیں۔ جہاں طاقت استعمال کرنا پڑی وہاں طاقت استعمال کی لیکن زیادہ تر پیار و محبت کا حربہ استعمال کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں شاید ہی کوئی بربر ایسا رہ گیا ہو جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔

امیر مُوسیٰ بن نصیر نے بربر فوج کو عرب فوج کی طرح منظم کر دیا۔ بربر جنگجو تو تھے لیکن فنِ حرب و ضرب اور میدانِ جنگ کے نظم و نسق سے واقف نہ تھے وہ قتل و غارت اور دشمن کی بستیوں کو تباہ کرنے کے عادی تھے۔ مُوسیٰ نے انہیں ٹریننگ دے کر جنگی ڈسپلن کا اور کمانڈر کے احکام کے مطابق لڑنے کا پابند کر دیا۔

یہ کارنامہ موسیٰ بن نصیر کا تھا کہ اُس نے بربروں کے تمام قبیلوں کو ایک قوم بنا دیا لیکن ہر قبیلے کے سردار کی سرداری قائم رہنے دی۔ جذبے کے لحاظ سے وہ عربوں کے ہم پلّہ ہو گئے۔

+

ایک روز جب مُوسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے ایک شہر طنجہ میں مقیم تھا، اُسے اطلاع دی گئی کہ سیوستہ کا گورنر جولیَن اُسے ملنے آیا ہے۔

"جولیَن؟" ـــــ مُوسیٰ نے حیرت زدگی کے عالم میں پُوچھا ـــــ "اِس عیسائی حکمران کو مجھ سے ملنے کی کیا سُوجھی ہے؟"

"اُس کے ساتھ چند اور آدمی ہیں" ـــــ اطلاع دینے والے نے جواب دیا ـــــ "وہ شاہی خاندان کے آدمی یا اعلیٰ حکام معلوم ہوتے ہیں۔ وہ کچھ تحفے بھی لائے ہیں"۔

"خدا کی قسم، مجھے یقین نہیں آتا" ـــــ مُوسیٰ نے کہا ـــــ "کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ جس کے ساتھ ہماری لڑائیاں ہُوئیں اور جس کے ساتھ ہماری دشمنی ہے، وہ اچانک ہمارا دوست بن گیا ہے؟..... نہیں..... وہ شاید صلح کی پیش کش کرنے آیا ہوگا..... میں یہ پیش کش قبول نہیں کروں گا"۔

"امیرِ محترم!" ـــــ امیر مُوسیٰ کے ایک حاکم نے کہا ـــــ "وہ اتنی دُور سے آیا ہے۔ اُسے ملاقات کا موقع دے دیں"۔

سیوستہ ایک بڑے شہر کے برابر ریاست تھی جو جبل الطارق (جبرالٹر) کے بالمقابل بحیرۂ روم کے افریقی ساحل پر واقع تھی۔ اسے یورپ کا دروازہ کہا جاتا تھا۔ سیوستہ اور جبل الطارق کے درمیان جو سمندر حائل تھا، اس کی چوڑائی بارہ میل تھی۔ سیوستہ اُندلس کے بادشاہ راڈرک کے زیرِ نگیں تھا۔ شاہ راڈرک نے اپنی کچھ فوج سیوستہ کے حکمران جولیَن کو دے رکھی تھی اور جولیَن کی اپنی فوج بھی تھی۔

جولیَن کو چونکہ اُندلس جیسے طاقتور ملک کی پشت پناہی اور مدد حاصل تھی اِس لیے جولیَن اپنے اردگرد کے علاقوں پر فوجی طاقت کے ذریعے قبضہ کرنے کی کوششوں میں لگا رہتا تھا۔ امیرِ افریقہ مُوسیٰ بن نصیر نے اس کی سرکوبی کے لیے کئی بار فوج بھیجی۔ اِس طرح مُوسیٰ اور جولیَن کی فوجوں کے درمیان کئی بار لڑائی ہُوئی۔ دو تین بار امیر مُوسیٰ نے سیوستہ پہ باقاعدہ حملہ کرایا لیکن سیوستہ کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ اسے بجا طور پر ناقابلِ تسخیر کہا جا سکتا تھا۔ جولیَن کی فوج کو قلعے میں ہی روکے رکھنے کے لیے مُوسیٰ نے سیوستہ کے اردگرد بربر فوج بٹھا رکھی تھی اور مُوسیٰ نے اس ارادے کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ جولیَن کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے سیوستہ پر بھرپُور حملہ کرے گا اور محاصرے کو طول دے کر قلعے کی فوج اور دیگر لوگوں کو بھوک اور پیاس سے مجبور کر کے جولیَن سے ہتھیار ڈلوائے گا۔ اس صورت میں خطرہ یہ تھا کہ اُندلس کے شاہ راڈرک کی فوج کا جس کی

تعداد دو لاکھ بھی ہو سکتی تھی، جولین کی مدد کو آنے کا امکان تھا۔

مُوسیٰ نے دو بار جولین کو اپنے ایلچی کے ہاتھ پیغام بھیجا تھا کہ وہ امن سے رہے اور امن سے رہنے دے ورنہ اسے بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جولین نے ان دونوں پیغاموں کے جو جواب دیئے تھے، ان میں حقارت اور رعونت کی جھلک نمایاں تھی۔

"اے سلطنتِ اسلامیہ کے امیر!" — جولین نے دونوں بار اپنے جوابی پیغام میں کہا تھا — "سیوستہ کو محاصرے میں لینے سے پہلے اُندلس کی فوج کا حساب کر لینا تاکہ بعد کے پچھتاوے سے محفوظ رہو۔"

وہ خودسر اور سرکش دشمن مُوسیٰ سے مِلنے آیا تھا۔ مُوسیٰ نے اشارہ کیا کہ اُسے اندر لے آؤ۔

+

شاہانہ لباس میں ملبوس جولین شاہانہ چال چلتا اس کمرے میں داخل ہُوا جس میں مُوسیٰ اپنے دو تین مشیروں اور ایک دو سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا۔ جولین کو دیکھ کر وہ اُٹھا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ مصافحے کے لیے آگے کو پھیلے ہُوئے تھے۔ جولین نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔

"کاؤنٹ جولین والیٔ سیوستہ کہتے ہیں" — جولین کے ترجمان نے بربر زبان میں کہا — "میں امن و امان سے آیا ہوں، امن و امان سے رخصت ہوں گا۔ دوستی کا پیغام لایا ہُوں اور دوستی کا مژدہ لے کر جاؤں گا۔"

"ہمارے گھر میں کوئی بدترین دشمن آجائے تو اُسے بھی ہم دوست سمجھتے ہیں" — موسیٰ بن نصیر نے جولین سے بغلگیر ہوتے ہُوئے اور پھر اُسے اپنے ایک بازو کے گھیرے میں لے کر کرسی کی طرف لے جاتے ہُوئے کہا — "آپ کے دل میں خواہ کوئی خطرناک ارادہ ہی کیوں نہ ہو، ہم آپ کو دوست سمجھیں گے۔"

ترجمان دونوں کی باتیں بربر زبان میں ایک دوسرے کو سُنا رہا تھا۔ جولین کے ساتھ دو چاک و چوبند محافظ، زرق برق لباس میں ملبوس، سنہری انّیوں والی برچھیاں سلیقے سے اٹھائے ہُوئے تھے۔ دونوں بُت بنے دروازے کے ساتھ اندر کی طرف کھڑے تھے۔ جولین نے انہیں سر سے اشارہ کیا۔ دونوں مشینی آدمیوں کی طرح جُھکے، سیدھے ہُوئے اور اُلٹے قدم چلتے باہر چلے گئے۔ اُنھوں نے دروازہ بند نہ کیا۔

کُھلے ہُوئے دروازے میں سے دو سیاہ فام آدمی جن کے سَروں پر سفید ٹوپیاں اور کمر کے گرد چمکتے ہُوئے کپڑے کے تہبند تھے، ایک بکس دائیں اور بائیں سے پکڑے ہُوئے اندر آئے اور بکس موسیٰ بن نصیر کے آگے رکھ کر ڈھکنا کھول دیا۔ دونوں موسیٰ کے آگے دوزانو ہوئے اور سجدے میں چلے گئے۔ سجدے سے اُٹھے اور جُھکے

ہوئے الٹے قدم چلتے باہر چلے گئے۔ فوراً ہی ایسے دو اور حبشی غلام ایسا ہی بکس اٹھائے دروازے میں داخل ہوئے۔

"امیر سیوستہ!"۔۔۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا۔۔۔ "اپنے ان آدمیوں سے کہہ دو میرے آگے سجدہ نہ کریں اور جھکیں بھی نہیں۔"

"امیر سلطنتِ اسلامیہ!"۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔ "یہ غلام ہیں۔ شاہی خاندان کے افراد نہیں۔ انہیں سجدہ کرنے سے مت روکو۔"

"ہم سب غلام ہیں امیر جولین!"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔ "ہم سب ایک بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہوا کرتے ہیں"۔۔۔ موسیٰ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کر کے کہا۔۔۔ "اور وہ بادشاہ اللہ ہے۔ ان آداب کی پابندی آپ اپنے دربار میں کریں۔ ہم سب اس وقت اللہ کے دربار میں بیٹھے ہیں۔"

"کیا آپ نے مسلمانوں کو کبھی اکٹھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا؟"۔۔۔ موسیٰ نے پوچھا۔

"دیکھا تھا امیرِ افریقہ!"۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔ "جب آپ کی فوج نے سیوستہ کا محاصرہ کیا تھا تو ایک شام قلعے کی دیوار پر جا کر میں نے آپ کی فوج کو ایک آدمی کے پیچھے صف در صف نماز پڑھتے دیکھا تھا۔"

"کیا آپ نے کچھ محسوس کیا تھا؟"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔ "سالار اور سپاہی، اعلیٰ اور ادنیٰ، سفید اور سیاہ، حاکم اور محکوم اکٹھے کھڑے تھے۔ وہاں ایسی کوئی پابندی نہیں تھی کہ حاکم اگلی صف میں اور ماتحت پچھلی صف میں کھڑے ہوتے۔ اسلام میں آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر سب ایک ہو جاتے ہیں.... انسان کا انسان کے آگے جھکنا اور سجدہ کرنا ہمارے لیے گناہ ہے۔"

تین بکس اندر لائے گئے۔ موسیٰ بن نصیر کے منع کرنے کے باوجود بکس لانے والے غلام جھکتے بھی رہے۔ سجدے بھی کرتے رہے اور جولین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی مسکراتا رہا۔

یہ بیش قیمت تحفے تھے جو جولین اپنے ساتھ لایا تھا۔

"....اور امیرِ افریقہ موسیٰ بن نصیر کے لیے ایک گھوڑا لایا ہوں"۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔ "باہر کھڑا ہے۔ یہ اندلسی نسل کا جنگی گھوڑا ہے۔ دوڑتا نہیں اڑتا ہے۔ صرف شہسوار کو اپنی پیٹھ پر قبول کرتا ہے۔ جہاں لگام کھینچو اسی قدم پر رک جاتا ہے۔ کئی میدان لڑا ہے۔ شاہی اصطبل کا بادشاہ ہے۔"

"میں اپنی طرف سے اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔ "اور کیا اب آپ اپنے آنے کا مقصد بیان کریں گے؟"

+

تین مستند مؤرخوں۔۔۔ سٹینلے لین پول، پروفیسر ڈوزی اور سرسٹرلنگ میکسویل۔۔۔

نے موسیٰ بن نصیر اور جولیَن کی اس ملاقات کا تفصیلی تذکرہ لکھا ہے۔

"امیر افریقہ و مصر!"— جولیَن نے کہا —"میں آپ کے لیے ایک تحفہ اور لایا ہوں لیکن یہ تحفہ آپ کو خود آگے بڑھ کر حاصل کرنا پڑے گا۔ میں ساتھ ہوں گا۔ راستے میں سیاہ سمندر حائل ہے۔ میں اپنی کشتیاں اور اپنے راہنما ساتھ بھیجوں گا۔"

"صرف اللہ جانتا ہے جو ہمارے دلوں میں مخفی ہے"— موسیٰ نے کہا —"ایک تو آپ کی آمد ہی میری دانست سے بالا ہے اور آپ جس تحفے کا ذکر کر رہے ہیں اور جس انداز سے کر رہے ہیں وہ میں سمجھنے کی اہلیّت نہیں رکھتا... کیا آپ اپنا مقصد اور منشا ایسے صاف الفاظ میں بیان نہیں کریں گے جو مجھ جیسے کم عقل آدمی کے پلّے پڑ جائیں؟"

"اس تحفے کا نام اُندلس ہے"— جولیَن نے کہا —"اُندلس جو ایک ملک ہے اور جس سے آپ ناواقف نہیں۔ آپ اس ملک کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر سکتے ہیں۔ آگے فرانس ہے۔ اُندلس میں اپنی عملداری مستحکم کر کے آپ فرانس کو تہِ تیغ کر سکتے ہیں۔"

"سلطنتِ اسلامیہ کے ساتھ آپ کی کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"— موسیٰ بن نصیر نے پوچھا —"اور اپنے ہم قوم اور ہم مذہب شاہ راڈرک سے آپ کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں شاہ راڈرک کا باجگزار ہوں؟"— جولیَن نے کہا —"اس نے مجھے آپ کے راستے میں حائل کر رکھا ہے۔ اُسے خدشہ لگا رہتا ہے کہ عرب کے مسلمان اتنی بڑی جنگی طاقت بن گئے ہیں کہ انہوں نے رومیوں اور فارسیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے اور وہ افریقہ کے شمالی ساحل تک آ گئے۔ بربر قبائل کو بھی مسلمانوں نے اسلام میں داخل کر کے انہیں فوج کی صورت میں منظم کر دیا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اب مسلمان اُندلس کے راستے یورپ میں داخل ہوں گے۔"

"کیا آپ اُندلس اور ہمارے درمیان آزاد رہنا چاہتے ہیں؟"— مُوسیٰ نے پوچھا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں"— جولیَن نے جواب دیا —"پہلے میری پُوری بات سن لیں اور میرے ایک سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اُندلس پر فوج کشی کر کے اس خوبصورت اور زرخیز ملک کو اپنی وسیع سلطنت میں شامل کر لیں؟"

"نہیں!"— موسیٰ نے جواب دیا —"میرے پاس اتنی فوج نہیں نہ مجھے اتنی کمک مل سکتی ہے کہ اُندلس کی اتنی بڑی فوج پر حملہ کر دوں۔"

مُوسیٰ بن نصیر نے جھوٹ بولا تھا۔ اُس نے متعدد بار سمندر پار کر کے اُندلس پر چڑھائی کے منصوبے بنائے تھے۔ اُس نے اپنے سالاروں کے ساتھ بھی بات کی تھی اور وہ خلیفہ کو قائل کرنا چاہتا تھا کہ اُسے اُندلس پر حملے کی اجازت دیدے۔ اُس وقت خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا جو ہمیشہ بیرونی ملکوں پر حملوں کے حق میں رہتا تھا۔

محمد بن قاسم کو اُسی نے ہندوستان پر حملے کے لیے بھیجا تھا۔ موسیٰ اپنی ایک کمزوری کو پیشِ نظر رکھتا تھا وہ یہ تھی کہ عربوں کو ابھی بحری لڑائی کا تجربہ نہیں ہُوا تھا جہازرانی میں تو عرب خصوصی مہارت رکھتے تھے لیکن بحری لڑائی کے کچھ داؤ پیچ تھے جن سے عرب ابھی واقف نہیں ہُوئے تھے۔ اُندلس اور افریقہ کے درمیان سمندر حائل تھا۔ اُندلس پر حملے کی صورت میں اُندلس کے جنگی جہاز انہیں سمندر میں روک سکتے تھے مگر مسلمان سمندر میں لڑنے کے قابل نہیں تھے۔

جولیَن کو موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس نے اُندلس پر حملے کی کبھی سوچی ہی نہیں۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ جولیَن یہ بھید لینے آیا ہے کہ اُندلس کے متعلق مسلمانوں کے عزائم کیا ہیں۔ اُسے یہ شک بھی ہُوا کہ جولیَن یہ جائزہ بھی لینے آیا ہے کہ مسلمان اگر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو ان پر حملہ کر کے انہیں افریقہ اور مصر سے بے دخل کر دیا جائے۔

"آپ کو شاید معلوم نہیں" ——— جولیَن نے کہا ——— "کہ اُندلس قدرت کا ایک شاہکار ملک ہے۔ ہر طرف سبزہ اور لہلہاتے کھیت، درخت اتنے زیادہ اور اتنے خوشنما کہ مُردے بھی دیکھیں تو سانس لینے لگیں۔ اُندلس دریاؤں اور ندیوں کی سرزمین ہے۔ یہ سبز پوش پہاڑیوں اور روح افزا وادیوں کا ملک ہے۔ وہاں کی زمین سونا اُگلتی ہے۔ اس زمین میں خزانے دفن ہیں۔ آپ وہاں جائیں گے تو عرب کے ریگزاروں اور افریقہ کی سنگلاخ زمین کی طرف رخ نہیں کریں گے.....

"وہاں کے لوگ حسین ہیں۔ وہاں کی عورتوں کا حسن مسحور کر دیتا ہے۔ آپ نے جنّت کی باتیں سُنی ہیں جو مرنے کے بعد ملے گی۔ معلوم نہیں کیسے ملتی ہے کیسے نہیں ملتی اُندلس میں آپ جائیں گے تو پکار اُٹھیں گے کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ خُدا نے کیا ہے ..... امیرِ افریقہ! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ اُندلس کا دروازہ میرے اختیار میں ہے میں کھول دوں گا"۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جولیَن نے اُندلس کے قدرتی حُسن اور زرخیزی وغیرہ کو ایسے دلنشیں الفاظ اور انداز سے بیان کیا کہ موسیٰ بن نصیر پر سحر ساطاری ہو گیا لیکن وہ معمّر اور تجربہ کار آدمی تھا۔ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کی سحر انگیزی اور دلکش فریب کاری سے واقف تھا۔ اُس نے اشارہ کیا۔ سب آدمی، اُس کے اپنے اور جولیَن کے بھی، باہر چلے جائیں۔

کمرے میں موسیٰ اور جولیَن رہ گئے اور ترجمان بھی وہاں موجود رہا۔

+

"جولیَن!" ——— موسیٰ بن نصیر نے کہا ——— "تم میرے لیے بہت ہی خوبصورت جال بچھا رہے ہو۔ کیا تم عقل سے اتنے عاری ہو گئے ہو کہ یہ بھی سوچنے کے قابل نہیں رہے کہ جس پر تم اپنی زبان کا سحر طاری کرنے چلے ہو وہ بہت سے میدانوں کا کھلاڑی ہے

اور اُس کی نظریں زمین کی تہوں میں بھی جھانک سکتی ہیں۔"

"بیشک امیر موسیٰ!" ــــ جولین نے کہا ــــ "میں یہ سب کچھ سوچ کر آیا ہوں.... اور میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے چھوٹا بھائی سمجھ کر تم کہا ہے۔ اجازت دو کہ میں بھی تمہیں تم کہوں" ــــ اُس نے دونوں ہاتھ موسیٰ کی طرف بڑھا کر کہا ــــ "میری دلی دوستی قبول کرو اور میرے دل میں جو مخفی ہے وہ بھی سن لو۔"

مُوسیٰ بن نصیر نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیے۔ چند لمحوں بعد جولین نے اپنے ہاتھ موسیٰ کے ہاتھوں سے نکال لیے اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے بڑی تیزی سے نیام سے تلوار نکالی۔ اس سے زیادہ تیزی سے مُوسیٰ کا ہاتھ اپنی تلوار پر چلا گیا جو اس کی کُرسی کے ساتھ کھڑی رکھی تھی لیکن جولین کی اگلی حرکت یہ تھی کہ اُس نے تلوار اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ لی جس طرح کوئی چیز کسی کو پیش کرنے کے لیے اٹھائی جاتی ہے۔

جولین موسیٰ کے سامنے ایک قدم دُور کھڑا ہو گیا پھر وہ جُھکا اور تلوار مُوسیٰ بن نصیر کے پاؤں میں رکھ دی۔ وہ سیدھا ہُوا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"امیر موسیٰ!" ــــ جولین نے پُرجوش اور جذباتی لہجے میں کہا ــــ "یہ وہ تلوار ہے جو کبھی جُھکی نہیں۔ اس نے دشمنوں کی اکڑی اور تنی ہوئی گردنیں کاٹی ہیں۔ گستاخی نہ سمجھنا موسیٰ! اسے تکبّر اور غرور نہ سمجھنا، یہ وہ تلوار ہے جسے تم بھی نہیں جُھکا سکے۔ تمھاری بربر فوج بھی اس تلوار کی چمک دیکھ کر سبوستہ کے قلعے سے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ آج یہ تلوار تمھارے قدموں میں پڑی ہے۔ کوئی بادشاہ، کوئی سالار اتنی آسانی سے اپنی تلوار اپنے دشمن کے قدموں میں نہیں رکھ دیا کرتا لیکن تم میرے دشمن نہیں۔ اب ہم بھائی ہیں، دوست ہیں۔ آج ایک دوست اپنے دکھ اپنے دوست کے سینے میں ڈالنے آیا ہے.... قبول کرو گے مُوسیٰ؟"

مُوسیٰ بن نصیر نے جھک کر اپنے قدموں سے جولین کی تلوار اٹھائی اور اپنے ہاتھوں پر رکھ کر جولین کو پیش کی۔

"مجھے مسرت ہُوئی ہے یہ دیکھ کر کہ تم نے مجھے دوست اور بھائی کہا ہے" ــــ موسیٰ نے کہا ــــ "میں تمھاری تلوار کی قدر کرتا ہوں" ــــ موسیٰ نے اُس کی تلوار اپنے ہاتھوں اُس کی نیام میں ڈال دی اور کہا ــــ "کیا اب میرا دوست اپنے دل کا دکھ مجھے سنائے گا؟"

"ہاں، جو سنانے آیا ہوں وہ سنا کے جاؤں گا" ــــ جولین نے کہا ــــ "اگر امیر مُوسیٰ کی بیٹی کو کوئی بے آبرُو کر دے تو موسیٰ اُسے کیا سزا دے گا؟"

"جرم ثابت ہونے پر مجرم کو سنگسار کر دیا جائے گا" ــــ مُوسیٰ نے جواب دیا۔

"اور اگر مجرم کسی ملک کا بادشاہ ہو؟"

"تو مُوسیٰ اُس کی بادشاہی کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا" ــــ مُوسیٰ نے

جواب دیا — "اور اُس بادشاہ کے خاندان کی تمام عورتوں کو لونڈیاں بنا کر ساتھ لے آئے گا"۔

"اور اگر وہ مظلوم بیٹی تمہارے دشمن کی ہو؟"

"اگر مظلوم بیٹی اور اُس کا باپ فریادی بن کر آئیں گے تو موسیٰ اس کا بھی انتقام لے گا" — موسیٰ نے جواب دیا — "لیکن یہ دیکھنا ضروری ہو گا کہ اپنی سلطنت کسی خطرے میں تو نہیں پڑ جاتی!"

"نہیں مُوسیٰ!" — جولیَن نے کہا — "تمہاری سلطنت اور تمہاری امارت کسی خطرے میں نہیں پڑے گی بلکہ تمہاری سلطنت کو وسعت ملے گی.... اب سنو مُوسیٰ! وہ مظلوم باپ میں ہُوں۔ بے آبرو ہونے والی بیٹی میری ہے"۔

"پھر تمہاری تلوار نیام میں کیوں پڑی ہے؟" — موسیٰ نے پُوچھا — "اور یہ تلوار میرے قدموں میں کیوں گری ہے؟"

"اِس لیے کہ مجرم مجھ سے زیادہ طاقتور ہے" — جولیَن نے کہا — "وہ اُندلس کا بادشاہ راڈرک ہے"۔

"راڈرک تک تمہاری بیٹی کس طرح پہنچی تھی؟"

"امیرِ موسیٰ!" — جولیَن نے جواب دیا — "میں بیشک شاہ راڈرک کا باجگزار ہوں لیکن میرا تعلق اُندلس کے شاہی خاندان کے ساتھ ہے۔ کسی وقت میری یہ ریاست آزاد تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ سیوستہ کے دفاع کی ذمہ داری اُندلس کے بادشاہ نے سنبھال لی اور پھر سیوستہ اُندلس کا حصہ بن گیا۔ میں حکمران سے گورنر بن گیا۔ شاہی خاندانوں کے ہاں رواج ہے کہ جس کسی کی بیٹی پندرہ سولہ سال کی عمر کو پہنچ جاتی ہے۔ وہ بیٹی کو اُندلس کے شاہی محل میں شاہی آداب، سلیقہ شعاری وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیج دیتا ہے۔ شاہی گھرانے بعض اوقات اپنی دس بارہ سال عمر کی بیٹیوں کو وہاں بھیج دیتے ہیں....

"میں نے اپنی بیٹی فلورنڈا کو اس دستور اور رواج کے مطابق شاہ راڈرک کے محل میں بھیج دیا۔ اُس کی عمر سترہ سال کے لگ بھگ ہے چونکہ لڑکیوں کو آداب و اخلاق کی تربیت دی جاتی ہے اس لیے انہیں شاہی محل میں عورتوں کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔ مردوں کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن میری بیٹی نے مجھے اطلاع بھیجی کہ شاہ راڈرک نے دھوکے میں اس کی آبروریزی کی ہے"۔

"تمہاری بیٹی اب کہاں ہے؟" — موسیٰ نے پُوچھا۔

"میں اُسے طلیطلہ سے لے آیا ہُوں" — جولیَن نے جواب دیا — "تم جانتے ہو گے کہ طلیطلہ اُندلس کا دارالحکومت ہے۔ میری بیٹی اب سیوستہ میں ہے.... چاہو تو میری بیٹی کو یہاں بلا کر پوچھ سکتے ہو.... موسیٰ بن نصیر! میں راڈرک سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا ہُوں۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ میں اُسے قتل کرا دوں لیکن یہ ممکن

نظر نہیں آتا۔ وہ بہت کم باہر نکلتا ہے۔ نکلتا ہے تو اُس کے ارد گرد محافظوں کا حصار ہوتا ہے....

"دوسرا طریقہ جو میں سوچ کر تمھارے پاس آیا ہوں، وہ یہ ہے کہ تم اُندلس پر حملہ کرو۔ میری پُوری مدد تمھیں حاصل ہو گی، البتہ میں سامنے نہیں آؤں گا۔ بے شک اُندلس کی فوج لاتعداد ہے۔ تعداد کو دیکھو تو تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن جو جذبہ اور نظم و نسق تمھاری فوج میں ہے وہ راڈرک کی فوج میں نہیں۔ یہ میں تفصیل سے سناؤں گا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تمھاری فوج اُندلس کی فوج کو شکست دے دے گی۔ میں راڈرک کو قتل کرنے تک اپنے انتقام کو محدود نہیں رکھنا چاہتا، میں اُس کی بادشاہی کو خاک میں ملانا چاہتا ہوں۔ میرا یہ ارادہ صرف تم پورا کر سکتے ہو اور اس کا پورے کا پورا فائدہ تمھارا ہو گا۔ صرف یہ درخواست کروں گا کہ سیوستہ کو آزاد رہنے دینا۔"

+

یہ تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے جسے مؤرخوں اور بعد کے تاریخ دانوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ پر ڈرامے بھی سٹیج پر کھیلے جاتے رہے اور یہ واقعہ ناولوں کا موضوع بھی بنا۔

جولین کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام فلورنڈا اور دوسری کا میری تھا۔ فلورنڈا جُوں جُوں بڑی ہوتی جا رہی تھی اُس کا حسن نکھرتا آ رہا تھا۔ اُس کی ماں کہا کرتی تھی کہ میری بچی جتنی خوبصورت نکلتی آ رہی ہے اس کے لیے اتنا خوبصورت شہزادہ تو مشکل سے ہی ملے گا۔ ماں کو معلوم نہیں تھا کہ اُس کی بچی نے اپنے لیے ایک شہزادے کا انتخاب عمر کے چودھویں سال میں ہی کر لیا ہے اور وہ شہزادہ نہیں۔ وہ شاہی اصطبل کے ایک شہسوار کا بیٹا تھا۔ یہ شہسوار شاہی خاندان کی اولاد اور فوجی افسروں کی اولاد کو گھوڑسواری اور نیزہ بازی کی تربیت دیتا تھا۔ شاہی خاندان اور فوج کے اعلیٰ حلقوں میں اُسے اونچا مقام حاصل تھا۔ اُس کا رتبہ بھی اونچا تھا۔

ہنری اُس کا نوجوان بیٹا تھا۔ فلورنڈا جب تیرہ چودہ سال کی تھی، ہنری کی عمر اُس وقت سترہ اٹھارہ سال تھی۔ ہنری کو باپ نے لڑکپن میں ہی شہسوار بنا دیا تھا۔ نیزہ بازی کا بھی وہ ماہر ہو گیا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں جولین نے اپنی بیٹی فلورنڈا کو گھوڑسواری کے لیے ہنری کے باپ کو حکم دیا۔ فلورنڈا صبح اور شام گھوڑسواری کے لیے جانے لگی۔

"میری بیٹی کو لڑکی نہ سمجھنا"—جولین نے ہنری کے باپ کو ہدایات دیتے ہوئے کہا تھا—"تم جانتے ہو میرا کوئی بیٹا نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ لڑکی بیٹی کی بجائے بیٹا بنتی جا رہی ہے۔ میرے لیے وہ بیٹے کی کمی پوری کر رہی ہے۔ اسے مرد سمجھ کر شہسوار بنانا ہے اور اسے نیزہ بازی کے ساتھ ساتھ دوڑتے گھوڑے سے تلوار اور کلہاڑی چلانے کی تربیت دینی ہے۔"

ڈیڑھ دو مہینوں میں فلورنڈا گھوڑ سواری میں اتنی پختہ ہو گئی کہ اُس کے نیچے گھوڑا لمبے کھڈ اور اونچی رکاوٹیں پھلانگ جاتا تھا۔ اُس کا اُستاد اُسے اکیلے دُور نہیں جانے دیتا تھا لیکن فلورنڈا شہزادی تھی، وہ استاد پر اپنا حکم چلا کر گھوڑا لے جاتی تھی۔ اُستاد ڈرتا تھا کہ یہ لڑکی اکیلی کہیں جنگل میں کوئی رکاوٹ پھلانگتی گھوڑے سے گر پڑی یا گھوڑا گر پڑا اور وہ اُس کے نیچے آگئی تو استاد کی شامت آجائے گی۔ اُستاد نے اس کا علاج یہ سوچا کہ جب فلورنڈا گھوڑا دوڑاتی جنگل میں نکل جاتی تو اُستاد اپنے بیٹے ہنری کو اس کے پیچھے گھوڑے پر دوڑا دیتا۔

ہنری کو اپنے پیچھے یا اپنے ساتھ دیکھ کر فلورنڈا نے اعتراض نہ کیا۔ ایک روز اُس نے جنگل میں گھوڑا روکا۔ ہنری نے اپنا گھوڑا اس کے قریب جا کر روک لیا۔ فلورنڈا نے اُس کی طرف دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر تبسم آگیا۔ ہنری مردانہ حسن اور وقار کا مجسمہ تھا۔ اُس کے جسم کی ساخت بتاتی تھی کہ مردِ میدان ہے۔ اُس میں میدانِ جنگ میں مردوں کو تلوار سے تڑپانے کی طاقت اور محفلوں میں عورتوں کو تڑپا دینے والی وجاہت اور کشش تھی۔

"مجھے گھوڑے سے اتارو ہنری!" ——— فلورنڈا نے کہا ——— "اتنی تھک گئی ہوں کہ اُترا نہیں جاتا۔"

یہ شہزادی کا حکم تھا۔ ہنری چشم زدن میں اپنے گھوڑے سے کُودا اور شہزادی کے گھوڑے کے قریب جا کر اُس کی رکاب پر ہاتھ رکھا لیکن شہزادی نے ہنری کی طرف جھک کر بازو پھیلا دیئے۔ دوسرے لمحے وہ ہنری کے بازوؤں میں تھی۔ ہنری اُسے زمین پر کھڑا کر کے پیچھے ہٹا تو شہزادی نے اُسے اپنے بازوؤں سے نکلنے نہ دیا۔

"مت تڑپو ہنری!" ——— فلورنڈا نے کہا ——— "تم مجھے اچھے لگتے ہو..... بہت اچھے لگتے ہو۔"

"میں تمہارے ایک غلام کا بیٹا ہوں شہزادی!" ——— ہنری نے ڈرے ڈرے سے لہجے میں کہا ——— "کاؤنٹ جولین کو پتہ چل گیا تو....."

"غلط نہ سمجھو ہنری!" ——— فلورنڈا نے کہا ——— "میں لڑکی تو ہوں لیکن خصلت لڑکیوں والی نہیں۔ مجھے تمہارا صرف جسم نہیں چاہیئے۔ کیا تم اُس محبت سے واقف نہیں جو دل سے اُٹھتی ہے اور روح میں اُتر جاتی ہے؟"

"نہیں شہزادی!"

"مجھے شہزادی کہنا چھوڑ دو" ——— فلورنڈا نے کہا ——— "میں تمہیں محبت کرنے کا حکم نہیں دے رہی..... مجھے فلورا کہا کرو۔"

+

ہنری نے اُسے فلورا کہنا شروع کر دیا۔ شہزادی شاہی چبوترے سے اُتر آئی۔ ہنری سب کے سامنے اُس کا نوکر تھا لیکن قلعے سے باہر جنگل میں جا کر اُس کا محبوب بھی تھا اور

چاہنے والا بھی۔ فلورنڈا نے پہلے روز اُسے یہ جو کہا کہ مجھے تمھارا صرف جسم نہیں چاہیئے وہ اُس نے سچ کر دکھایا۔ اُن کی محبت دلوں سے اُٹھی اور روحوں میں اُتر گئی تھی۔

ہنری نے اُسے شہسوار بنا کر نیزہ بازی اور تیغ زنی کا بھی ماہر بنا دیا۔ فلورنڈا کے ماں باپ کو ہلکا سا بھی شک نہ ہُوا کہ اُن کی بیٹی اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب کر چکی ہے۔ فلورنڈا اور ہنری نے یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ اُن کی شادی کبھی نہیں ہو سکے گی۔ جولین مخمل میں بوریئے کا پیوند نہیں لگائے گا۔ وہ تو محبت کے نشے میں اپنی اپنی حیثیت کو ہی نہیں۔ دنیا کو ہی بھول گئے تھے۔

وقت اُڑتا گیا اور دو سال گزر گئے۔ ایک روز ماں نے فلورنڈا کو بتایا کہ اُس کا باپ اُسے طلیطلہ لے جا رہا ہے جہاں اُسے کم و بیش ایک سال اُندلس کے بادشاہ راڈرک کے شاہی محل میں گزارنا پڑے گا۔

"کیوں؟"

"کیا تم یہ بھی نہیں جانتیں؟"۔۔۔ ماں نے کہا۔۔۔ "شاہی خاندانوں کی لڑکیاں وہاں شاہی آداب و اخلاق اور شاہانہ طور طریقے سیکھنے جاتی ہیں۔"

"کیا میں اُجڈ ہُوں؟"۔۔۔ فلورنڈا نے کہا۔۔۔ "کیا میں شاہی آداب اور طور طریقوں سے واقف نہیں۔ مجھ میں کیا کمی نظر آ رہی ہے آپ کو؟ .... میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے ان شاہی محلّات کی بہت باتیں سنی ہیں۔ ان شاہی محلات میں جو آداب و اخلاق رائج ہیں، ان کی کئی کہانیاں سن چکی ہوں۔"

ماں نے اُسے سمجھایا بجھایا۔ فلورنڈا نے اُس کی ایک نہ سنی۔ وہ یہی کہتی رہی کہ ان بادشاہوں کے ہاں کوئی اخلاق نہیں ہوتا کوئی کردار نہیں ہوتا لیکن جب باپ نے اُسے حکم کے لہجے میں اُندلس چلنے کو کہا تو اُسے انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ اُس کا باپ کتنا جابر ہے۔

جولین اور اُس کی بیوی فلورنڈا کو ساتھ لے کر اُندلس کے دارالحکومت طلیطلہ (ٹولیڈو) چلے گئے اور اُسے راڈرک کے شاہی محل میں چھوڑ آئے۔ اُنہوں نے فلورنڈا کو راڈرک کے سامنے بھی پیش کیا تھا۔

"اوہ!۔۔۔ راڈرک نے فلورنڈا کے حُسن اور نوجوانی سے متاثر ہو کر اور چونک کر کہا۔۔۔ "اتنی حسین؟ .... جولین! اس لڑکی کو کسی برائے نام شہزادے کے ساتھ بیاہ کر ضائع نہ کر دینا۔"

"یہ بیٹی نہیں"۔۔۔ جولین نے ہنس کر کہا تھا۔۔۔ "یہ میرا بیٹا ہے۔"

فلورا کے ماں باپ جب وہاں سے چلے تھے تو اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔

+

آٹھ دس دن گزرے تو ایک روز ہنری کے باپ نے جولین کو بتایا کہ اُس کا بیٹا لاپتہ ہو گیا ہے۔ جولین کے حکم سے اُسے ہر جگہ تلاش کیا گیا۔ جنگل اور صحرا میں بھی

گھوڑسوار بھیجے گئے مگر ہنری کا کہیں نام و نشان نہ ملا۔

وہ وہاں ہوتا تو ملتا۔ وہ سمندر پار کر گیا تھا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد طلیطلہ جا پہنچا۔ وہ فلورنڈا کی جدائی برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ سیدھا شاہی اصطبل میں چلا گیا اور اصطبل کے ذمہ دار افسر سے ملا اور نوکری کی درخواست کی۔ اصطبل کے افسر نے اُس کا امتحان لینے کے لیے یا اُس کا مذاق اڑانے کے لیے ایک انتہائی اکھڑ اور منہ زور گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کی سواری کر کے دکھاؤ۔

یہ گھوڑا کم ہی کسی کے قابو میں آتا تھا۔ ہنری نے اس گھوڑے پر زین کسی اور اس پر سوار ہو گیا۔ اصطبل کے تمام کارندے ہنری کے گرنے کا تماشہ دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ گھوڑے نے اپنا اکھڑپن دکھانا شروع کر دیا۔ سوار کے کسی اشارے کو خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا لیکن ہنری نے تھوڑی سی دیر میں اسے رام کر لیا۔ اسے سرپٹ دوڑایا، ہر چال چلایا اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں رکاوٹیں پھلانگیں اور سب کو حیران کر دیا۔

پھر اس نے نیزہ بازی اور تیغ زنی کے جوہر دکھائے۔ اس کے نتیجے میں اُسے اچھے عہدے پر نوکری مل گئی۔ اُس کا مقصد صرف نوکری کا حصول نہیں تھا۔ وہ فلورنڈا سے ملنا چاہتا تھا۔ چند دنوں میں ہی اُس نے معلوم کر لیا کہ فلورنڈا کہاں ہوتی ہے لیکن اُسے فلورنڈا تک رسائی کی کوشش نہ کرنی پڑی۔ ایک روز پانچ چھ شہزادیاں گھوڑسواری کے لیے آگئیں۔ ان میں فلورنڈا بھی تھی۔ یہ سب فلورنڈا کی طرح دوسرے شہروں سے شاہی محل میں تعلیم و تربیت کے لیے آئی تھیں۔ اس تربیت میں گھوڑسواری بھی شامل تھی۔

فلورنڈا نے ہنری کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ شہزادی تھی۔ کسی بھی ملازم کے ساتھ وہ کوئی بھی بات کر سکتی تھی۔ وہ سیدھی ہنری کے پاس پہنچی اور بلند آواز سے اُس کے ساتھ باتیں کرنے لگی تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" ——— اُس نے ہنری سے پوچھا۔

"آگسٹس!" ——— ہنری نے اپنا نام غلط بتایا۔ یہاں اُس نے سب کو اپنا یہی نام بتایا تھا۔

"میں نے تمھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے" ——— فلورنڈا نے کہا۔

"دیکھا ہو گا شہزادی!" ——— ہنری نے کہا ——— "میں کئی جگہوں پر رہا ہوں"۔

باقی شہزادیاں بھی ان کے اردگرد آن کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہنسنے کھیلنے کے موڈ میں ہی آئی تھیں۔

"اصطبل میں تمھارا کیا کام ہے؟" ——— فلورنڈا نے پوچھا۔

"یہ بڑا اچھا سوار ہے شہزادی!" ——— اصطبل کا افسر جو پاس ہی کھڑا تھا، اس نے کہا ——— "شہسوار ہے"۔

"آج اسی کو ہمارے ساتھ بھیجو" ——— فلورنڈا نے کہا ——— "میں دیکھتی ہوں یہ کتنا کچھ

شہسوار ہے۔"

اُس روز ہنری کو شہزادیوں کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ قلعے کے باہر جا کر فلورنڈا نے اپنی ساتھی شہزادیوں سے کہا کہ وہ اس شہسوار کے ساتھ گھوڑا دوڑا کر دیکھے گی کہ یہ گھوڑسواری کا کتنا کچھ ماہر ہے۔

دوسرے لمحے فلورنڈا اور ہنری کے گھوڑے پہلو بہ پہلو سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ وہ ہری بھری پہاڑیوں کی اوٹ میں چلے گئے۔ کچھ وقت بعد وہ پہاڑیوں میں سے نکلے۔ انہوں نے دل کی ساری باتیں کر لی تھیں۔ ہنری نے فلورنڈا کو بتایا کہ وہ سیوستہ میں کسی کو بتائے بغیر یہاں آگیا ہے۔

"فوراً واپس چلے جاؤ"۔۔۔ فلورنڈا نے اسے کہا۔۔۔ "میرے باپ کو پتہ چل گیا کہ تم یہاں ہو تو پہلا شک یہ ہوگا کہ تم میرے لیے یہاں آتے ہو۔ سیوستہ کی شاہی نوکری چھوڑ کر یہاں نوکری کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں جو تم کسی کو بتا کر مطمئن کر دو گے"۔

"کچھ دن اور رہنے دو فلورا!"۔۔۔ ہنری نے کہا۔۔۔ "ایک دو اور ملاقاتوں کا موقع پیدا کر دو پھر میں چلا جاؤں گا۔ اپنے باپ کو سب کچھ بتاؤں گا کہ سیوستہ سے جی اکتا گیا تھا اس لیے اُندلس کی سیر کو نکل گیا تھا"۔

محل کے ارد گرد باغات تھے جن میں گھنے درخت، پھولدار پودے اور بیلیں تھیں اور بعض گوشے پیڑ پودوں اور بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ فلورنڈا نے ہنری کو ایسا ہی ایک گوشہ بتایا اور ایک ایسا راستہ بھی بتایا جو اس گوشے تک جاتا تھا لیکن آدھی رات کے بعد۔ اس سے پہلے اور دن کو پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

+

ہنری نے خطرہ مول لے کر دو بار باغ کے اس تاریک گوشے میں فلورنڈا سے ملاقات کی۔ فلورنڈا نے بھی خطرہ ہی مول لیا تھا۔ باہر سے آئی ہوئی شہزادیوں کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی، پھر بھی فلورنڈا ان دونوں راتوں کو اپنے کمرے سے ننگے پاؤں چوروں کی طرح نکلی اور باغ میں پہنچ گئی تھی۔ دوسری ملاقات میں اُس نے ہنری کو تین راتیں بعد کی رات آنے کو کہا تھا۔

اُس دن جس دن ہنری نے باغ میں آنا تھا، شاہ راڈرک چار یا پانچ دنوں کی غیر حاضری کے بعد واپس آیا تھا۔ اُندلس کے کسی دُور دراز علاقے میں کچھ باغی سر اُٹھا رہے تھے۔ شاہ راڈرک خود وہاں گیا اور باغیوں کے تین سرداروں کے سر قلم کروا دیئے تھے۔ وہ شام کو واپس پہنچا۔ تھکا ہُوا بھی اور خوش بھی کہ وہ بغاوت کو اُٹھنے سے پہلے ہی ختم کر آیا تھا۔

اُس نے غسل کیا اور شراب پینے بیٹھ گیا۔ اُس کے انداز اور باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسرت اور بدمستی سے پھٹا جا رہا ہے اور اُسے پتہ نہیں چل رہا کہ خوشی کی تقریب کس طرح منائے۔ بادشاہوں کے ہاں اپنا دل بہلانے کے دو ہی طریقے ہوتے

ہیں ـــ عورت اور شراب ـــ راڈرک کے ہاں دونوں چیزوں کی کمی نہیں تھی۔ اُس کے دو تین درباری حکام اُس کے ساتھ پی پلا رہے تھے۔

"کوئی نیا پھول ہے؟" ـــ راڈرک نے پوچھا اور شراب پلانے والی لڑکی کی طرف دیکھا جو نوخیز اور دلکش تھی۔ خود ہی ناک چڑھا کر بولا ـــ "نہیں.... کوئی کلی.... اَدھ کھلی کلی!"

"وہی پھول ہیں جو شاہِ اُندلس کی خواب گاہ میں خوشبو بکھیرتے رہتے ہیں" ـــ ایک حاکم نے غلامانہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"نہیں!" ـــ اُس نے بدمستی کے لہجے میں کہا ـــ "کوئی کلی.... ہا ہا!" ـــ اُس نے چٹکی بجا کر کہا ـــ "فلورنڈا.... جولین کی بیٹی...."

"شہنشاہِ اُندلس!" ـــ اُس کے ایک مشیر نے کہا ـــ "باہر سے آئی ہوئی شہزادیاں ہمارے پاس امانت ہیں۔ وہ آداب و اخلاق سیکھنے آتی ہیں۔ آج تک یہاں آنے والی شہزادیوں کے ساتھ کبھی معمولی سی چھیڑ خانی بھی نہیں ہوئی۔ اس روایت کو خراب نہ کیا جائے۔"

"ہم اُسے اُندلس کی ملکہ بنائیں گے" ـــ شاہ راڈرک نے نشے سے لڑکھڑاتی زبان میں کہا ـــ "تم سب چلے جاؤ اور فلورنڈا کو یہاں بھیج دو۔"

"شہنشاہِ معظم!" ـــ مشیر نے کہا ـــ "آپ کو خطروں سے خبردار کرنا اور بچانا میرا فرض ہے خواہ اس فرض کی ادائیگی میں مجھے اپنی جان دینی پڑے۔ ہو سکتا ہے آپ ہی کی تلوار عالمِ عتاب میں نیام سے نکل آئے اور میرا سر تن سے جدا کر دے لیکن میری روح مطمئن ہو گی کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔"

"کیسا خطرہ؟" ـــ شاہ راڈرک نے کہا ـــ "جولین سے مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟.... پہلی بات تو یہ ہے کہ اُس کی بیٹی فلورنڈا شہنشاہِ اُندلس کی خواب گاہ میں شب بسری کو بہت بڑا اعزاز سمجھے گی۔ اگر وہ ہمیں قبول نہیں کرے گی اور اپنے باپ کو بتا دے گی تو جولین ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟ دو انچ زمین کا مالک ہمارے بیس سواروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔ اُس کی طاقت ہم ہیں۔ اگر اُس نے عربوں اور بربروں کو سبتہ میں روکا ہوا ہے اور انہیں اُندلس کی طرف آنے نہیں دے رہا تو اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اُس کی پیٹھ پر ہمارا ہاتھ ہے۔ اگر ہم اپنا ہاتھ کھینچ لیں تو عرب اور بربر مسلمان اُس کے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور اُس کی دونوں بیٹیوں کو لونڈیاں بنا کر لے جائیں۔ اگر ہم نے اُس کی بیٹی کو کچھ دیر کے لیے اپنی خواب گاہ میں بلا لیا تو اُسے خوش ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے ہم اُس کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنا لیں۔"

"میں صرف یہ کہتا ہوں شہنشاہِ معظم!" ـــ مشیر نے کہا ـــ "کہ ہمیں دوست پیدا کرنے چاہئیں، دوستوں کو دشمن نہ بنایا جائے۔"

"تم کچھ نہیں سمجھتے" ـــ شاہ راڈرک نے شہنشاہوں کے لہجے میں کہا ـــ "جاؤ، اُسے

یہاں بھیج دو۔"

شہنشاہیت کے ساتھ شراب کے نشے نے مل کر راڈرک کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد فلورنڈا اس طرح خوش وخرم اُس کے کمرے میں داخل ہوئی جیسے کوئی بچی اپنے باپ کے بلاوے پر دوڑی آئی ہو۔ اُندلس کے شہنشاہ کے بلاوے کو وہ اعزاز ہی سمجھی ہو گی لیکن شاہ راڈرک نے اُسے اپنے مضبوط بازوؤں میں لے لیا۔

فلورنڈا بہت تڑپی، روئی بھی مگر وہ ایک جنگجو کے طاقتور بازوؤں میں تھی۔ راڈرک کو توقع نہیں تھی کہ کوئی لڑکی اُسے اس طرح دھتکار بھی سکتی ہے جس طرح فلورنڈا اُسے نفرت سے دھتکار رہی تھی۔ راڈرک نے اُسے ملکہ بنانے کا لالچ دیا لیکن وہ آبرو باختہ ہو کر ملکہ بننے پر رضامند نہ ہوئی۔

راڈرک نے اُسے دھمکی دی کہ وہ سیوستہ پر حملہ کر کے اُس کے باپ کو اور پورے خاندان کو مجبور کر دے گا کہ طلیطلہ کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھریں۔ فلورنڈا نے کہا کہ زمین اور آسمان کو آگ لگا دو، میں اپنی کنواری آبرو سے دستبردار نہیں ہوں گی۔

اُندلس کی تاریخ لکھنے والے تمام تاریخ دان متفق ہیں کہ فلورنڈا نے نہ کوئی لالچ قبول کیا نہ اُس کی دھمکیوں کو خاطر میں لائی۔ وہ اپنی پاکیزگی اور دوشیزگی کے واسطے دیتی رہی لیکن شہنشاہیت اور شراب نے راڈرک کو وحشی اور درندہ بنا دیا تھا۔ سولہ برس کی لڑکی اس سے اپنی پاکیزگی اور دوشیزگی بچا نہ سکی۔

✚

یہ رات کے پہلے پہر کا واقعہ ہے۔ آدھی رات گزرتے ہی ہنری نے شاہی باغ کی باڑ اس تاریک جگہ سے پھلانگی جہاں سے وہ پہلے دو بار گزر کر باغ میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ باڑ کے ساتھ ساتھ جُھکا جُھکا اُس جگہ پہنچ گیا جہاں پہلے فلورنڈا اسے مل چکی تھی۔ وہ ابھی آئی نہیں تھی۔

اُسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک سایہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ قریب آتے آتے وہ ایک عورت کا روپ اختیار کرتا گیا۔ ہنری پہلے کی طرح دو تین قدم اُس کی طرف بڑھا لیکن فلورنڈا کی چال ڈھال میں ذرا سا بھی جوش وخروش نہیں تھا۔ ہنری نے ہر ملاقات کی طرح اب بھی بازو پھیلا دیئے لیکن فلورنڈا اُس کے بازوؤں میں جانے کی بجائے اُس کے بازوؤں کو جھٹک کر اس طرح گھاس پر بیٹھ گئی جیسے گر پڑی ہو۔

"کیا ہوا فلورا؟" —— ہنری نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

"مجھ سے دُور رہو ہنری!" —— فلورنڈا نے روتے ہوئے کہا —— "میرے ناپاک وجود کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ میں تمہارے قابل نہیں رہی۔ میں اپنے غیور اور بہادر باپ کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ میں اپنے آپ کو بھی دھتکار رہی ہوں۔"

"کچھ بتاؤ تو سہی فلورا!" ـــــ ہنری نے تڑپتے ہوئے کہا۔
فلورنڈا نے اسے سارا واقعہ سُنا دیا۔
"میری دوشیزگی میری دولت تھی" ـــــ فلورنڈا نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا ـــــ "میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی شہزادی نہیں سمجھا۔ اگر مجھے ملکہ بننے کا شوق ہوتا تو میں اپنے باپ کے ایک ملازم کے بیٹے کی محبت میں گرفتار نہ ہوتی۔"
"فلورا!" ـــــ ہنری اٹھ کھڑا ہوا اور کپڑوں کے اندر نیفے میں اُڑسا ہوا خنجر نکال کر بولا ـــــ "میں اس بادشاہ سے انتقام لوں گا۔ میں اسے قتل کر کے یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ پکڑا گیا تو بھی پرواہ نہیں۔ تمھاری آبرو پر خوشی سے جان دے دوں گا۔"
"نہیں ہنری!" ـــــ فلورنڈا نے اُس کے آگے بازو پھیلا کر کہا ـــــ "تم اُس تک پہنچ ہی نہیں سکو گے اور پکڑے جاؤ گے۔ میں تمھیں بے مقصد موت کے منہ میں نہیں جانے دوں گی۔ تم ایک کام کرو۔ صبح شہر کے دروازے کھلتے ہی نکل جانا۔ کسی بہانے سب سے اچھا گھوڑا لے جانا۔ جس قدر جلدی جا سکتے ہو جاؤ اور سیوستہ پہنچ کر میرے باپ کو یہ واقعہ سناؤ۔ اُسے کہنا کہ وہ آ کر کسی بہانے مجھے یہاں سے لے جائے۔ شاہ راڈرک پر یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ اُسے اس واقعہ کا علم ہو گیا ہے۔ اگر اُس نے راڈرک کے سامنے ذرا سے غصے کا بھی اظہار کر دیا تو یہ بدکار بادشاہ میرے باپ کو قتل کرا دے گا اور مجھے ہمیشہ کے لیے اپنے محل میں قید کر لے گا.... راڈرک نے مجھے بڑی ہی خطرناک دھمکیاں دی ہیں۔ میرے باپ کو اچھی طرح سمجھا دینا ورنہ وہ سیوستہ سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور ہمارے خاندان کا انجام بہت بُرا ہو گا۔"

✚

علی الصبح ہنری نے اُسی اکھڑ اور منہ زور گھوڑے پر زین کسی جس پر پہلے روز اُس کا امتحان لیا گیا تھا۔ اسے ہنری ٹہلانے کے بہانے باہر لے گیا۔ قلعے کے دروازے کھل چکے تھے۔ قلعے سے نکلتے ہی اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اُس کے سامنے طلیطلہ (آج کا میڈریڈ) سے سمندر تک جہاں آج جبرالٹر واقع ہے، پانچ سو میل کی مسافت تھی۔ گھوڑا اتنی مسافت سرپٹ دوڑ کر طے نہیں کر سکتا تھا۔ ہنری نے تلاش اور تعاقب سے بچنے کے لیے گھوڑا پوری رفتار پر دوڑا دیا تھا۔
بہت دُور جا کر اُس نے گھوڑے کو ایک ندی کے کنارے روکا اور اُسے پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام کے بعد وہ گھوڑے کو معمولی رفتار سے دوڑانے لگا۔ وہ رات کو بھی سفر جاری رکھتا تھا۔ اس طرح کچھ دیر آرام کرتے اور زیادہ وقت سفر کرتے اُس نے چار دنوں میں پانچ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔
آگے سمندر تھا۔ سیوستہ جانے کے لیے کوئی کشتی تیار نہیں تھی۔ دو تین دنوں تک کوئی کشتی اُدھر جانے والی نہیں تھی۔ ایک بادبانی کشتی کے ملاحوں نے ہنری کو اکیلے

لے جانے کے اتنے زیادہ پیسے مانگے جو ہنری کے پاس نہیں تھے۔

"یہ گھوڑا تمھاری کشتی سے زیادہ قیمتی ہے"۔۔۔۔ ہنری نے ان دونوں ملاحوں سے کہا۔۔"اسے یہیں رہنے دو۔ یہ تمھارا ہو گیا۔ مجھے سیوستہ کے ساحل تک پہنچا دو۔"

"ہم ملاح ہیں"۔۔ ایک ملاح نے کہا۔۔"گھوڑے کو ہم کیا کریں گے؟ اپنا اور اپنے بچوں کے پیٹ بھرنے مشکل ہیں، گھوڑے کو ہم کہاں سے کھلائیں گے؟"

"اسے بیچ کر اپنی رقم پوری کر لینا"۔۔ ہنری نے کہا۔

"ہم گھوڑوں کی سوداگری سے واقف نہیں۔"

"پھر مجھ پر اعتبار کرو"۔۔۔ ہنری نے کہا۔۔"مجھے لے چلو۔ پار جا کر کرائے کے پیسے دوں گا اور انعام بھی۔"

ملاح اُس کی شکل وصورت، اُس کا لباس، قد کاٹھ، اُس کا گھوڑا دیکھ کر اُسے کوئی افسر سمجھ بیٹھے اور اُسے اور اُس کے گھوڑے کو کشتی میں سوار کر دیا اور بادبان کھول دیئے۔

یہ سمندری مسافت صرف بارہ میل تھی۔ سورج غروب ہونے میں کچھ وقت باقی تھا جب کشتی سیوستہ کے ساحل سے جا لگی۔ ہنری نے ملاحوں کو ساتھ لیا اور سیدھا جولین کے محل میں پہنچا۔ وہاں بتایا کہ کاؤنٹ جولین کو میرے آنے کی فوراً اطلاع دی جائے۔ طلیطلہ سے شہزادی فلورنڈا کا بہت ضروری پیغام لایا ہوں۔

جولین نے اُسے فوراً بلا لیا۔ وہ اپنی بیٹی کے پیغام کے لیے بیتاب تھا۔

+

"کیا تم فریڈرک کے بیٹے ہنری نہیں ہو؟"۔۔ جولین نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"ہاں کاؤنٹ!"۔۔ ہنری نے جواب دیا۔

"کیا تم طلیطلہ سے آئے ہو؟"۔۔ جولین نے کہا۔۔"باپ کو بتائے بغیر چلے گئے تھے؟"

"ہاں کاؤنٹ!"۔۔ ہنری نے جواب دیا۔۔"یہاں دل اُکتا گیا تھا۔ میں اُندلس کی سیر کو نکل گیا تھا... لیکن محترم کاؤنٹ! میرا غائب ہو جانا اور آجانا آپ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، میں جو پیغام لایا ہوں وہ بہت اہم ہے۔ پہلے ایک درخواست سن لیں۔ میں جس کشتی پر آیا ہوں، اس کا کرایہ نہیں دے سکا۔ ملاح ساتھ ہیں۔ انہیں کرایہ ادا کرنا ہے۔"

جولین نے کرایہ اور انعام ادا کرنے کا حکم دیا اور ہنری سے پوچھا کہ اُس کی بیٹی نے کیا پیغام بھیجا ہے۔

ہنری نے جب پیغام سنایا تو جولین اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے جسم کا سارا خون جیسے اُس کے چہرے پر اور آنکھوں میں اکٹھا ہو گیا۔ وہ غصے اور ہیجانی کیفیت میں کمرے میں تیز تیز ٹہلنے لگا۔

"شہزادی کے ساتھ میری ملاقات اتفاقیہ ہو گئی تھی"۔۔ ہنری نے کہا۔۔۔

اُس نے مجھے یہ واقعہ سنایا تو میں شاہ راڈرک کو قتل کرنے پر تیار ہو گیا تھا لیکن شہزادی نے یہ کہہ کر روک دیا کہ میں اس تک پہنچ ہی نہیں سکوں گا اور پکڑا جاؤں گا.... میں وہاں کے شاہی اصطبل سے گھوڑا چوری کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

شہزادی نے ٹھیک کہا تھا"۔۔۔ جولین نے کہا ۔۔۔"اس بدکردار کو قتل کرنا ممکن نہیں میں اس سے انتقام لوں گا.... تم جاؤ۔"

جولین اس علاقے کا بادشاہ تھا خواہ یہ علاقہ چھوٹا سا ہی تھا اور وہ شاہِ اُندلس راڈرک کا باجگزار بھی تھا لیکن یہاں اس کی حیثیت بادشاہوں جیسی تھی۔ وہ ایک ملازم کے ساتھ اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے ہنری کو کچھ انعام پیش کیا۔

"نہیں کاؤنٹ!"۔۔۔ ہنری نے کہا ۔۔۔"انعام کس کارنامے کا؟ مجھے اجازت دیں کہ اُندلس چلا جاؤں اور شاہ راڈرک کے قتل کا موقع پیدا کروں۔ میرے خاندان نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میں یہ نمک حلال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی عزّت میری عزّت ہے۔"

"تم جاؤ ہنری"!۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔"پہلے مجھے کچھ کرنے دو۔ تم سوچے بغیر اور مجھے بتائے بغیر کوئی حرکت نہ کرنا۔"

مستند تاریخوں میں لکھا ہے کہ جولین جیسے باجگزار راڈرک جیسے طاقتور بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنی بیٹیاں بھی پیش کر دیا کرتے تھے لیکن جولین غیرت مند نکلا۔ اپنی بیٹی کی آبروریزی نے اُسے غصے سے باولا کر دیا۔ اس نے فوراً طلیطلہ سے اپنی بیٹی کو واپس لانے کا فیصلہ کر لیا۔

+

جولین کے اُندلس جانے، شاہ راڈرک سے ملاقات اور فلورنڈا کو واپس سیوستہ لانے کا تفصیلی تذکرہ معروف مؤرخ سٹینلے لین پول نے دو مستند مؤرخوں ۔۔۔ پروفیسر ڈرزی اور گائینگوس ۔۔۔ کے حوالے سے کیا ہے۔ اُس نے ایک اور تاریخ دان آرتھر گلیمن کا بھی حوالہ دیا ہے جس نے ان دونوں مؤرخوں کے ریکارڈ میں کچھ اضافہ کیا ہے۔

ان تمام مؤرخوں کے مطابق، جولین کچھ تحفے لے کر طلیطلہ گیا اور شاہ راڈرک سے یوں خلوص اور پیار سے ملا جیسے اُسے معلوم ہی نہ ہو کہ اُس کی بیٹی کے ساتھ راڈرک نے کوئی بُرا سلوک کیا ہے۔ اُس نے اپنا انداز ایسا رکھا جیسے وہ خیرسگالی کے جذبات لے کر سلام و نیاز کے لیے شاہِ اُندلس کے دربار میں حاضری دینے کے لیے آیا ہو۔

شاہ راڈرک نے دیکھا کہ جولین کو کچھ بھی معلوم نہیں تو اُس نے جولین کو اُس سے کہیں زیادہ تعظیم و تکریم دی جتنی وہ جولین جیسے چھوٹے چھوٹے باجگزار حکمرانوں کو دیا کرتا تھا۔ اُس کے اعزاز میں راڈرک نے بہت بڑی ضیافت دی جس میں رقص و نغمہ کا بھی اہتمام تھا۔ اس ضیافت میں فلورنڈا اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی اور اُس نے باپ کو بتایا کہ راڈرک نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ راڈرک نے اُسے کیا دھمکیاں

دی تھیں۔

"ہمارے اصطبل کے حاکم فریڈرک کے بیٹے ہنری نے مجھے تمھاری ساری باتیں سنا دی تھیں"۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔"میں شاہ راڈرک کے سامنے انجان بنا ہُوا ہوں۔ تمھیں واپس لے جارہا ہُوں اور اس سے ایسا انتقام لوں گا کہ اس کی بادشاہی خاک میں مل جائے گی"۔

اگلے روز شاہ راڈرک نے جولین کو خصوصی طور پر شرفِ باریابی بخشا اور تنہائی میں اُس کے ساتھ سیوستہ کے دفاع کے متعلق باتیں کیں۔

"کیا مُسلمانوں نے پھر کبھی سیوستہ پر حملے کی جرأت تو نہیں کی؟"۔۔۔ راڈرک نے جولین سے پُوچھا۔

"نہیں!۔۔۔ جولین نے جواب دیا۔۔۔"سیوستہ کے قلعے کی مضبوط دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر انہوں نے اپنا سر پھوڑ لیا ہے۔ انہیں احساس ہوگیا ہے کہ سیوستہ پر شہنشاہِ اُندلس کی دہشت ناک جنگی قوت کا سایہ ہے۔ عرب اور بربر مسلمان سیوستہ کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کرتے"۔

"تمھاری بیٹی فلورنڈا صرف خوبصورت ہی نہیں"۔۔۔ شاہ راڈرک نے کہا۔۔۔"دانشمند بھی ہے اور بہادر بھی۔ اسے کسی معمولی سے آدمی کے حوالے نہ کر دینا۔ میں اس کی تربیت میں ذاتی دلچسپی لے رہا ہوں"۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے"۔۔۔ جولین نے غلاموں کی طرح کہا۔۔۔"میں کچھ دنوں کے لیے فلورنڈا کو اپنے ساتھ لے جارہا ہوں"۔

"نہ لے جاؤ تو بہتر ہے"۔۔۔ راڈرک نے کہا۔

"اس کی ماں کچھ زیادہ ہی بیمار ہوگئی ہے"۔۔۔ جولین نے جھوٹ بولا۔۔۔"اُسی نے مجھے بھیجا ہے۔ کہتی ہے دو تین دنوں کے لیے فلورنڈا کو لے آؤ۔۔۔۔ میں ماں کے جذبات کو دبا نہیں سکتا۔ دو تین دنوں بعد بیٹی کو واپس بھیج دوں گا"۔

"واپس بھیج دوگے!"۔۔۔ راڈرک نے سکون کا سانس لیتے ہُوئے کہا۔۔۔ "پھر اسے لے جاؤ"۔

"خود فلورنڈا کہتی ہے کہ وہ جلدی واپس آنا چاہتی ہے"۔۔۔ جولین نے دُوسرا جھوٹ بولا۔

"تمھاری بیٹی یقیناً واپس آنا چاہے گی"۔۔۔ راڈرک نے کہا۔

مؤرخوں نے راڈرک اور جولین کا ایک دلچسپ مکالمہ لکھا ہے۔

"ہاں جولین!۔۔۔ راڈرک نے کہا۔۔۔"تمھارے علاقے میں بڑی اچھی نسل کے باز ہوتے ہیں۔ مجھے شکار کے لیے باز چاہئیں"۔

"ہاں شہنشاہِ اُندلس!۔۔۔ جولین نے کہا۔۔۔"میں آپ کے لیے ایسے باز بھیجوں گا جو ابھی تک آپ نے نہیں دیکھے۔ شکار پر ایسے جھپٹتے ہیں کہ اُسے بچنے کی مہلت نہیں دیتے"۔

جولین کے یہ الفاظ لکھنے والے تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ جولین نے اُسی وقت سوچ لیا تھا کہ وہ راڈرک سے انتقام لینے کے لیے مسلمانوں کو اُندلس پر حملہ کرنے کے لیے اُکسائے گا۔

جولین فلورنڈا کو اپنے ساتھ سیوستہ لے آیا اور دوسرے ہی دن وہ مُوسیٰ بن نصیر سے ملنے کے لیے چل پڑا۔

+

موسیٰ بن نصیر احتیاط کو لازمی سمجھتا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک عیسائی بادشاہ کسی دوسرے عیسائی بادشاہ پر مسلمانوں سے حملہ کرائے گا۔ یہ ایک پھندہ ہو سکتا تھا۔ وہ ابھی جولین کو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے رہا تھا۔

"اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو میں اپنی بیٹی فلورا کو یہاں بلا لوں گا" — جولین نے کہا — "اُس سے پوچھ لیں"

"میں اس شخص ہنری سے بات کرنا چاہوں گا" — موسیٰ نے کہا — "اُسے میرا قاصد ساتھ لائے گا۔ اُس کے آنے تک تم اپنے ساتھ آئے ہُوئے حاکموں کے ساتھ میرے مہمان رہو گے"

اسی وقت ایک قاصد کو سیوستہ ہنری کو ساتھ لانے کے لیے بھیج دیا گیا اس دوران جولین نے موسیٰ بن نصیر کو اُندلس اور راڈرک کے متعلق مزید باتیں بتائیں جو آج تک تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔

"مُوسیٰ!" — جولین نے کہا — "میرے دل میں راڈرک کی دشمنی اب پیدا نہیں ہُوئی۔ یہ دشمنی بڑی پرانی ہے۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ اُندلس میں گوتھوں کی حکمرانی تھی۔ راڈرک اُندلس کی فوج میں جرنیل تھا۔ وٹیزا نام کا ایک گوتھ اُندلس کا بادشاہ تھا۔ وہ فطرتاً نیک انسان تھا۔ پادریوں نے مذہب کے پردے میں خوب دولت اور جائداد اکٹھی کر لی تھی اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ گرجے گناہوں کے اڈے بن گئے تھے....

"اور مُوسیٰ! پوپ کا حکم چلتا تھا۔ پادری من مانی کرتے تھے۔ چونکہ وہ مذہبی پیشوا تھے اِس لیے رعایا اور فوج ان کا احترام کرتی تھی۔ بادشاہ بھی ان کے خلاف کچھ کہنے سے ڈرتے تھے۔ معاشرے کی کیفیت یہ تھی کہ امیر اور زیادہ امیر اور غریب بالکل ہی مفلس اور قلاش ہو کر رہ گئے تھے۔ رعایا دراصل شاہی خاندان کی غلام تھی۔ لوگوں سے بیگار لی جاتی یا نہایت قلیل اُجرت دی جاتی تھی۔ رعایا کے لیے کوڑے اور ایسی ہی کڑی سزائیں تھیں جو ذرا ذرا سی بات پر دی جاتی تھیں۔ لوگوں پر اس قدر محصولات اور ٹیکس عائد تھے کہ وہ بھوکے رہتے اور بادشاہ کا خزانہ بھرتے رہتے تھے۔ اس سے شاہی خاندان عیش و عشرت کرتے تھے....

"وٹیزا تخت نشین ہُوا۔ میری بیوی اُس کی بیٹی ہے۔ وٹیزا کے دل میں مذہب کا احترام اور عوام کی محبت تھی۔ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی گرجوں اور پادریوں کی طرف توجہ

دی۔ گرجوں کو اس نے گناہوں سے پاک کر دیا، پھر اُن امرا۔ اور دولت مندوں کی طرف توجہ دی جنہوں نے عوام کو بھوکا ننگا رکھ کر دولت اپنے ہاں اکٹھی کرلی تھی۔ وٹیزا نے رعایا کو ٹیکسوں سے نجات دلا کر امیروں پر ٹیکس عائد کیے۔ ان کی جائیدادوں کا حساب کتاب کر کے ان پر الگ ٹیکس لگائے۔ اس طرح رعایا خوشحال ہونے لگی....

"مذہبی پیشوا، امرا، دولت مند تاجر اور وسیع وعریض زمینوں اور جائیدادوں کے مالک کیسے برداشت کر لیتے کہ انہوں نے عوام سے جو دولت بٹوری تھی وہ عوام کے پاس چلی جائے۔ پادریوں نے مذہب کو استعمال کیا اور فوج کو اس پروپیگنڈے سے بھڑکایا کہ شاہ وٹیزا مذہب میں دخل اندازی کر کے مذہبی پیشواؤں کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ فوج نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی جس کا لیڈر راڈرک تھا۔ وٹیزا کی وفادار فوج کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی جو باغیوں کے خلاف زیادہ دیر نہ لڑسکی۔ باغیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ پادریوں نے راڈرک کو بادشاہ بنا دیا۔ اُس نے پہلا حکمنامہ یہ جاری کیا کہ وٹیزا کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ وٹیزا کو قتل کر دیا گیا اور اُندلس میں ایک بار پھر امرا، اعلیٰ حکام، شاہی خاندان، جاگیردار اور پادری عیش وعشرت میں ڈوب گئے....

"موسیٰ! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم نے اُندلس پر حملہ کیا تو وہاں کی رعایا اپنے عیاش اور ظالم بادشاہ اور اس کے جرنیلوں کا ساتھ چھوڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے فوج بھی راڈرک سے بددل ہو جائے۔ اگر تمہاری فوج جذبے اور جوش وخروش سے لڑی تو اُندلس کی فوج جلدی میدان چھوڑ جائے گی۔"

موسیٰ بن نصیر نے ابھی تک اُسے کوئی فیصلہ نہیں سنایا تھا۔

+

چار پانچ دنوں بعد ہنری موسیٰ کے قاصد کے ساتھ سیوستہ سے آ گیا۔ معزز مہمانوں کی طرح اُس کی خاطر تواضع کی گئی پھر اُسے موسیٰ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ہنری نے فلورنڈا کے باپ کو نہیں بتایا تھا کہ اُس کی فلورنڈا کے ساتھ دیوانہ وار محبت ہے اور وہ چوری چھپے ملتے رہے ہیں اور وہ فلورنڈا کی جدائی برداشت نہ کر سکا اس لیے اس کے پیچھے طلیطلہ چلا گیا تھا۔ اُس نے جولیَن کو اپنے طلیطلہ جانے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ سیوستہ میں اُکتا گیا اور سیر وتفریح کے لیے گیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کو اُس نے اپنی اور فلورنڈا کی محبت کی اور ملاقاتوں کی اور فلورنڈا کے پیچھے طلیطلہ جانے کی اور وہاں کی ملاقاتوں کی اور اس لڑکی کے ساتھ شاہِ اُندلس کی زیادتی کی یہ ساری روئیداد سنائی جو اوپر سنائی جا چکی ہے۔

موسیٰ نے ہنری سے بہت کچھ پوچھا۔ ہنری ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ اس طرح موسیٰ نے اپنے شکوک رفع کر لیے۔ اُس نے ہنری کو مہمان خانے میں بھیج کر جولیَن کو اپنے پاس بلایا۔

"میرے بھائی جولیَن!"۔۔۔ موسیٰ بن نصیر نے کہا۔۔۔ "میں نے تمہاری ہر بات اور دستی

کی پیش کش پر غور کر لیا ہے۔ اپنے سالاروں، حاکموں اور مشیروں سے صلاح مشورہ کر لیا ہے۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں لیکن میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں۔ اُندلس کوئی چھوٹا سا ملک نہیں اور اُندلس کی فوج معمولی فوج نہیں۔ میں خلیفہ سے اجازت طلب کر رہا ہوں۔ آج ہی قاصد کو خلیفہ کے نام پیغام دے کر دمشق بھیج دوں گا۔ تمہیں جواب کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قاصد تیز رفتار ہو گا پھر بھی ایک چاند جتنا لمبا سفر ہے.... ایک مہینہ .... قاصد دو چار دن پہلے بھی آسکتا ہے۔ تم چلے جاؤ۔ پچیس چھبیس روز بعد آجانا یا میں تمہیں اطلاع دے کر بلوا لوں گا۔"

مُوسیٰ نے جولیَن کو رخصت کر کے کاتب کو بلایا اور خلیفہ کے نام ایک طویل پیغام لکھوایا۔ جولیَن کی رام کہانی تفصیل سے لکھوائی۔ اس وقت خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا جو صحیح معنوں میں مردِ مومن تھا۔ اسلام کو سمندر پار پہنچانے کے جذبے سے وہ سرشار تھا۔ انہی دنوں محمد بن قاسم کو ولید بن عبدالملک نے ہی ہندوستان بھیجا تھا۔ حجاج بن یُوسف اُس کا دستِ راست تھا۔

مُوسیٰ نے جولیَن کی تمام باتیں لکھ کر خلیفہ کو لکھا:

"یہ تو ایک اتفاق ہے کہ جولیَن ایک تناور درخت سے کٹے ہوئے ٹہن کی مانند ہماری جھولی میں آگرا ہے۔ میں اپنی بات ان الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ ایک عرصے سے میری نظریں اُندلس کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اسلام کا پیغام مصر اور افریقہ کے ساحل پر آکر رک گیا ہے۔ میں نے کئی بار طنجہ کے ساحل پر کھڑے ہو کر اُندلس کی طرف دیکھا ہے اور سمندر کا سینہ چیر کر اُندلس پر حملے کے منصوبے بنائے ہیں....

"اب ایک عیسائی حکمران نے تعاون کی پیش کش کی ہے تو ہر پہلو پر غور کر کے مجھے اُندلس کی طرف پیش قدمی کی اجازت دیں۔ ایک اور پہلو پر بھی غور کریں۔ میرے پاس جو فوج ہے وہ تقریباً تمام کی تمام بربر ہے۔ بربر وحشی اور خونخوار قوم ہے۔ ان کی فوج کو میں نے نظم و نسق کا پابند بنا دیا ہے لیکن یہ چین سے بیٹھنے والے لوگ نہیں۔ جنگ وجدل ان کا فطری تقاضہ ہے۔ سرکشی پر یہ آمادہ اور تیار رہتے ہیں۔ انہیں زیادہ عرصے تک نظم و نسق اور قواعد و ضوابط کی لگام نہیں ڈالی جا سکتی۔ انہیں کچھ عرصہ اور اسی طرح فارغ اور پابند رکھا گیا تو یہ آپس میں لڑ پڑیں گے یا قواعد و ضوابط سے باغی ہو جائیں گے، اور یہ اسلام سے بھی باغی ہو سکتے ہیں....

"خلیفۃ المسلمین! میں انہیں سبوستہ پر حملوں، محاصروں وغیرہ میں مصروف رکھتا رہا ہوں لیکن کچھ عرصے سے یہ سلسلہ بھی بند ہے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ اس بربر فوج کو کوئی میدانِ جنگ دیا جائے تاکہ یہ دشمن کا اور اپنا خون بہانے کا نشہ پورا کر لیں۔ اس نشے کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے۔ انہیں مومن اور مجاہد بنانے کے لیے بھی ضروری ہے

کہ اُندلس کا رُخ کیا جائے تاکہ یہ لوگ کفرستان میں جاکر فتح حاصل کریں اور اسلام کو فروغ دیں۔ اس طرح اسلام ان کے رگ و ریشے میں اتر جائے گا۔"

+

قاصد بہت دنوں بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک کا جواب لے کر آگیا۔ جواب حوصلہ افزا تھا، البتہ خلیفہ نے زور دے کر لکھا تھا کہ احتیاط لازمی ہے۔ جو لوگ دینِ اسلام سے باہر ہیں اُن پر مکمل طور پر بھروسہ اور اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ خلیفہ نے احتیاط کے سلسلے میں لکھا کہ جولیَن کو کسی طرح آزما لیا جائے۔ اگر والیٔ سیوستہ جولیَن آزمائش پر پورا اُترے تو دمشق اطلاع دی جائے۔ یہاں سے کمک اور دیگر ضروری سامان جلدی بھیج دیا جائے گا۔

موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کا جواب اپنی مشاورتی مجلس کو پڑھ کر سنایا اور سب سے مشورہ طلب کیا۔ عربوں کی ذہانت مشہور ہُوا کرتی تھی۔ اس مجلس نے کچھ ہی دیر غور و خوض اور تبادلۂ خیالات و تجاویز کے بعد جولیَن کو آزمانے کا ایک طریقہ سوچ لیا۔ ایک ایلچی کو سیوستہ روانہ کر دیا گیا کہ جولیَن کو یہاں آنے کا پیغام دے آئے۔

جولیَن تو جیسے اسی پیغام کا منتظر تھا۔ وہ پیغام ملتے ہی عجلت میں تیار ہُوا۔ اُس نے ڈٹیزا کے بھائی اوپاس کو بھی جو سیوستہ میں رہتا تھا، ساتھ لے لیا۔ اس کے ساتھ فوج کا ایک اعلیٰ افسر اور ایک سو سواروں کا حفاظتی دستہ تھا۔

یہ شاہی قافلہ مسافت طے کر کے مُوسیٰ کے دارالحکومت قیروان پہنچا تو جولیَن بغیر آرام کیے موسیٰ سے ملا۔ تاریخوں کے مطابق اس مُلاقات میں ڈٹیزا کا بھائی اوپاس اور جولیَن کی فوج کا افسرِ اعلیٰ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ یہ ایک تاریخی ملاقات تھی۔ اسی ملاقات میں مسلمانوں پر اُندلس کے دروازے کھُلے تھے۔

"میرے بھائی جولیَن!"— موسیٰ بن نصیر نے کہا— "دمشق سے اجازت آگئی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم ثابت کر دو کہ اُندلس کے بادشاہ راڈرک کو تم ایسا دشمن سمجھنے لگے ہو کہ حالات کیسا ہی پلٹا کیوں نہ کھا جائیں، تم اُس کے ساتھ دوستی بحال نہیں کرو گے۔"

"یہ ثبوت پیش کرنے کا کوئی طریقہ تم ہی بتاؤ"— جولیَن نے کہا— "میں تو دن گن رہا ہوں کہ وہ وقت کب آئے گا جب میں اس بدکار راڈرک سے اپنی بے عزتی کا انتقام لوں گا۔"

"امیرِ محترم!"— اوپاس نے کہا— "میرے اس بھائی کی روح مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتی جس کے خلاف راڈرک نے بغاوت کرائی اور اس کی بادشاہی کا تختہ اُلٹ کر خود بادشاہ بن گیا اور میرے بھائی ڈٹیزا کو قتل کرا دیا۔ اب اس نے ہمارے خاندان پر ایک اور وار کیا ہے۔ اگر آپ ہماری جگہ ہوتے تو انتقام لینے کے لیے ایک دن کا انتظار بھی گوارا نہ کرتے۔ اگر آپ جتنی فوج ہمارے پاس ہوتی تو ہم مدد کی بھیک

مانگنے کے لیے آپ کے دروازے پر نہ آتے۔"

"اب انتظار نہیں کراؤں گا" ـــــ مُوسیٰ نے کہا ـــــ "جولین! ایک کام کرو۔ رات کے اندھیرے میں سمندر پار کرو۔ تمھاری فوج تمھارے ساتھ ہو۔ اُندلس کے کسی ساحلی علاقے پر حملہ کرو۔ اس سے پہلے کہ اُندلس کی فوج آئے تم اپنی فوج کو واپس لے آؤ۔ یہ ایک ثبوت ہو گا کہ تم شاہ راڈرک کو اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ میں تمھارے جذبۂ انتقام کی شدّت کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر میری فوج وہاں کسی وجہ سے پھنس گئی" ـــــ جولین نے کہا ـــــ "اور اگر میری فوج کا مقابلہ زیادہ فوج سے ہو گیا تو میرا انجام کیا ہو گا؟"

"تمھیں بُرے انجام تک نہیں پہنچنے دوں گا" ـــــ مُوسیٰ نے کہا ـــــ "میرے دستے ساحل پر موجود ہوں گے۔ میں پیغام رسانی کا ایسا انتظام کروں گا کہ تم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو مجھے فوراً اطلاع مل جائے گی اور میرے دستے تمھاری مدد کو پہنچیں گے۔"

+

جولین اور اوپاس نے فوراً رضامندی کا اظہار کر دیا اور مُوسیٰ کے ساتھ مل کر اُنھوں نے اُندلس کے ایک ساحلی علاقے پر حملہ کرنے کا پلان بنا لیا۔ وہ دونوں اُسی وقت سیوستہ کو روانہ ہو گئے۔

مُوسیٰ بن نصیر نے کچھ دستے اپنی فوج سالار ابو زرعہ طریف بن مالک المعافری کی زیرِ کمان اس حکم کے ساتھ بھیج دیئے کہ وہ سیوستہ کے مضافات میں جا کر خیمہ زن ہو جائیں اور جب جولین اپنے دستے اُندلس کی طرف بھیجے تو طریف اپنے دستوں کو تیاری کی حالت میں سیوستہ کے ساحل پر لے جائے۔

جب سالار طریف اپنے دستوں کے ساتھ سیوستہ کے قریب پہنچا تو جولین نے باہر آ کر اُس کا شاہانہ استقبال کیا اور طریف سے کہا کہ وہ قلعے کے اندر اُس کے محل کے ایک کمرے میں قیام کرے۔

"کاؤنٹ جولین!" ـــــ سالار طریف نے کہا ـــــ "ہمارے ہاں سالار اپنے آپ کو اپنے لشکر کے کسی ایک سپاہی سے بھی بلند و برتر نہیں سمجھتا کہ وہ اُس سے الگ رہے۔ میدانِ جنگ میں سالار اور سپاہی ایک ہوتے ہیں۔ ہمارا مذہب برتری اور کمتری کو تسلیم نہیں کرتا۔ آپ ہمیں نماز پڑھتے دیکھیں گے تو آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ صف در صف کھڑے ان مسلمانوں میں عہدیدار کون اور سپاہی کون ہے۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ ہمارے ملازم اگلی صف میں ہوتے ہیں اور ہم پچھلی صفوں میں۔ سالار کو یہ سعادت حاصل ہے کہ امامت کے فرائض وہ ادا کرتا ہے۔"

"آپ اُندلس کو فتح کر لیں گے" ـــــ جولین نے پُرجوش لہجے میں کہا ـــــ "یہی اسلام کی طاقت ہے جو آپ نے بیان کر دی ہے۔ ہمارے سالار سپاہیوں کو اپنے ذاتی ملازم

سمجھتے ہیں.... پھر بھی میرے محل کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔"
پھر وہ رات آئی جب جولیَن کی فوج سیوستہ کے ساحل پر بادبانی کشتیوں میں سوار ہو رہی تھی اور سالار طریف کے دستے تیار ہو کر ساحل پر پہنچ گئے تھے۔

+

سمندری مسافت صرف بارہ میل تھی۔ جولیَن کی جنگی کشتیوں کے ملّاح تجربہ کار تھے۔ سمندر پُرسکون تھا۔ ہوا تیز تھی اور موافق بھی۔ ملّاحوں نے متوقع وقت سے پہلے جولیَن کی فوج کو اندلس کے ساحل پر پہنچا دیا۔ کمان اوپاس کے ہاتھ میں تھی۔
جولیَن ساحل پر کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی اور دونوں بیٹیاں —— فلورنڈا اور میری —— کھڑی تھیں۔ فوج کی روانگی تک فلورنڈا نے باپ کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کیے رکھا تھا۔ وہ ضد کر رہی تھی کہ مردانہ کپڑے پہن کر اپنی فوج کے ساتھ اُندلس جائے گی۔ اُس نے باپ کا جنگی لباس نکال لیا تھا۔ ڈھال اور تلوار بھی تیار کر لی تھی لیکن جولیَن اُسے جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ ماں بھی اُسے روک رہی تھی۔
"کیا میں شہسوار نہیں؟" —— فلورنڈا چیخ چلّا کر کہتی رہی تھی —— "کیا میں برچھی اور تلوار نہیں چلا سکتی؟ کیا میری کمان سے نکلے ہوئے تیر ہوا میں ضائع ہو جاتے ہیں؟"
ماں اور باپ اُسے بتا رہے تھے کہ وہ سب کچھ جانتی ہے لیکن جب دشمن برچھیاں اور تلواریں لے کر میدان میں آتا ہے تو اپنی برچھی اور تلوار سنبھل کر اور دیکھ کر چلانی مشکل ہو جاتی ہے اور کمان سے نکلے ہوئے تیر ہوا میں ضائع ہونے لگتے ہیں۔ لڑنا اور مرنا مردوں کا کام ہے۔
"بے آبرو میں ہوئی ہوں" —— فلورنڈا نے کہا تھا —— "اُندلس پر پہلی انتقامی ضرب میں تو مجھے شامل ہونے دو۔"
باپ نے اُسے اس وعدے پر روک لیا تھا کہ جب مسلمان حملہ کر کے شاہ راڈرک کو شکست دے دیں گے تو وہ موسیٰ بن نصیر سے کہے گا کہ راڈرک کو زندہ پکڑ کر اُس کے حوالے کر دیا جائے پھر فلورنڈا اُسے اپنے ہاتھوں قتل کر سکتی ہے۔
فلورنڈا مطمئن ہو گئی تھی اور اپنی فوج کو الوداع کہنے اپنے باپ کے ساتھ ساحل تک گئی۔ وہاں اُسے مسلمان سالار ابوزرعہ طریف نظر آ گیا۔ باپ نے اس سالار کے ساتھ اُس کا تعارف کرایا تو فلورنڈا طریف کے پیچھے پڑ گئی کہ وہ اُسے اُس کے باپ سے اجازت لے دے کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ چلی جائے۔
"تمھارا باپ شاید تمھیں اجازت دے دے" —— سالار طریف نے کہا —— "لیکن میں تمھیں اجازت نہیں دوں گا۔ ہم عورتوں کی عزت اور آبرو پر جانیں دینے والے عورتوں کو دشمن کے سامنے میدان میں کیسے بھیج دیں؟"

+

آدھی رات کے بعد اُندلس کے جنوبی ساحل کے ایک قصبے میدن سپانو کے لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ ساحل کے ساتھ فوجی چوکیاں بھی تھیں جن میں فوجی موجود تھے جو کبھی کے سو گئے تھے۔ جن سنتریوں کو جاگتے رہنا تھا، وہ کہیں کھڑے کہیں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سیوستہ اُندلس کا دروازہ ہے اور اس دروازے پر بڑا مضبوط قلعہ اور جولین کی فوج موجود ہے۔

خطرہ مسلمانوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ وہ سیوستہ کا راستہ چھوڑ کر کسی دُور کے ساحلی مقام سے آسکتے تھے لیکن عربوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جہاز رانی سے واقف نہیں اور سمندری لڑائی لڑنے کا بھی انہیں تجربہ نہیں۔ یہ تھی بھی حقیقت۔ وہ اِسلام کا ابتدائی دَور تھا۔ سال ۹۲ ہجری تھا۔ عربوں کو ابھی سمندری لڑائی کا موقع نہیں ملا تھا۔

اُندلس کی ساحلی فوج بے فکر تھی۔ جولین کی کشتیاں میدن سپانو سے ذرا دُور رُکیں۔ فوج حکم کے مطابق خاموشی سے کشتیوں سے اُتری۔ اس کا کمانڈر اور پاس جانتا تھا کہ فوجی چوکیاں کہاں کہاں ہیں۔ اُس نے اپنے دستوں کو ان چوکیوں پر حملے کے لیے تقسیم کر دیا اور تیز رفتار حملے کا حکم دے دیا۔

سنتریوں نے اپنی طرف سائے سے بڑھتے دیکھے لیکن یہ معلوم ہونے سے پہلے کہ یہ کون آرہے ہیں، اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ چوکیوں میں سوئے ہوئے فوجیوں کو اُٹھنے کی مہلت ہی نہ ملی اور وہ مارے گئے۔ چوکیاں دُور دُور پھیلی ہوئی تھیں۔ صبح طلوع ہونے سے پہلے پہلے ان کا صفایا کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ بھاگ سکا جو کسی بڑے شہر تک پہنچ کر اطلاع دے سکتا کہ کسی فوج نے حملہ کر دیا ہے۔

صبح طلوع ہوتے ہی جولین کی فوج دو تین قصبوں میں داخل ہو گئی۔ حکم کے مطابق فوج نے لوٹ مار شروع کر دی۔ جولین نے حکم دیا تھا کہ کوئی گرجا کھڑا نہ رہنے دیا جائے اُس کے فوجیوں نے بعض گرجوں کو آگ لگا دی اور بعض گرجے گرا دیئے۔ شام تک سیوستہ کی فوج نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ کوئی خوبصورت اور جوان لڑکی نظر آئی تو اُسے بھی اُٹھا لیا اور جس طرح یہ فوج بڑی کشتیوں میں آئی تھی اسی طرح کشتیوں میں سوار ہو کر واپس سیوستہ پہنچ گئی۔

جولین نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ یہ اعلان کیا جائے کہ یہ سیوستہ کی فوج ہے۔ چنانچہ اُس کے فوجی لوٹ مار کے دوران یہ اعلان کرتے رہے۔

جب فوج واپس آئی تو جولین نے موسیٰ بن نصیر کے سالار طریف سے پوچھا کہ اُسے یقین آیا ہے یا نہیں کہ وہ راڈرک کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

"آپ سالار ہیں" — جولین نے طریف سے کہا — "کیا میں نے اپنے لیے یہ خطرہ پیدا نہیں کر لیا کہ راڈرک سیوستہ پر جوابی حملہ کرے گا؟"

"اُسے حملہ کرنا چاہیئے" — سالار طریف نے کہا — "وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے

کہ اُس کا باجگزار اُس کے ملک میں آکر اُس کی فوج کا قتلِ عام اور شہریوں کے گھروں کا صفایا کر جائے، لیکن کاؤنٹ جولیَن! ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ میرے یہ دستے یہیں رہیں گے اور ساحل پر ہر وقت چوکس رہیں گے۔ آپ فوری طور پر ہمارے امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس جائیں اور دوستی کا باقاعدہ معاہدہ کرلیں پھر اس کی اطلاع شاہِ اُندلس راڈرک تک پہنچا دیں۔"

+

دوستی کا معاہدہ ہوگیا۔

موسیٰ کو یقین تو آگیا تھا کہ جولیَن دھوکہ نہیں دے رہا لیکن وہ اس یقین کو مکمل طور پر پختہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُندلس کے ساحل سے کچھ دور ایک جزیرے ایلجیسی راس کا انتخاب کیا اور اس پر حملے کا پلان بنایا۔ اِس میں اُس نے اپنی فوج کے ساتھ جولیَن کی فوج کو بھی شامل کرلیا۔ اس مشترکہ فوج کے حملے سے مُوسیٰ ایک تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جولیَن اور اُس کی فوج کس حد تک قابلِ اعتماد ہے اور یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ اُندلس کی فوج لڑنے میں کیسی ہے اور اس کے کمانڈر فنِ حرب و ضرب میں کیسے ہیں۔

مُوسیٰ نے اس مشترکہ فوج کی کمان سالار ابو زرعہ طریف بن مالک المعافری کو دی۔

"ابنِ مالک!" ——— مُوسیٰ نے سالار طریف کو آخری ہدایات دے کر کہا ——— "خود بھی دیکھنا اور اپنے نائبین کو بھی کہہ دینا کہ جولیَن کی فوج کے کمانداروں کو دیکھتے رہیں کہ ہمیں دھوکہ تو نہیں دے رہے؟ یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ لڑنے میں جرأت مند ہیں یا بزدل؟"

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں" ——— جولیَن اپنی فوج کے کمانداروں سے کہہ رہا تھا ——— "مسلمانوں کو یہ کہنے کا موقع نہ دینا کہ جولیَن کی فوج بزدل ہے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے مسلمانوں کو یہ شک ہو کہ ہم انہیں دھوکہ دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کے امیر کو ابھی ہم پر اعتبار نہیں آیا۔ یاد رکھو! اپنی آن پر جانیں قربان کر دینے والے بہادر دھوکہ نہیں دیا کرتے۔ تم ایک دھوکہ باز سے انتقام لینے جا رہے ہو۔ وہ دھوکہ باز اُندلس کا بادشاہ راڈرک ہے۔ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ راڈرک ہمارا دشمن ہے۔ تم اُس پر ایک وار کر چکے ہو..... میں ایک ہی بات پر زور دوں گا کہ مسلمانوں کو یہ تاثر نہ دینا کہ تم بزدل اور دھوکے باز ہو۔"

+

وہ جولائی ۷۱۰ء کی ایک رات سے جنم لینے والی ایک سحر تھی جس کی تاریکی میں موسیٰ بن نصیر اور جولیَن کی فوج بڑی جنگی کشتیوں میں سوار ہوئی۔ کسی بھی تاریخ میں جولیَن کی فوج کی تعداد نہیں لکھی۔ مسلمانوں کی فوج کی تعداد چار سو پیادے اور ایک سو گھوڑ سوار تھے۔

ایلجیسی راس بہت بڑا جزیرہ نہیں تھا اور یہ بہت چھوٹا بھی نہیں تھا۔ جا سوسوں کے

ذریعے پہلے معلوم کرالیا گیا تھا کہ وہاں اُندلس کی کتنی فوج ہے اور کہاں کہاں ہے کشتیاں ایسے کنارے پر روکی گئیں جہاں درختوں اور ہریالی سے ڈھکی ہوئی بلند ٹیکریاں تھیں۔ ادھر سے جزیرے کی فوج کو نظر نہیں آسکتا تھا کہ کوئی فوج اُتر رہی ہے لیکن سالار طریف اور جولین کے دستے اپنے آپ کو دشمن سے چھپا نہ سکے۔ یہ کشتیاں جب کھلے سمندر میں جزیرے کی طرف جارہی تھیں تو جزیرے کے لوگوں کو دُور سے نظر آرہی تھیں۔

کشتیاں کنارے لگیں۔ ان میں سے گھوڑوں کو اتارا گیا۔ پیدل فوج بھی اُتری۔ سوار ابھی گھوڑوں پر سوار نہیں ہوئے تھے اور پیادے ابھی پیشقدمی کی ترتیب میں نہیں آئے تھے کہ ٹیکریوں سے ان پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ تیرانداز درختوں کے پیچھے، گھنے درختوں کی شاخوں اور پتوں میں ہری بھری جھاڑیوں میں چھپے ہُوئے تھے۔ اُندلس کے ایک ساحلی علاقے پر جولین کی فوج ایک حملہ کرچکی تھی اس لیے ساحلی علاقوں اور جزیروں میں فوج چوکنی اور تیار رہنے لگی تھی۔

سالار طریف نے گھوڑسواروں کو جو تیروں سے بچنے کے لیے بکھر گئے تھے حکم دیا کہ گھوڑسوار ٹیکریوں کو گھیرے میں لے لیں لیکن تیروں کی زد سے دُور رہیں۔ پیادے پہلے ہی اِدھر اُدھر ہوگئے تھے۔ زیادہ تعداد پیچھے سمندر میں چلی گئی بعض کشتیوں میں جا چھپے۔ سامنے صرف زخمی رہ گئے۔

جولین کے دستوں کا کمانڈر اوپاس تھا۔ اُس نے بھاگ دوڑ کر اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور انہیں حکم دیا کہ ٹیکریوں کے اطراف سے عقب سے اوپر جائیں۔ سپاہی دوڑ پڑے۔ تیرانداز سامنے یعنی سمندر کی طرف تیر برسا رہے تھے۔ اوپاس کے سپاہی دائیں بائیں اور پیچھے سے ٹیکریوں پر درختوں، جھاڑیوں اور گھاس کی اوٹ میں جانے لگے تو تیراندازوں کے رُخ بدل گئے بلکہ رُخ تقسیم ہوگئے۔ اوپاس اپنے سپاہیوں کو للکار رہا تھا اور سپاہی بڑی جرأت سے تیروں کے سامنے اُوپر چڑھتے جارہے تھے۔

سالار طریف نے اوپاس کے سپاہیوں کی یہ بےخوفی دیکھی تو اُس نے اپنے دستے کے تیراندازوں سے کہا کہ وہ ٹیکریوں کے نیچے جو درخت ہیں اُن پر چڑھ جائیں اور دشمن کے تیراندازوں کو نشانہ بنائیں۔ مسلمان تیرانداز درختوں پر چڑھنے لگے تو چند ایک دشمن کے تیروں سے زخمی ہوکر گرے۔ باقی تیرانداز درختوں پر جاکر ٹیکریوں پر تیر پھینکنے لگے۔

جزیرے کے تیرانداز بھاگنے لگے لیکن ٹیکریاں سواروں کے نرغے میں تھیں۔ ان میں کوئی بھی زندہ نہ بھاگ سکا۔ جزیرے کی باقی فوج حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے تیار تھی۔ سالار طریف نے اپنے گھوڑسواروں کو ٹیکریوں کے پیچھے چھپا کر ان کے کمانداروں کو ایک اشارہ بتایا اور کچھ ہدایات دیں۔

دونوں فوجوں کا تصادم ہُوا۔ اُندلس کی فوج جلدی منہ موڑنے لگی۔ سالار طریف نے اپنے چھپے ہُوئے سواروں کو اشارہ دے دیا۔ سوار بہت تیزی سے ٹیکریوں کے

پیچھے سے نکلے اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے دشمن کے عقب میں چلے گئے۔ دشمن کے لیے یہ چال غیر متوقع تھی۔ سواروں نے عقب سے حملہ کر دیا اور جزیرے کی فوج کا قتلِ عام ہونے لگا۔

معرکہ جلدی ختم ہو گیا۔ اس جزیرے کا نام بدل کر جزیرۃ الخضرا رکھ دیا گیا۔

+

واپس آ کر سالار طریف نے موسیٰ بن نصیر کو بتایا کہ جولین دھوکہ نہیں دے رہا اور اُس کے سپاہی بے جگری سے لڑے ہیں۔ اُس نے دوسری بات یہ بتائی کہ اُندلس کی فوج میں لڑنے کا جذبہ کمزور ہے اور اس کی قیادت میں بھی کوئی ایسی خوبی نہیں جس سے ہم پریشان ہو جائیں۔

مُوسیٰ بن نصیر نے اُندلس پر حملے کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ جولین ایک نومسلم مغیث الرومی کو ساتھ لیے موسیٰ کے پاس آیا۔ مغیث الرومی گوتھ تھا۔ جولین مسلمان فوج کے ساتھ اُندلس جانے کے ارادے سے آیا تھا۔ وہ مغیث الرومی کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر پس و پیش کرنے لگا۔

"مُوسیٰ!" — جولین نے کچھ شکایت اور کچھ غصے کے لہجے میں کہا — "کیا اب بھی تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں آیا؟ .... مجھے کچھ ایسا ہی شک تھا۔ میں تم پر اپنا اعتماد پختہ کرنے کا ایک اور ذریعہ ساتھ لایا ہوں۔"

وہ اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے ساتھ پیوستہ سے خاصا بڑا قافلہ آیا تھا جس میں اُس کے ملازم تھے، محافظ تھے، فوجی اور شہری مشیر تھے اور اس قافلے میں عورتیں بھی تھیں۔ جولین واپس مُوسیٰ کے کمرے میں آیا تو اُس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ اُن کا حُسن غیر معمولی تھا۔ اُن کے بدن مسحور کر دینے والی کشش والے تھے۔

"یہ میری بیٹیاں ہیں" — جولین نے کہا — "یہ فلورنڈا ہے اور یہ اس کی بہن میری ہے۔ میں ان دونوں کو یرغمال کے طور پر تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ یہ میری عزت اور آبرو ہیں۔ فلورنڈا میری وہ بیٹی ہے جس کے لیے میں نے اپنے ایک طاقتور اور پرانے دوست کو دشمن اور ایک پرانے دشمن کو دوست بنا لیا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے اپنی غیرت سے دیوانہ ہو کر اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے کہ اتنے طاقتور بادشاہ کے ملک پر حملہ کیا اور پھر تمہاری فوج کے ساتھ اپنی فوج اُس کے جزیرے پر قبضہ کرنے کے لیے بھیج دی .... موسیٰ بن نصیر! میں اپنی یہ غیرت آج تمہارے ہاتھ میں دے رہا ہُوں۔ اگر میں نے یا مغیث نے تمہاری فوج کو معمولی سا دھوکہ بھی دیا تو میری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا لینا یا انہیں وحشی بربروں کے حوالے کر دینا۔"

کسی بھی مؤرخ نے یہ تفصیل نہیں لکھی کہ موسیٰ نے جولین کی اس پیشکش کو ٹھکرا یا تھا یا نہیں یا مزید کیا باتیں ہُوئی تھیں۔ تاریخ میں یہی آیا ہے کہ جولین نے اپنی دونوں بیٹیاں

یرغمال میں دے دی تھیں، لیکن شاید موسیٰ نے یہ بات قبول نہ کی۔
جولین نے دوسری پیش کش یہ کی تھی کہ وہ اپنی تمام فوج موسیٰ کی فوج کے ساتھ اُندلس بھیجے گا۔ موسیٰ نے یہ پیش کش دوٹوک الفاظ میں ٹھکرا دی تھی۔ البتہ اتنی ہی مدد اور اتنا ہی تعاون مانگا کہ سیوستہ مسلمان فوج کی رسد گاہ ہو گی اور وقتاً فوقتاً اُندلس کو جانے اور وہاں سے آنے والے مجاہدین کو سیوستہ قلعے میں کھانے پینے کی، آرام اور دیگر ضروریات پوری کرنے کی سہولت حاصل ہو گی۔
پھر جولین سے یہ مدد مانگی گئی کہ اُندلس کے ساحل تک پہنچنے کے لیے کشتیاں اور بحری جہاز جولین دے۔
جولین نے ہر قسم کے تعاون کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اُس کی فوج کمک کے طور پر ہر وقت تیار رہے گی۔
مُوسیٰ بن نصیر نے اسی روز خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام ایک پیغام لکھوا کر قاصد کے ہاتھ دمشق بھجوا دیا۔ خلیفہ اُندلس پر حملے کی اجازت تو پہلے ہی دے چکا تھا لیکن موسیٰ دُور اندیش آدمی تھا۔ اُس نے دیگر باتوں کے علاوہ خلیفہ کو لکھا:
"..... اُندلس پر فوج کشی کی ایک بار پھر اجازت لینے میں وقت ضائع کرنا مجھے مناسب نہیں لگا لیکن آپ نے ہندوستان میں جو لشکر بھیجا ہے، اُس کی ضروریات ایسی صورت پیدا کر سکتی ہیں کہ میں اُندلس کی مہم ملتوی کر دوں۔ ہو سکتا ہے دو محاذ آپ کے لیے دشواریاں اور ایسے مسائل پیدا کر دیں کہ دونوں محاذ کمزور ہو جائیں یا دونوں میں سے ایک کمزور ہو جائے....."
خلیفہ ولید نے نہایت حوصلہ افزا جواب دیا۔ اُس نے لکھا کہ اللہ کا نام لو اور تمام تیاریاں مکمل کر کے لشکر کو روانہ کر دو۔ سالار کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا۔

+

سالار کا انتخاب ایک مسئلہ تھا۔ موسیٰ کچھ وجوہات کی بناء پر سالار طریف کو سالارِ اعلیٰ نہیں بنانا چاہتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فوج کی نفری تقریباً سو فیصد بربر تھی۔ موسیٰ نے سوچا تھا کہ سالارِ اعلیٰ بربری ہو اور عربی سالار اُس کے ماتحت ہوں۔ اُس وقت بربروں میں سے چند ایک آدمی ایسے نکل آئے تھے جو جنگی قیادت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے فوج میں کمانداری کے عہدے حاصل کر لیے تھے۔
ان میں ایک طارق بن زیاد تھا۔ موسیٰ کا ذہن دُور پیچھے چلا گیا جب بربروں کے بیشتر قبائل نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور عربوں کے خلاف جنگ وجدل میں سرگرم رہتے تھے۔ موسیٰ نے یہاں بہت لڑائیاں لڑیں اور پیار و محبت اور بھائی چارے کے حربے بھی استعمال کیے تھے۔ اُس دور میں بربر گرفتار بھی ہوئے اور ان میں سے بعض کو اعلیٰ حکام نے غلاموں یا ملازموں کے طور پر رکھ لیا۔ مُوسیٰ کو ایک نوجوان بربر

اتنا اچھا لگا کہ اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اُس کی حیثیت غلام جیسی تھی۔
موسیٰ نے اُس کی باتیں سنیں اور اُسے کام کرتے دیکھا تو اُس نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان کوئی عام سی نسل کا بربر نہیں۔ اُس کے بال سرخی مائل اور چہرے کا رنگ کھلتا ہوا سا تھا۔ ایک روز موسیٰ نے اُس سے اُس کے باپ دادا کے متعلق پوچھا تو اُس نے بتایا کہ وہ ڈنڈال کی نسل سے ہے۔ ڈنڈال بربروں کا ایسا قبیلہ تھا جو دوسرے قبائل سے ہر لحاظ سے برتر تھا۔
موسیٰ کا یہ غلام ذہانت کے لحاظ سے یقیناً برتر تھا اور اس کی زیادہ تر دلچسپی عسکری مشاغل میں تھی۔ گھوڑسواری میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ تیراندازی اور تیغ زنی میں وہ طاق تھا بربروں کے باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے جب موسیٰ فوج لے کر جایا کرتا تو یہ غلام اُس کے ساتھ ہوتا تھا۔ سیوستہ کے محاصرے میں بھی وہ موسیٰ کے ساتھ گیا تھا۔ موسیٰ نے دیکھا کہ یہ غلام صرف خدمتگار نہیں، یہ تو کبھی کبھی موسیٰ کو جنگی چالوں کے مشورے دیا کرتا تھا اُس نے عربی زبان مادری زبان کی طرح بولنی شروع کر دی تھی۔
موسیٰ نے اُسے آزاد فوج میں ایک عہدہ دے دیا اور دیکھا کہ اس میں قیادت نہ کے بلکہ جارحانہ قیادت کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ موسیٰ نے میدان میں آزمایا اور ایک دستے کا کمانڈر بنا دیا، پھر تھوڑے ہی عرصے بعد وہ نائب سالاری کے عہدے تک جا پہنچا۔ اُس نے اس سے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور موسیٰ نے اس کا نام طارق اور اُس کے باپ کا نام زیاد رکھا تھا۔
اب جب اُندلس پر حملے کی قیادت کا مسئلہ موسیٰ کے سامنے آیا تو موسیٰ کی نظر بار بار اس آزاد کیے ہُوئے غلام طارق بن زیاد پر ہی جا رکتی تھی۔ اس میں موسیٰ کو سب سے بڑی خوبی یہ نظر آتی تھی کہ وہ جارح سالار تھا۔ صرف پیشقدمی کا قائل تھا۔ پسپائی کے لفظ سے ہی جیسے ناآشنا تھا۔

+

موسیٰ نے اُسے بلایا اور بتایا کہ اُندلس پر حملے کی قیادت کے لیے اُسے منتخب کیا گیا ہے۔
"یہ ہے اُندلس کا نقشہ" ـــــ موسیٰ نے اُس کا امتحان لینے کے لیے نقشہ اُس کے آگے پھیلا دیا ـــــ "تم کس طرح اس ملک پر حملہ کرو گے؟ .... یہ ذہن میں رکھ لو کہ تمہارے لشکر کی تعداد زیادہ سے زیادہ سات ہزار ہوگی۔ کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں ہوگی۔"
طارق بن زیاد نے نقشہ تہہ کر کے الگ رکھ دیا۔
"محترم امیر!" ـــــ طارق نے کہا ـــــ "میں اس عہد اور اس اصول پر اُندلس کے ساحل پر لشکر اتاروں گا کہ پیشقدمی ہوگی اور پسپائی کی کوئی سوچے گا ہی نہیں .... فتح یا موت!"
موسیٰ کے بوڑھے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

قیروان امارتِ مصر اور افریقہ کا دارالامارت یعنی مرکزی شہر تھا۔ سپہ سالار کا انتخاب ہوتے ہی قیروان شہر میں تیر و کمان، برچھیاں اور دیگر ہتھیار بننے لگے۔ سب سے زیادہ تیر بنائے جا رہے تھے اور پھینکنے والی برچھیاں بھی۔ موسیٰ بن نصیر نے حکم دیا تھا کہ تیروں اور پھینکنے والی برچھیوں کا اتنا زیادہ ذخیرہ ساتھ لے جایا جائے کہ اُندلس سے یہ پیغام نہ آئے کہ یہ ہتھیار ختم ہو گئے ہیں۔ درمیان میں سمندر حائل تھا۔ دشمن رسد کا رستہ مسدود کر سکتا تھا۔

طارق بن زیاد نے اپنے ساتھ جانے والی فوج کی ٹریننگ شروع کر دی۔ اُس نے جولیَن سے پوچھ لیا تھا کہ اُندلس کے وہ علاقے کیسے ہیں جن میں لڑائیاں ہوں گی۔ جولیَن نے اُسے ایک ایک تفصیل بتائی تھی۔ اُندلس شمالی افریقہ سے بہت مختلف تھا ـــــ سرسبز و شاداب، پہاڑیاں، ندیاں، دریا وغیرہ ـــــ طارق اپنی فوج کو اُندلس کی سرزمین کے خدوخال کے مطابق ٹریننگ دے رہا تھا۔

آخر کوچ کا دن آن پہنچا۔ طارق بن زیاد کو جو لشکر دیا گیا اس کی تعداد سات ہزار تھی۔ اس تعداد میں چند سو سوار بھی شامل تھے۔ یہ تمام لشکر بربروں کا تھا۔ جولیَن نے انہیں چار بڑے جنگی جہاز اور اپنے ملاح اور جہاز ران دیئے تھے۔ یہ جہاز اتنے بڑے تھے کہ ان میں سات ہزار آدمی اور گھوڑے آسانی سے سما گئے تھے۔

"امیرِ محترم!ـــ طارق بن زیاد جب موسیٰ بن نصیر سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے لگا تو اُس نے کہا ـــ "آپ تک صرف فتح کا مژدہ پہنچے گا"۔

"یہ نہ بھولنا ابنِ زیاد!ـــ" موسیٰ نے کہا ـــ "کہ دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے"۔

"ہمارے دشمن کی تعداد ہر جنگ میں ہم سے کئی گنا رہی ہے" ـــ طارق بن زیاد نے کہا ـــ "میں آپ کو ایک بشارت سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے گذشتہ رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ آپؐ نے مجھے بشارت دی ہے کہ ہمت اور استقلال کا دامن نہ چھوڑنا۔ فتح تمہاری ہو گی"۔

طارق کا یہ خواب عیسائی مؤرخوں نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خواب کسی مسلمان تاریخ نویس کے دماغ کی اختراع نہیں۔

جب جہازوں نے لنگر اُٹھائے تو ساحل پر موجود ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھے پھر یہ ہاتھ بلند ہو کر ہلنے لگے۔ جہازوں کے بادبانوں کے دامن ہوا سے بھر گئے اور جہاز دُور رہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ان سات ہزار مجاہدین میں سے بیشتر کو اُندلس میں ہی دفن ہونا تھا۔ وہ اللہ کا پیغام سمندر پار پہنچانے کے لیے ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے ـــــ تاریخ ۹ جولائی ۷۱۱ء تھی!

✚

جہاز ایک ساحلی مقام پر لگے جو کیلپے کہلاتا تھا پھر اس کا نام جبل الطارق ہو گیا جو آج تک قائم ہے۔

جب تمام لشکر جہازوں سے اُتر گیا تو طارق بن زیاد نے لشکر کو فوجی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ جہازوں کے ملاحوں کو اُس نے الگ کھڑا کیا۔ طارق خود گھوڑے پر سوار ذرا بلند جگہ پر کھڑا تھا۔

"چاروں جہازوں کو آگ لگا دو"۔۔۔ طارق نے ملاحوں کو حکم دیا۔

ملاح حیران و پریشان اُس کا مُنہ دیکھنے لگے۔

"جہازوں سے لشکر اُتر آیا ہے"۔ طارق نے کہا۔۔۔"سامان بھی اتار لیا گیا ہے۔ جہازوں کو جلا دو"۔

ایسا حکم وہی سالار دے سکتا تھا جس کا دماغی توازن خراب ہو چکا ہو۔

"بربرو!۔۔۔ طارق نے اپنے بربر لشکر سے کہا۔۔۔"جہازوں کو آگ لگا دو۔ ہم زندہ واپس جانے کے لیے نہیں آئے"۔

بربروں نے چاروں جہازوں کو آگ لگا دی۔

شعلے جہازوں کے بادبانوں، مستولوں اور لکڑی کے ڈھانچوں کو چاٹ رہے تھے۔ پٹاخے سے چل رہے تھے۔ دھواں اُندلس کے آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ طارق کی گرجدار آواز سنائی دی۔ لشکر اُس کی طرف متوجہ ہُوا۔ طارق لشکر سے مخاطب ہُوا۔ اُس کی آواز میں بجلی کی گرج اور کڑک تھی۔ وہ بربر تھا۔ پورا لشکر بربر تھا لیکن طارق بن زیاد نے لشکر سے بربر زبان کی بجائے عربی میں خطاب کیا۔ اُس کا یہ خطاب آج تک تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا:

ایھا الناس! این المفر البحر من ورائکم والعدو امامکم ولیس لکم واللہ الا الصدق والصبر واعلموا انکم فی ھذہ الجزیرۃ اضیع عن الایتام فی مأدبۃ اللئام وقد استقبلکم عدوکم بجیشہ واسلحتہ وأقواتہ موفورۃ وانتم لا وزر لکم الا سیوفکم ولا أقوات لکم الا [illegible] تستخلصونہ من ایدی عدوکم وان امتدت بکم الایّام علی افتقارکم ولم تنجزو لکم امرأ ذھب ریحکم وتعوضت القلوب من رعبھا منکم الجراۃ علیکم فادفعوا عن انفسکم خذلان ھذہ العاقبۃ من امرکم بمناجزۃ ھذا الطاغیۃ فقد القت بہ الیکم مدینتہ الحصینۃ وان انتھاز الفرصۃ فیہ لممکن ان سمحتم لانفسکم بالموت وانی لم احذرکم امراً انا عنہ بنجوۃ حملتکم علی خطۃ ارخص متاع فیھا النفوس أبداً بنفسی واعلموا انکم ان صبرتم علی الأشق قلیلا استمتعتم بالارفہ الالذ طویلاً فلا ترغبوا [illegible]کم عن نفسی

فما خطكم فيه ما وفر من خطي وقد بلغكم ما انشات هذه الجزيرة من الخيرات العميمة وقد انتخبكم الوليد بن عبد الملك امير المومنين من الأبطال عربانا ورضيكم الملوك هذه الجزيرة اصهار واختانا ثقة منه بار تحياكم للطعان واستماحكم بمجالدة الابطال والفرسان ؟ ليكون حظه منكم ثواب الله على اعلاء كلمته اظهار دينه بهذه الجزيرة وليكون مغنمها خالصاً لكم من دونه و من دون المومنين سواكم والله تعالیٰ ولی انجادکم علی ما یکون علی مایکون لکم ذکراً فی الدارین واعلموا انی اول مجیب الیٰ مادعوتکم الیه وانی عند ملتقی الجمعین حامل بنفسی علی طاغیه القوم لذریق؛ فقاتله انشاء الله تعالیٰ فاحملوا معی فان هلکت بهذه فقد کفیتم امره ولم یعوذکم بطل عاقل تستندون امورکم الیه وان هلکت قبل وصولی الیه فاخلفونی فی عزیمتی هذه واحملوا بانفسکم علیه واکتفوا الیهم من فتح هذه الجزیرة بقتله"

اے جوانمردو! اب پسپائی اور فرار کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ تمھارے سامنے دشمن اور پیچھے سمندر ہے۔ نہ ادھر بھاگ سکتے ہو نہ اُدھر۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صبر، ہمّت اور استقلال سے کام لو۔ یاد رکھو کہ اس ملک میں تمھاری مثال کنجوس کے دسترخوان پر یتیم جیسی ہے۔ تمھاری ذراسی بزدلی تمھارا نام و نشان مٹا دے گی۔ تمھارے دشمن کے پاس لشکر بہت زیادہ اور ہتھیار بھی زیادہ ہیں۔ دشمن کے پاس رسد کے حصول کے بہت سے ذریعے ہیں۔ تمھارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر تم نے شجاعت سے کام نہ لیا تو تمھاری عزت مٹی میں مل جائے گی۔ تمھاری برتری مٹ جائے گی۔ اپنی آن اور اپنی عزّت کا تحفظ کرو اور دشمن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دو۔ اس کی طاقت کو تباہ کر دو۔ میں تمھیں کسی ایسی چیز سے نہیں ڈرا رہا جس کے سامنے میں خود نہ جاؤں۔ میں تمھیں ایسی جگہ لڑنے پر نہیں اکسا رہا جہاں میں خود نہ لڑوں۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو اس ملک کی دولت اور عظمت تمھارے قدموں میں ہوگی۔ تم نے صعوبت برداشت کرلی تو اس ملک کی ہر شے کے مالک تم ہو گے۔ امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے اس کام کے لیے تم جیسے بہادروں کو منتخب کیا ہے کہ یہاں کے بادشاہوں کے داماد بن جاؤ اور یہاں کی حسین و جمیل عورتوں کے خاوند بن جاؤ۔ اگر تم نے اس ملک کے شہسواروں

کو مقابلے میں گرا دیا تو اللہ کا دین اور رسول اللہ کے احکام یہاں بھی مقبول اور رواں دواں ہو جائیں گے۔ دل میں بٹھا لو کہ میں تمہیں جس طرف لے جا رہا ہوں، اُس طرف جانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔ لڑائی میں سب سے پہلے اٹھنے والی تلوار میری ہو گی۔ اگر میں مارا جاؤں تو تم عقل اور دانش والے ہو۔ کسی اور کو سپہ سالار بنا لینا مگر اللہ کی راہ میں جانوں کی قربانی سے منہ نہ موڑنا اور یہ ملک فتح ہونے تک چین سے نہ بیٹھنا۔"

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ چار اتنے بڑے بحری جہاز جن میں سات ہزار نفری کا لشکر رسد اور گھوڑوں سمیت سما سکتا ہو، جل رہے ہوں اور ان کے شعلے دُور دُور تک نظر نہ آئیں۔ طارق بن زیاد کے حکم پر چاروں جہازوں کو آگ لگا دی گئی تو فوراً ہی شعلے بلند ہونے لگے اور اُوپر ہی اُوپر اُٹھتے گئے۔ دھوئیں کے بادل تو جیسے آسمان تک جا پہنچے ہوں۔ قریب ہی ماہی گیروں اور ملّاحوں کی ایک بستی تھی۔

"وہ دیکھو" — بستی میں ایک آواز بلند ہوئی — "کسی تاجر کے جہاز کو آگ لگ گئی ہے۔"

"لگتا ہے سمندر کو آگ لگ گئی ہے" — ایک بوڑھے ماہی گیر نے کہا۔

"چلو دوڑو" — ایک جواں سال ملّاح نے کہا — "یہ باہر کے کسی تاجر کا مال جل رہا ہے۔ دوڑو۔ کچھ ہمارے ہاتھ بھی لگ جائے گا۔"

بستی کے تمام لوگ، عورتیں اور بچے بھی ساحل کی طرف دوڑ پڑے۔

اُس وقت طارق بن زیاد لشکر سے خطاب کر رہا تھا۔ بستی کے لوگ قریب آئے تو لشکر کو دیکھ کر رُک گئے۔ کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ اُنہوں نے بھی دُور سے شعلے دیکھے تھے۔ مغیث الرومی لشکر کے اسی پہلو پر کھڑا تھا جس پہلو سے تماشائیوں کا ہجوم آیا تھا۔ مغیث نے اپنے گھوڑسواروں کو حکم دیا کہ ان تماشائیوں کو گھیرے میں لے لیں اور کسی بچے کو بھی واپس نہ جانے دیں۔ گھوڑے دوڑ پڑے۔ تماشائیوں میں نوجوان لڑکیاں اور جوان عورتیں بھی تھیں۔ وہ چیختی چلّاتی بھاگنے لگیں۔ بچوں کی چیخ و پکار الگ تھی۔ مردوں نے عورتوں اور بچوں کو اپنے گھیرے میں اور گھوڑسواروں نے ان سب کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ان سب کو ہانک کر ایک طرف لے گئے۔

طارق بن زیاد کا خطاب ختم ہو چکا تھا۔ مغیث الرومی گھوڑا دوڑاتا طارق کے سامنے جا رُکا۔

"میں جانتا ہوں تُو نے انہیں کیوں روکا ہے" — طارق نے مغیث سے کہا — "انہیں جانے دیتے تو ان سے اندلسیوں کو ہماری آمد کا پتہ چل جاتا۔ ہم انہیں بےخبری میں لینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہیں روکے رکھو۔ ہم آگے نکل جائیں تو انہیں چھوڑنا.... اور دیکھو مغیث! کسی عورت کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ ہو۔"

"ہاں ابنِ زیاد!" — مغیث نے کہا — "میں ان غریب لوگوں کے دلوں سے

خوف اتار دیتا ہوں۔ تم نہیں جانتے، یہ اُندلس کی مظلوم مخلوق ہے۔ میں ان کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ یہ لوگ ہمارے مددگار بن جائیں گے۔ میں ان سے معلوم کروں گا کہ یہاں کی فوج کہاں ہے۔"

مغیث الرومی گوتھ قوم سے تھا اور یہودی ماں باپ کا بیٹا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس میں یہودیوں والے خصائل نہیں تھے۔ یہودی نام ہے فتنہ پردازی، سازش گری اور ابلیسیت کا۔ مغیث الرومی نے شاید اسی لیے اسلام قبول کر لیا تھا کہ اُس کی فطرت یہودیت کو قبول نہیں کرتی تھی۔ وہ موسیٰ بن نصیر کے دورِ امارت سے پہلے مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس میں قیادت کے جوجوہر تھے، ان کی بدولت اُس نے بڑی تیزی سے فوج میں عہدیداری اور پھر سالاری کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ شمالی افریقہ میں بربر قبائل سے جو آخری اور فیصلہ کُن لڑائی لڑی گئی تھی، اس میں مغیث نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ تاریخ اس فتح کا سہرا مغیث کے سر باندھتی ہے۔ تاریخ میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مغیث اُندلس کا رہنے والا تھا۔

مغیث رُکے ہوئے تماشائیوں کے پاس چلا گیا۔

"اے فوجوں کے سردار!"— ایک بوڑھے ملاّح نے جس کا سر اور دونوں ہاتھ ضعیف العمری کی وجہ سے رعشہ گیر تھے، مغیث الرومی کے گھوڑے کے قریب آکر کہا— "تم کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں سے بھی آئے ہو، مجھے یہ بتاؤ کہ تم بھی غریب کی عزت کو اتنا ارزاں سمجھتے ہو؟ میں جانتا ہوں تم ابھی حکم دو گے کہ آدمیوں کو قید کر لو اور جوان عورتوں کو الگ کر لو.... کیا تم ہم پر رحم نہیں کرو گے؟ ہم تو اس لیے دوڑے آئے تھے کہ تمہارے ایک جہاز کو آگ لگی تو باقی تین نے بھی آگ پکڑ لی ہے تو تمہیں مدد کی ضرورت ہو گی۔"

"مت ڈرو ہم سے!"— مغیث الرومی نے کہا— "اپنے جہازوں کو ہم نے خود آگ لگائی ہے۔"

"پھر ہم تم سے اور زیادہ ڈریں گے"— بوڑھے ملاّح نے کہا— "تم قزاق ہو۔ دوسروں کے جہاز لے آتے ہو اور انہیں جلا دیا ہے۔ اپنے جہاز کون جلاتا ہے!"

"ہمیں قزاق ہی کہہ لو"— مغیث نے کہا— "لیکن تمہاری کسی لڑکی اور کسی عورت کو ہمارا کوئی آدمی ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"مان لیا"— بوڑھے ملاّح نے کہا— "لیکن یہ سن لو۔ شاید تمہیں ہم پر رحم آجائے۔ ہماری عزت کے سب سے بڑے لٹیرے یہاں کے فوجی ہیں.... ہمارے اپنے ملک کے فوجی.. ...جب کبھی اِدھر آتے ہیں تو ہماری دو تین جوان لڑکیوں کو زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اگلے روز واپس بھیجتے ہیں۔"

"اب تمہاری عزت محفوظ ہو گئی ہے"— مغیث الرومی نے کہا۔

"پھر ہمارے اِردگرد یہ گھوڑسوار کیوں کھڑے کر دیتے ہیں؟"
"اِس لیے کہ تم اپنی فوج کو پہلے ہی اطلاع نہ کر دو کہ باہر سے کوئی فوج آئی ہے"۔۔۔ مغیث الرومی نے کہا۔۔۔ "ہم آگے نکل جائیں گے تو تم سب اپنے گھروں کو چلے جانا ۔۔۔۔ کیا تمھاری فوج یہاں قریب ہی کہیں موجود ہے؟"
اس بوڑھے کے پاس چند اور ماہی گیر اور ملّاح بھی آن کھڑے ہُوئے تھے۔ ان میں سے ایک اور بوڑھا آگے ہُوا۔
"تم اس سمندری لشکر کے سردار معلوم ہوتے ہو"۔۔۔ دوسرے بوڑھے نے کہا۔۔۔ "تم نے ہماری عزت کی ضمانت دی ہے تو ہم تمھیں یہاں کی فوج سے بچانے کی ضمانت دیتے ہیں۔ ہماری فوج یہاں سے زیادہ دُور نہیں۔"
اس بوڑھے نے مغیث الرومی کو بتایا کہ اس علاقے میں کئی جگہوں پر فوجی چوکیاں ہیں۔ قریب ترین چوکی کم و بیش چھ میل دُور تھی جو اس فوج کے جرنیل کا ہیڈکوارٹر تھا۔ ان تمام چوکیوں میں جو فوج تھی اس کی تعداد آٹھ اور دس ہزار کے درمیان تھی۔ جرنیل کا نام تھیوڈومیر تھا جسے تاریخ میں ایک تجربہ کار اور جارح جرنیل تسلیم کیا گیا ہے۔

۞

طارق بن زیاد کی یہ توقع کہ اُندلس کی ساحلی فوج کو اُس کی آمد کا پتہ نہیں چلے گا اور وہ دشمن کو بے خبری میں دبوچ لے گا محض عبث تھی۔ جس وقت مغیث الرومی ماہی گیروں اور ملّاحوں کو تسلیاں دے رہا تھا کہ اُن کی عورتوں کو نہیں چھیڑا جائے گا، اُس وقت اُندلس کی فوج کا ایک آدمی اپنے جرنیل تھیوڈومیر کو حیرت زدگی کے عالم میں بتا رہا تھا کہ ایک فوج ساحل پر اُتری ہے۔ یہ آدمی اُس چٹان پر موجود تھا جو اُس وقت "لائنز راک" کہلاتی تھی پھر اسے جبل الطارق کا نام دیا گیا اور جو آج تک اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔
"۔۔۔ میں نے چار جہاز سیوستہ کی طرف سے آتے دیکھے"۔۔۔ اس فوجی نے تھیوڈومیر کو تمام تر تفصیل بتا کر کہا۔۔۔ "ان میں سے لشکر اُترا، گھوڑے اُتارے گئے، سامان اتارا گیا اور ان لوگوں نے جہازوں کو آگ لگا دی۔"
"آگ لگا دی؟"۔۔۔ تھیوڈومیر نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔
"میں نے خود جہازوں کو جلتے دیکھا ہے"۔۔۔ اُندلسی فوجی نے کہا۔۔۔ "یہ فوج ہے۔ تعداد دس ہزار سے کچھ کم ہی لگتی ہے۔"
"اگر یہ فوج ہے تو کوئی بڑی ہی خطرناک فوج ہے"۔۔۔ تھیوڈومیر نے کہا۔۔۔ "یہ پاگلوں کی فوج لگتی ہے۔ اپنے جہاز پاگل ہی جلا سکتے ہیں۔"
تھیوڈومیر نے فوراً تمام چوکیوں کی طرف گھوڑسوار قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام نفری، پیادے اور سوار اُس کی چوکی پر فوراً پہنچ جائیں اور جنگی سازوسامان اپنے ساتھ ضرور لائیں۔

۞

اُس کے پاس جو فوج فوراً ہی جمع ہوگئی، اُس کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی جس میں کم وبیش ایک ہزار گھوڑ سوار تھے۔ ساز و سامان اور اسلحے کے لحاظ سے یہ فوج طارق بن زیاد کی فوج سے برتر تھی۔ اس فوج کو سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل تھا کہ وہ اپنے ملک میں تھی جہاں اسے فوراً رسد اور کمک مل سکتی تھی۔ یہ فوج نیم زرہ پوش تھی۔

طارق بن زیاد کی فوج کی تعداد سات ہزار تھی جس میں گھوڑ سوار صرف تین سو تھے۔ اس فوج میں ایک بھی زرہ پوش نہیں تھا۔ مسلمانوں کے ہتھیار روائتی تھے۔ ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ اجنبی ملک میں تھے جہاں کی زمین بھی ان کی دشمن، آسمان بھی ان کا دشمن، اور وہاں بچہ بچہ ان کا دشمن تھا۔ انہیں کہیں سے بھی رسد نہیں مل سکتی تھی۔ کمک کو بھی دُور سے آنا تھا۔ درمیان میں بارہ میل سمندر حائل تھا۔

چار جہاز ابھی تک چل رہے تھے۔ طارق بن زیاد کے ساتھ ڈیٹرا کا بھائی اوپاس اور جولیَن بھی آئے تھے۔ یہ دونوں اُس کے گائیڈ تھے۔ اُندلس کے چپے چپے سے واقف تھے۔ طارق بن زیاد ان دونوں کو اپنے پاس بٹھائے پوچھ رہا تھا کہ اُندلس میں یہاں سے آگے کیا ہے اور قلعہ بند شہر اور قصبے کہاں کہاں اور ان کے فاصلے کتنے ہیں۔ اوپاس اور جولیَن اُسے باریک سے باریک تفصیل بتا رہے تھے۔

"ہمارا پہلا مقابلہ ساحلی فوج سے ہوگا" — جولیَن نے کہا — "اگر یہ فوج قبل از وقت اکٹھی ہوگئی تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اس فوج کی تعداد ہم سے زیادہ بھی ہے اور ان کے ہتھیار بھی بہتر ہیں لیکن اس فوج کو ہماری آمد کی خبر نہیں ہوئی۔ ہم ہر ایک چوکی کو الگ الگ ختم کر دیں گے"۔

اُس وقت مسلمانوں کی یہ سات ہزار فوج جہازوں سے اتار ہُوا اپنا سامان سنبھال چکی تھی اور اب اپنے آپ کو پیشقدمی کے لیے تیار کر رہی تھی۔ طارق بن زیاد نے حکم دیا تھا کہ یہاں تھوڑے سے وقت کے لیے پڑاؤ ہوگا، خیمے نہیں لگائے جائیں گے۔

ایک گھوڑ سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا اور طارق بن زیاد، جولیَن اور اوپاس کے پاس آکر رُکا۔ سوار گھوڑے سے کُودا اور دوڑتا آگے آیا۔

"فوراً تیار ہو جاؤ" — اُس نے ہانپتی کانپتی آواز میں کہا — "اُندلس کی فوج کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہے۔ چوکیوں کی تمام فوج اکٹھی ہوگئی ہے۔ فاصلہ زیادہ نہیں۔ ابھی پہنچ جائے گی"۔

"یہ کون ہے؟" — طارق بن زیاد نے پوچھا — "بربر تو نہیں"۔

"یہ میرا آدمی ہے" — جولیَن نے کہا — "اس کا نام ہنری ہے" — جولیَن نے ہنری سے پوچھا — "تم یہاں کیسے آگئے؟"

"میں آنا چاہتا تھا" — ہنری نے جواب دیا — "جب فوج اور گھوڑے جہازوں پر سوار ہو رہے تھے تو میں مسلمانوں کا لباس پہن کر آیا اور گھوڑوں والے جہاز میں سوار ہوگیا۔

یہاں آکر دیکھا کہ فوج جہازوں سے اُتر کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی ہے اور اُس طرف کسی کی توجہ ہی نہیں جس طرف یہاں کی فوج ہمارا راستہ روکے کھڑی ہے۔ میں اس علاقے سے واقف ہوں۔ میں آگے چلا گیا۔ گھوڑا پیچھے چھوڑا اور چھپتا چھپاتا آگے چلا گیا۔ مجھے وہ فوج نظر آگئی۔ میں یہی دیکھنے گیا تھا کہ یہاں کی فوج آپ کی فوج کی آمد سے بے خبر ہے یا اُسے خبر مل گئی ہے۔“

ایسا ہو نہیں سکتا تھا کہ طارق بن زیاد جیسا سپہ سالار اتنی ضروری بات نظر انداز کر دیتا لیکن وہ ابھی آگے کے علاقے اور دفاعی انتظامات کے متعلق تفصیلات معلوم کر رہا تھا۔ مغیث الرومی نے ماہی گیروں اور ملّاحوں سے اُندلس کی ساحلی فوج کے متعلق جو معلومات لی تھیں وہ اُس نے طارق کے آگے رکھ دی تھیں۔

طارق بن زیاد نے نوجوان ہنری کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا۔ یہ وہی ہنری تھا جسے فلورنڈا دل و جان سے چاہتی تھی اور وہ فلورنڈا کے پیچھے طلیطلہ چلا گیا تھا۔ شاہِ اُندلس راڈرک نے فلورنڈا کو بے آبرو کر دیا تو ہنری طلیطلہ سے شاہی اصطبل کا گھوڑا چوری کر کے بھاگا اور سیوستہ پہنچ کر فلورنڈا کے باپ جولیَن کو اطلاع دی تھی۔

کچھ عرصہ پہلے موسیٰ بن نصیر نے جولیَن کی وفاداری اور دیانت داری کا امتحان لینے کے لیے اسے کہا تھا کہ وہ اپنی فوج سے اُندلس کے کسی علاقے پر حملہ کرے تو جولیَن نے یہ شرط قبول کر لی تھی۔ وہ اپنی فوج لے کر چلا تھا تو فلورنڈا اُس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ وہ اپنی بے عزتی کا انتقام اپنے ہاتھوں لینے کو بیتاب تھی لیکن جولیَن نے اُسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

پھر طارق بن زیاد کی فوج اُندلس کو روانہ ہونے لگی۔ جولیَن اور اُدپاس ساتھ جا رہے تھے۔ فلورنڈا کو معلوم تھا کہ جولیَن اُسے ساتھ نہیں لے جائے گا۔ اُس نے ہنری سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ ہنری کو بھی اس فوج کے ساتھ نہیں لے جایا جا رہا تھا۔ اُس کا مسلمانوں کی فوج کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا اگر جولیَن کی فوج بھی جا رہی ہوتی تو ہنری ساتھ جا سکتا تھا۔ اُس کا باپ شاہی اصطبل کا بڑا افسر تھا۔

”تم مجھے مسلمانوں کا لباس لا دو“ــــ فلورنڈا نے ہنری سے کہا تھا ــــ ”میں یہ پہن کر جہاز میں سوار ہو جاؤں گی۔ میں اپنے ہاتھوں راڈرک سے انتقام لوں گی۔“

ہنری اُسے روکتا رہا مگر وہ اور زیادہ جذباتی ہو گئی۔ ہنری کو خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ لڑکی جو کہہ رہی ہے وہ کر کے بھی دکھا دے گی۔

”فلورا!“ ــــ ہنری نے اُسے کہا تھا ــــ ”میں تمہارے جذبات کا اندازہ کر سکتا ہوں لیکن تم نے ایک پہلو پر غور نہیں کیا۔ تم نے اپنے آپ کو یہ یقین کیسے دلا لیا ہے کہ تم راڈرک تک پہنچ جاؤ گی اور اپنے ہاتھوں اُسے قتل کر دو گی؟“

”میں مسلمانوں کے مردانہ لباس میں ہوں گی۔“

"جذبات سے نہیں عقل سے سوچو فلورا!" ـــــ ہنری نے کہا ـــــ "تم زخمی ہو سکتی ہو، قتل بھی ہو سکتی ہو..... اور اگر تم زندہ پکڑی گئیں تو تم خود سمجھ سکتی ہو کہ راڈرک کے فوجی تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اور تمہارے ساتھ ہو گا یہی، پھر کس کس سے اپنی آبروریزی کا انتقام لو گی؟"

فلورنڈا چپ ہو گئی جیسے وہ بات سمجھ گئی ہو۔

"پھر یوں کرو ہنری!" ـــــ اُس نے کہا تھا ـــــ "تم جاؤ اور راڈرک کو اپنے ہاتھوں قتل کرو۔ میں تمہاری امانت تھی۔ اُس نے اس میں خیانت کی ہے۔ میری عصمت کے، میری روح کے مالک تم ہو۔ اس بدبخت راڈرک نے میری روح کو بھی ناپاک کر دیا ہے..... کہو ہنری! میرا سینہ ٹھنڈا کر دو گے؟"

"کروں گا" ـــــ ہنری نے کہا ـــــ "میں تمہاری بے عزتی کا انتقام لوں گا" ـــــ اُس نے فلورنڈا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پہلے چومے پھر اپنے سینے پر رکھ کر کہا ـــــ "تمہاری محبت کی قسم، راڈرک میرے ہاتھوں مرے گا۔"

"ایک وعدہ اور کرو" ـــــ فلورنڈا نے کہا ـــــ "راڈرک کا سر کاٹ کر یہاں لاؤ گے۔ میں اُس کے سر کو آوارہ کتوں کے آگے پھینکوں گی۔"

"وعدہ!" ـــــ ہنری نے کہا ـــــ "میں اُس کا سر لے آؤں گا۔"

حسین و جمیل اور نوجوان فلورنڈا نے اتنے بڑے ملک کے بادشاہ کو ٹھکرا دیا اور شاہی اصطبل کے ایک ملازم کو دل دے دیا تھا۔ ہنری دھوکے میں ایک جہاز پر سوار ہو گیا اور اُندلس پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی فوج سے الگ کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ آگے چلا گیا تھا۔

طارق بن زیاد کی فوج کی روانگی کے بعد فلورنڈا کا روزمرہ کا معمول بن گیا کہ صبح اور شام عبادت گاہ میں چلی جاتی اور عبادت کر کے دو ہی دعائیں مانگتی تھی۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو اور دوسری یہ کہ ہنری راڈرک کا سر لے کر زندہ واپس آجائے۔

۞

طارق بن زیاد نے اس اطلاع پر کہ اُندلس کی فوج اکٹھی ہو چکی ہے، اپنی فوج کو فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ دوڑتا ہوا جبل الطارق پر چڑھ گیا اور اپنے سامنے اور دائیں بائیں زمین کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کے ساتھ مغیث الرومی کے علاوہ دوسرا تجربہ کار سالار ابوزرعہ طریف بن مالک تھا۔ وہ اپنی پسند کا میدانِ جنگ منتخب کر رہا تھا۔ اُس نے ایک ایسے علاقے کی طرف اشارہ کیا جہاں اونچی ٹیکریاں تھیں۔ ان پر سبزہ تھا اور درخت بھی۔

"تمام گھوڑسواروں کو ان ٹیکریوں کے اندر بھیج دو" ـــــ طارق نے اپنے سالاروں سے کہا ـــــ "سواروں کے کماندار سے کہو کہ سوار گھوڑوں پر سوار اور اشارے کے منتظر رہیں۔"

اُس نے سالاروں کو اپنی فوج کی ترتیب اور تقسیم سمجھائی اور ہدایات دیں پھر وہ چٹان سے اُتر آیا۔ جن ماہی گیروں اور ملاحوں کو روک لیا گیا تھا، انہیں یہ کہہ کر چھوڑ دیا گیا کہ اپنے گھروں کو چلے جائیں اور باہر نہ نکلیں۔

تیر انداز دستے کے کماندار کو اُس نے خصوصی احکام دیئے۔

اتنے میں اطلاع ملی کہ اُندلس کی فوج آگئی ہے۔ طارق بن زیاد اپنے ساتھ چند ایک دستے لیے آگے چلا گیا۔ اُدھر سے تھیوڈومیر آگے آیا۔ وہ محافظوں کے نرغے میں تھا۔ محافظ اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑوں پر سوار تھے۔

"تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟" ــــ تھیوڈومیر نے بلند آواز سے پوچھا ــــ "یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

"یہ کیا کہہ رہا ہے"؟ ــــ طارق نے پوچھا۔

طارق کو بتایا گیا۔

"ٹھہرو ابنِ زیاد!" ــــ جولین نے کہا ــــ "اُسے میں جواب دوں گا" ــــ جولین اپنا گھوڑا آگے لے گیا اور تھیوڈومیر کے جواب میں بلند آواز سے بولا ــــ "پوچھتے ہو کیا لینے آئے ہیں؟ .... ہم اُندلس لینے آئے ہیں۔"

"او نمک حرام!" ــــ تھیوڈومیر نے للکار کر کہا ــــ "تو ہمارا باجگزار اور ہمارے ملک پر حملہ کرنے آیا ہے؟ یہ کن لوگوں کو ساتھ لایا ہے؟ یہ تیری اپنی فوج نہیں۔ تو پہلے یہاں لوٹ مار کر گیا ہے اس لیے تو سمجھتا ہے کہ اب بھی زندہ واپس چلا جائے گا۔ ہوش میں آ اور جنگلیوں کے اس لشکر کو واپس لے جا۔ میری فوج دیکھ۔ تیرے پاس تو گھوڑ سوار بھی نہیں میرے لشکر کو دیکھ۔ تیرے لشکر سے دُگنا ہے۔"

طارق بن زیاد کو اُس کی زبان میں بتایا گیا کہ تھیوڈومیر اور جولین میں کیا باتیں ہوئی ہیں۔ طارق نے طبلِ جنگ بجانے کا حکم دے دیا۔ طبل بج اُٹھے اور طارق نے اپنے دستوں کو حملے کا اشارہ دے دیا۔

۞

تھیوڈومیر اس گھمنڈ میں مبتلا تھا کہ اُس کے پاس مسلمانوں سے دُگنی فوج اور ایک ہزار گھوڑے ہیں۔ پیادہ مسلمان نعرۂ تکبیر کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ تھیوڈومیر اپنے محافظوں کے ساتھ پیچھے چلا گیا۔ اُسے خود لڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے فتح کا یقین تھا۔ اِدھر طارق بن زیاد اپنے حملہ آور دستوں کے ساتھ سب سے آگے تھا۔ تھیوڈومیر نے اپنے ایک ہزار گھوڑ سوار پیادوں کے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔

دونوں طرف کے دستوں کا تصادم ہوا۔ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ اُن کے لیے یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ واپسی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جہاز جلا دیئے گئے تھے۔ ان کے سپہ سالار

طارق بن زیاد کے خطاب نے ان میں نئی روح پھونک دی تھی۔ طارق نے ان دو تین دستوں پر حملہ بڑا ہی شدید کیا تھا کچھ ہی دیر بعد طارق پیچھے ہٹنے لگا۔ اُس کے ماتحت کمانداروں نے بھی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

"انہیں زندہ نہ جانے دینا"— لڑائی کے قیامت خیز ہنگامے میں تھیوڈومیر کی للکار سنائی دی — "یہ بھاگ رہے ہیں۔ بھاگ کے نہ جائیں۔ ہر ایک کو کاٹ دو..... ان کے پیچھے جاؤ"

طارق بن زیاد نے اپنے دستوں کو اور تیزی سے پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ اسی تیزی سے دشمن کے دستے پسپا ہوتے ہوئے مسلمانوں کے پیچھے آئے۔ طارق نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ درمیان والے حصے کو اس نے اپنی کمان میں رکھا تھا۔ اسی سے اُس نے حملہ کیا تھا اور ان دستوں کے ساتھ وہ پسپا ہو رہا تھا۔ پسپائی تیز ہو گئی۔ نعرے خاموش ہو گئے اور مسلمان ایسی جگہ آ گئے جہاں گھنے درختوں کی بہتات تھی اور ایک طرف لمبی ٹیکری تھی۔

اُندلس کے دستے جب ان درختوں کے نیچے آئے تو ہر درخت کی گھنی شاخوں سے ان پر تیروں کا مینہ برس پڑا۔ مسلمان تیرانداز ٹیکری پر بھی چھپے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے بھی دشمن پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اُندلس کے ان دستوں میں پیادوں کے ساتھ گھوڑسوار بھی تھے۔ تیرانداز بہت قریب سے تیر چلا رہے تھے، اس لیے کوئی تیر ضائع نہیں ہو رہا تھا اور تیر جسم میں دُور اندر تک چلا جاتا تھا۔

یہی وہ خصوصی ہدایات تھیں جو طارق نے اُندلس کی فوج کی آمد سے پہلے تیراندازوں کے کمانداروں کو دی تھیں۔ دشمن کے آنے سے پہلے ہی تیراندازوں کو درختوں اور ٹیکری پر چڑھا دیا گیا تھا اور طارق کی پسپائی کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو تیراندازوں کے جال میں لایا جائے۔ یہ چال کامیاب رہی۔

"اعلان کر دو کہ دشمن کے گھوڑوں کو تیر نہ لگیں"— طارق بن زیاد نے حکم دیا — "ہمیں گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ دشمن کا کوئی سوار زندہ نہ جائے"

بڑی بلند آواز سے یہ اعلان ہونے لگے۔

تھیوڈومیر اپنے ان پیادہ اور سوار دستوں کا انجام دیکھ رہا تھا۔ اُس کے پاس ابھی بہت فوج تھی۔ اِدھر مسلمانوں کی فوج کے دو حصے، ایک دائیں دوسرا بائیں، کھڑے تھے۔ تھیوڈومیر نے ایک ہی بار ان دونوں حصوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ طارق کی پہلے سے دی ہوئی ہدایات کے مطابق یہ دونوں حصے اور زیادہ دائیں اور بائیں چلے گئے تاکہ دشمن کی فوج زیادہ بکھر جائے۔

بربر مسلمان بڑے خونخوار جنگجو تھے۔ لڑنا، مرنا اور مارنا اُن کا مشغلہ تھا۔ اسلام نے انہیں لڑنے کا نیا ہی جذبہ اور ایک مقصد دے دیا تھا۔ اب تو اُن کے لڑنے کے انداز ہی کچھ اور تھے

پہلے وہ اپنے اپنے قبیلے کے نام پر لڑا کرتے تھے۔ خود عیسائی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُندلس کی فوج میں لڑنے کا وہ جذبہ نہیں تھا جو مسلمانوں میں تھا۔ اُندلس کے فوجی اپنے آپ کو بادشاہ کے ملازم سمجھتے اور تنخواہ کے لیے لڑتے اور تنخواہ کے لیے زندہ رہنا چاہتے تھے۔ بڑے پادری بھی شاہی خاندان کے افراد، امراء اور وزراء کی طرح عیش و عشرت میں زندگی گزارتے تھے۔ اُندلس میں یہودی خاصی تعداد میں آباد تھے لیکن عیسائیوں نے انہیں غلام بنا رکھا تھا۔ یہودیوں کی لڑکیوں کی عزت بھی محفوظ نہیں تھی۔ کوئی نوجوان اور خوبصورت یہودی لڑکی نظر آتی، پادری کے حکم سے اُسے گرجے کی ملکیت میں دے دیا جاتا۔ بتایا یہ جاتا کہ اس لڑکی کو نن بنایا جائے گا لیکن اُسے پادری اپنی کنیز بنا لیتا تھا۔

اوپر کے طبقے اور مذہبی پیشواؤں کے اس کردار کے اثرات فوج میں بھی پائے جاتے تھے۔ ملاحوں اور ماہی گیروں نے سالار مغیث الرومی کو بتایا تھا کہ ان کے ملک کے فوجی کسی خوبصورت لڑکی کو دیکھتے ہیں تو زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے اُندلس کے لشکر کا حملہ جذبے اور اپنی روایات کے مطابق روکا۔ وہ تعداد میں قلیل تھے لیکن لڑنے کے جذبے سے سرشار تھے۔ تھیوڈومیر کو توقع تھی کہ اس کی اتنی زیادہ فوج ان قلیل تعداد مسلمانوں کو کاٹ کر پرے پھینک دے گی لیکن اُس پر عقب سے قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس کا بندوبست طارق نے پہلے کر رکھا تھا۔

بندوبست یہ تھا کہ طارق نے سوار دستے کو دشمن کے پہلو میں کھڑی ٹیکریوں کے اندر چھپا دیا تھا۔ اب جن دستوں کو اس نے حملے اور سوچی سمجھی پسپائی میں استعمال کیا تھا انہیں وہ ذرا دُور کا چکر کاٹ کر ٹیکریوں کی اوٹ میں سوار دستے کے پاس لے گیا۔ سوار دستے میں صرف تین سو سوار تھے۔ طارق نے سوار اور پیادہ دستوں کو حکم دیا کہ ٹیکریوں کی اوٹ میں انتہائی تیزی سے آگے نکل جائیں اور اُندلس کی فوج پر عقب سے حملہ کریں۔

تھیوڈومیر کے لیے طارق کی یہ چال غیر متوقع تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کا عقب محفوظ ہے۔ طارق نے عقب سے حملے کی قیادت خود کی تھی۔ اُس کے دونوں سالار —— مغیث الرومی اور ابوزرعہ طریف —— سامنے سے اُندلسی فوج سے برسرِ پیکار تھے اور طارق کے عقبی حملے کے منتظر۔

طارق تین سو گھوڑسواروں اور لگ بھگ دو ہزار پیادوں کے ساتھ عقب سے اُندلسیوں پر جھپٹا تو پیشتر اس کے کہ ان کے جرنیل تھیوڈومیر کو پتہ چلتا کہ اس کی فوج پر پیچھے سے کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے، اُس کے کم و بیش دو ہزار آدمی کٹ چکے تھے اور ان میں سے جو مرے نہیں تھے، وہ ہولناک اور کربناک چیخوں سے اپنی فوج پر دہشت طاری کر رہے تھے۔

اُندلسی فوج میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ مغیث الرومی اور ابوزرعہ طریف نے طارق کے پہلے سے بنائے ہوئے پلان کے مطابق اپنے دستوں کو اور محفوظہ کے دستوں کو بھی اُندلسی فوج پر پہلے سے زیادہ شدت سے چڑھا دیا۔ اُندلسی سواروں کے گھوڑوں نے اپنی فوج کے لیے

الگ مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا۔ طارق نے حکم دیا تھا کہ دشمن کے گھوڑوں کو زخمی نہیں کرنا۔ گھوڑوں کو اپنی ضرورت کے لیے صحیح وسلامت پکڑنا تھا۔ گھوڑوں کے سوار زخمی ہو ہو کر گرتے تھے تو گھوڑے بے لگام ہو کر ادھر اُدھر بھاگتے دوڑتے اور اپنی فوج کو روندتے پھرتے تھے۔ طارق کے تیر اندازوں نے اُندلسیوں کے لیے اپنی ہی مصیبت کھڑی کر رکھی تھی۔ وہ درختوں سے اُترتے تھے اور قریبی درختوں پر چڑھتے تھے اور اوپر سے تیر چلاتے تھے۔

تھیوڈومیر اپنی فوج کی بھگدڑ میں پسپا جا رہا تھا۔ اُس کی ترتیب بکھر گئی تھی۔ اُس کے احکام کسی کو سنائی نہیں دے رہے تھے۔ اُس کی فوج نے فرد فرد ہو کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کی فوج کی آدھی نفری کٹ چکی تھی۔ کوئی زخمی گرتا تو پیادوں اور گھوڑوں کے قدموں تلے کچلا جاتا تھا۔

"مغیث!" — جولیَن نے مغیث الرومی سے کہا — "چند ایک جانباز نکالو جو تھیوڈومیر کو زندہ پکڑ لائیں۔"

"لڑائی کی صورت دیکھ رہے ہو" — مغیث نے کہا — "اِس حال میں اُس تک پہنچنا ممکن نہیں۔"

"مجھے پانچ چھ بربر دے دو" — اوپاس نے کہا۔

"میں تمہیں اپنے محافظ دستے کے چار محافظ دے دیتا ہوں" — مغیث الرومی نے اوپاس سے کہا۔

وِٹیزا کا بھائی اوپاس چار آدمی جو گھوڑسوار تھے، ساتھ لے کر چل پڑا۔

"تھیوڈومیر!" — اُدھر تھیوڈومیر کا ایک نائب اُسے کہہ رہا تھا — "کیا تم دشمن کے ہاتھوں مرنے کی تیاری کر رہے ہو؟ کیا رہ گیا ہے ہمارے لیے!"

"کیا تم مجھے یہاں سے نکل بھاگنے کا مشورہ دے رہے ہو؟" — تھیوڈومیر نے نائب سے پوچھا۔

"جھنڈا لپیٹو اور نکلو" — نائب نے کہا — "آدھی فوج کٹ گئی ہے باقی بھاگ رہی ہے۔"

تھیوڈومیر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں کا قہر اور غضب بھی دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے سے دُگنی فوج پر دہشت طاری کی پھر اس فوج کو کاٹنا شروع کر دیا۔ خود تھیوڈومیر پر خوف طاری تھا۔ اُس کی نجات کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ بھاگ نکلے۔ اُس نے اِس صورتِ حال کو قبول کر لیا اور اپنے پرچم بردار سے کہا کہ وہ پرچم لپیٹ کر نیچے کر لے۔ لہراتا ہُوا پرچم اُس کی نشاندہی کر رہا تھا۔

پرچم غائب ہوتے ہی تھیوڈومیر کی باقی ماندہ فوج کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ میں لاشیں رہ گئیں، کراہتے ہُوئے زخمی رہ گئے جن میں سے بعض اُٹھنے اور چلنے کی کوشش کرتے، گرتے اور اپنے جسموں کو گھسیٹتے تھے۔ اُندلسیوں کے گھوڑے اس بھیانک منظر سے بے نیاز اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے یا چر چُگ رہے تھے۔

"گھوڑوں کو پکڑ لو" — طارق بن زیاد نے کہا — "اور مالِ غنیمت اکٹھا کر لو۔"
تھیوڈومیر، اُندلس کا منجھا ہُوا جرنیل فرار ہو چکا تھا۔

ن

کچھ دنوں بعد شاہِ اُندلس راڈرک اپنے جرنیل تھیوڈومیر کا پیغام پڑھ کر غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔ وہ اُس وقت اپنے دارالحکومت طلیطلہ میں نہیں تھا۔ وہ طلیطلہ سے کئی دنوں کی مسافت دُور ایک شہر پمپلونہ میں تھا۔ اس علاقے میں جرمنی کے کچھ لوگ آباد تھے اُنہوں نے اُندلس کے لوگوں پر اپنا اثر و رسوخ پیدا کر کے بغاوت کرا دی تھی جو بڑی سنگین صورت اختیار کر گئی تھی۔ مؤرخوں نے راڈرک کو جہاں عیش و عشرت اور بدی کو فروغ دینے والا بادشاہ لکھا ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں قوی سے قوی دشمن کے لیے آسمانی بجلی بن جانے والا جنگجو تھا۔ وہ اپنے شاہی وقار پر ذرا سی آنچ بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ باغیوں کے لیے وہ موت کا فرشتہ تھا۔ اُسے پمپلونہ کے علاقے میں بغاوت کی اطلاع ملی تو اپنے کسی جرنیل کو کچھ فوج دے کر وہاں بھیجنے کی بجائے وہ خود فوج لے کر وہاں چلا گیا۔

باغیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن راڈرک کے قہر و غضب کو برداشت نہ کر سکے۔ راڈرک نے اس معرکے میں زندہ رہنے والے باغیوں کو بھاگنے نہ دیا۔ ان کے لیڈر کو گرفتار کر لیا جو اُندلس کا باشندہ نہیں تھا۔ اس کے چند ایک ساتھی بھی پکڑے گئے اور اب صرف یہ باغی ہی نہیں بلکہ ان کے گھروں کی عورتوں پر بھی عتاب نازل ہو رہا تھا۔ باغیوں کو ایسی ظالمانہ اذیتیں دی جاتی تھیں جن سے وہ جینے کے قابل نہیں رہتے تھے لیکن وہ مرتے بھی نہیں تھے۔ راڈرک انہیں مار مار کر زندہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ جب بیہوش ہو جاتے تھے تو راڈرک کے حکم سے انہیں ایک میدان میں پھینک دیا جاتا تھا اور شہر کے لوگوں کو بلا کر میدان میں کھڑا کیا جاتا اور ایک آدمی اعلان کرتا:

"یہ باغی ہیں۔ غدار ہیں۔ یہ شہنشاہِ اُندلس کے قہر سے واقف نہیں تھے۔ ہر روز آ کر ان کا حال دیکھو اور عبرت حاصل کرو اور ڈرو شہنشاہِ اُندلس کے عتاب سے..... یہ باغی ہیں..... غدار ہیں۔"

ان کی عورتوں کے ساتھ تو بہت ہی شرمناک سلوک ہو رہا تھا۔ رات کو انہیں برہنہ کر کے راڈرک کے دربارِ عام میں ناچنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں کوڑے مارے جاتے تھے۔ راڈرک وہاں موجود ہوتا تھا۔ یہ دربارِ عام تھا اس لیے انتظامیہ اور فوج کے افسر بھی وہاں موجود ہوتے تھے۔ وہ ان عورتوں کے ساتھ شرمناک حرکتیں کرتے اور قہقہے لگاتے تھے۔ آخر شراب میں بدمست ہو کر یہ افسر عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔
ایک تاریخ نویس اُیلکارسے نے ایک نوخیز لڑکی ایستوریا کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

اُس کی عمر چودہ پندرہ برس تھی۔ وہ باغیوں کے لیڈر کی بیٹی تھی۔ اس کمسن لڑکی کو راڈرک نے اپنے لیے رکھ لیا تھا اور اس کے ساتھ وہ وحشیوں جیسا سلوک کر رہا تھا۔ پمپلونہ میں جہاں وہ رہائش پذیر تھا وہاں سے اکثر اس لڑکی کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ راڈرک باغی لیڈر سے انتہائی ظالمانہ طریقے سے انتقام لے رہا تھا۔

⁂

شام کے بعد کا وقت تھا۔ اُس رات بھی دربارِ عام کا ہنگامہ تھا۔ باغیوں کی عورتوں کو برہنہ حالت میں نچایا جا رہا تھا۔ کمسن الیستوریا کو راڈرک نے اپنے گھٹنوں پر بٹھا رکھا تھا۔ شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اتنے میں راڈرک کو اطلاع دی گئی کہ طلیطلہ سے تھیوڈومیر کا قاصد آیا ہے اور فوراً ملنا چاہتا ہے۔

راڈرک کے اشارے پر قاصد کو اندر بلا کر اُس کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ قاصد نے تحریری پیغام اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس نے پیغام اپنے ایک مشیر کو دے کر کہا کہ اُسے پیغام پڑھ کر سنایا جائے۔ اُس نے تالی بجائی۔ دربار میں ایسی خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔

"شہنشاہِ اُندلس کی خدمت میں سلام و آداب.... شہنشاہ کے اس غلام نے شاہی خاندان کی آن اور ملک کے وقار کی خاطر ہر لڑائی اپنی جان کی بازی لگا کر لڑی اور جیتی ہے" —— مشیر پیغام بلند آواز سے پڑھنے لگا —— "جہاں کہیں باغیوں نے سر اُٹھایا، شاہی خاندان کا یہ غلام موت کا فرشتہ بن کر پہنچا اور باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کوئی بتا دے کہ تھیوڈومیر نے کون سا میدان ہارا ہے مگر یہ کوئی جن اور بھوت تھے جنہوں نے میری آدھی سے زیادہ فوج ہلاک کر ڈالی اور باقی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔"

"کیا تم صحیح پڑھ رہے ہو؟" —— راڈرک نے اپنے گھٹنوں پر بٹھائی لڑکی کو دھکا دے کر پوچھا —— "آدھی فوج ماری گئی، باقی بھاگ گئی؟.... کہاں؟.... کیا لکھتا ہے وہ جن اور بھوت تھے؟ فوراً پڑھو۔"

"وہ چار جہازوں میں آئے اور جہازوں سے اُتر کر انہوں نے جہازوں کو آگ لگا دی" —— مشیر پیغام پڑھنے لگا —— "مجھے فوراً اطلاع مل گئی۔ میں اپنی ساری فوج لے کر پہنچ گیا۔ اُن کی تعداد میری فوج سے آدھی تھی۔ میں نے ان سب کو کاٹ دینا تھا لیکن وہ ایسے طریقے سے لڑے کہ میری فوج پر دہشت طاری ہو گئی۔ درختوں سے تیر، چٹانوں سے تیر، کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔ ان کا ایک بھی گھوڑ سوار نظر نہیں آ رہا تھا لیکن ہمارے عقب سے نہ جانے گھوڑے کہاں سے آ گئے۔ ان کے سواروں نے میری فوج پر ایسا حملہ کیا کہ سنبھل کر پیچھے مُڑنے کی مہلت ہی نہ دی...."

اس پیغام میں تھیوڈومیر نے لڑائی اور اپنی فوج کی تباہی کی تفصیل لکھی اور آخر میں اُس

نے یہ الفاظ لکھے جو تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں ــــ "معلوم نہیں ہو سکا یہ کون لوگ ہیں نہ یہ پتہ کہ آئے کہاں سے ہیں۔ جہاں سے بھی آئے ہیں اور جو کوئی بھی ہیں، بڑے ہی خونخوار اور دہشت ناک ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ لٹیروں کا لشکر ہو اور لوٹ مار کر کے واپس چلا جائے لیکن انہیں یہیں پر ختم کرنا ضروری ہے۔ میری فوج پندرہ ہزار تھی اور اُن کی تعداد مجھ سے آدھی تھی۔ اب مجھے اس سے زیادہ فوج کی ضرورت ہے.... آخری اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہمارا باجگزار، والی سیوستہ جولین اور وٹیزا کا بھائی اس عجیب و غریب لشکر کے ساتھ تھے۔"

"جولین؟" ــــ راڈرک نے حیرت زدہ ہو کر گرج کر کہا ــــ "اوپاس؟ انہیں موت یہاں لے آئی ہے.... میں سمجھ گیا" ــــ وہ غصے کے عالم میں اِدھر اُدھر لمبے ڈگ بھرتا ٹہلنے لگا ــــ "تھیوڈمیر بزدل نکلا۔ میں اسے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دوں گا۔ اسے یہ بھی دیکھنے کا ہوش نہیں رہا کہ حملہ آور ہیں کون.... جولین اور اوپاس مجھ سے انتقام لینے آئے ہیں۔ اپنی فوج کے ساتھ وہ بربروں کا لشکر لے آئے ہوں گے.... میں تھیوڈمیر کو فوج نہیں دوں گا۔ خود جاؤں گا۔ جولین کی بیٹی فلورنڈا کو اپنے محل میں لے آؤں گا۔ ان بدبختوں کو معلوم نہیں کہ میں غدّاری کی کیا سزا دیا کرتا ہوں۔"

راڈرک اچانک چُپ ہو گیا اور اُس نے باغیوں کی برہنہ عورتوں کی طرف دیکھا۔

"کل صبح باغیوں کو میدان میں چھوڑ کر ان پر گھوڑے دوڑا دو" ــــ راڈرک نے حکم دیا ــــ کچل کچل کر مار ڈالو اور ان عورتوں کو رکھ لو.... یہ لڑکی یہاں کے گرجے کے پادری کے حوالے کر دو۔"

تمام عورتوں نے آہ و زاری شروع کر دی۔ دو تین عورتیں راڈرک کے قدموں میں جا گریں۔

"تم نے ہمیں بہت سزا دے لی ہے" ــــ ایک عورت نے روتے ہوئے کہا ــــ "اب معاف کر دو۔"

"میرے باپ کے جرم کی سزا مجھے کیوں دے رہے ہو بادشاہ سلامت!" ــــ ایک جواں سال لڑکی نے التجا کی ــــ "مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ میرا باپ درپردہ کیا کر رہا ہے۔"

"مجھے گھوڑوں تلے کچل دو" ــــ ایک اور عورت نے کہا ــــ "میرے بھائی کو چھوڑ دو۔"

راڈرک نے تینوں کو ٹھڈے مار مار کر وہاں سے ہٹا دیا۔

"او ظلم کر اُندلس کے بادشاہ!" ــــ کمسن استوریا نے چلّا کر کہا ــــ "ہمارے آدمیوں پر گھوڑے دوڑا لے۔ ایک مجبور لڑکی کی آہ سُن لے۔ تیری بادشاہی پر بھی گھوڑے دوڑیں گے۔ تیرا نام و نشان نہیں ملے گا۔ تیرے اور تیری بادشاہی کے دن گنے جا چکے ہیں۔"

"شاباش!" ــــ راڈرک نے خوشی کے لہجے میں کہا ــــ "میں تعریف کرتا ہوں تیری جرأت کی کہ تُو اتنے بڑے ملک کے بادشاہ سے ڈری نہیں.... یہاں آ لڑکی! میں تجھے انعام دُوں گا۔"

لڑکی اُس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"منہ سب کی طرف کر لے" ــــ راڈرک نے کہا ــــ "سب دیکھ لیں کہ یہ لڑکی کتنی

دلیر ہے۔"

لڑکی نے راڈرک کی طرف پیٹھ کرلی۔ درباری اُسے دیکھ رہے تھے۔ راڈرک کی تلوار اُس کی شاہانہ کرسی کے ساتھ رکھی تھی۔ اُس نے لپک کر تلوار نیام سے نکالی اور لڑکی کی گردن پر پیچھے سے ایسا بھرپور وار کیا کہ لڑکی کا سر کٹ کر گرا پھر اُس کا دھڑ گرا جو کچھ دیر تڑپ کر ساکت ہوگیا۔

اگلی صبح باغیوں کو میدان میں لے جاکر ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ ایک طرف پچاس ساٹھ گھوڑسوار کھڑے تھے۔ اشارہ ملتے ہی گھوڑے باغیوں کی طرف دوڑے۔ باغی ان سے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ سواروں نے گھوڑے موڑ موڑ کر ان سب باغیوں کو کچل ڈالا۔

۶

اِدھر شمالی افریقہ کے دارالامارت قیروان میں امیرِ مصر و افریقہ موسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد کا پیغام پڑھ کر اپنے پاس بیٹھے ہوئے اہم آدمیوں کو سنا رہا تھا۔

"....الحمد للہ، ہم نے اپنے سے دُگنے دشمن پر پہلی فتح حاصل کرلی ہے۔ ہمارے تین سو گھوڑسواروں کے مقابلے میں ایک ہزار گھوڑسوار تھے۔ اُندلس کے ہر سپاہی کے سر پر آہنی خود تھا۔ ان کے ہتھیار ہمارے ہتھیاروں سے بہتر تھے۔ اللہ نے مجھے فتح کے حصول کے طور طریقے بتائے۔ میں نے اللہ عزوجل سے روشنی لی۔ تیراندازوں کو درختوں اور چٹانوں پر اور گھوڑسواروں کو چٹانوں کے پیچھے چھپایا پھر دشمن کو پسپائی کا دھوکہ دے کر اُسے آگے کو گھسیٹا۔ وہ تیراندازوں کی زد میں آگیا تو اُس پر تیر برسنے لگے اُندلس کے لشکر میں افراتفری مچی تو میرے چھپے ہوئے گھوڑسواروں نے اُس پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس طرح اللہ کے سات ہزار نام لیوا پندرہ ہزار کفار پر غالب آئے....

"میں پیغام لکھوا رہا ہوں اور جو میں دیکھ رہا ہوں وہ امیرِ محترم کے دیکھنے کا منظر تھا اور یہ منظر خلیفۃ المسلمین کے دیکھنے کا تھا۔ دشمن کی لاشیں اتنی زیادہ ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ جنگی قیدیوں سے لاشیں اٹھوا رہا ہوں۔ انہیں سمندر میں پھینک رہے ہیں۔ جہاں کہیں گڑھا دیکھا وہاں لاشیں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی مگر گڑھے ختم ہوگئے ہیں لاشیں ختم نہیں ہوئیں۔ باقی لاشیں سمندر میں جارہی ہیں۔ چھ سو گھوڑے ہاتھ آئے ہیں۔ مرے ہوئے دشمن کے ہتھیاروں کے انبار لگ گئے ہیں....

"اب ضرورت مزید کمک کی ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اُندلس کی فوج بہت زیادہ ہے اور آگے قلعہ بند شہر ہیں۔ میں کمک کا انتظار کرکے آگے بڑھوں گا۔ میری کامیابی کے لیے دعا کریں۔ ہم اگر شکست کھا گئے تو واپس نہیں آئیں گے۔ واپس آنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں رہا۔ ہم جن چار جہازوں پر آئے تھے، انہیں میں نے جلا دیا ہے۔"

"آفرین!" — موسیٰ بن نصیر نے بے ساختہ کہا — "اس شخص کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔"

موسیٰ بن نصیر نے اُسی وقت ایک پیغام خلیفہ ولید بن عبدالملک کے نام لکھوایا۔ اس میں طارق بن زیاد کی پہلی کامیابی کی تفصیل لکھی اور کمک بھی مانگی۔

۞

پمپلونہ میں راڈرک نے حکم جاری کیا کہ یہاں سے طلیطلہ تک منادی کرا دی جائے کہ باہر کی ایک غیر قوم اُندلس میں داخل ہوگئی ہے جو اتنی زبردست اور خونخوار ہے کہ اُس نے اپنے مقابلے میں دُگنی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ راڈرک نے اپنے حکم میں کہا کہ لوگوں کو ان حملہ آوروں سے ڈرایا جائے اور کہا جائے کہ یہ لٹیروں کا لشکر ہے جو تمہارے مال و متاع اور تمہاری بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا اور تمہیں قتل اور تمہاری املاک کو نذرِ آتش کر جائے گا۔

سرکاری اہلکاروں نے اُسی وقت گھوڑے دوڑا دیئے۔ وہ ہر گاؤں اور ہر قصبے کے اہلکاروں تک پیغام پہنچاتے طلیطلہ تک پہنچ گئے پھر ہر بستی اور ہر گرجے میں اعلان ہونے لگے:

"کسی ملک سے سمندر کی طرف سے لٹیروں اور قاتلوں کا بہت بڑا لشکر ہمارے ملک میں داخل ہوگیا ہے۔ اُس نے ہماری بہت بڑی فوج کو تباہ کر دیا ہے اور طوفان کی طرح آگے ہی آگے بڑھتا آرہا ہے۔ اس کے آدمی گھروں میں داخل ہو کر ہر قیمتی چیز، نقدی اور زیورات اُٹھا لیتے اور جوان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ قتل و غارت کرتے اور گھروں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ عبادت گاہوں کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ معصوم بچّوں کو برچھیوں کی اَنیوں میں پرو کر قہقہے لگاتے اور ناچتے ہیں....

"شہنشاہِ اُندلس اپنی فوج لے کر اس خوفناک لشکر کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ شہنشاہ راڈرک نے کہا ہے کہ ہر وہ آدمی جو تیر اندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی کر سکتا ہے فوج میں شامل ہو جائے۔ ہر اُس آدمی کو جو فوج میں شامل ہوگا، تنخواہ ملے گی اور ڈاکوؤں کے اس لشکر سے چھینے ہوتے خزانے سے حصہ ملے گا۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری جانیں، تمہارے گھر، تمہارے مال اور تمہاری لڑکیاں محفوظ ہو جائیں گی....

"لوگو! تیار ہو جاؤ۔ ہتھیار اور گھوڑے سنبھالو اور اپنی عزتیں اور اپنے مال و متاع کو لُٹنے سے بچاؤ۔ اگر نہیں تو آج ہی اپنے بال بچّوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں بھاگ جاؤ اور کمزور جانوروں کی طرح چھُپ چھُپ کر دن گزارو اور جب واپس آؤ گے تو تمہیں اپنے مکانوں کے جلے ہُوئے کھنڈر ملیں گے۔"

جوان اور ادھیڑ عمر آدمی جوش و خروش سے اس غیر ملکی لشکر کے مقابلے کے لیے تیّار ہونے لگے۔ انہیں بتایا گیا کہ شہنشاہِ راڈرک فلاں راستے سے پمپلونہ سے طلیطلہ جا رہا ہے اور فوج میں شامل ہونے والے لوگ اس راستے پر شہنشاہ کی فوج کا انتظار کریں۔

۞

کچھ عبادت گاہیں ایسی تھیں جن میں یہ اعلان نہیں ہو رہے تھے۔ یہ یہودیوں کی عبادت گاہیں

تھیں۔ ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اُندلس میں یہودی سب سے زیادہ مظلوم تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت یہودیوں کے قبضے میں تھی لیکن روپیہ پیسہ ان کے قبضے میں نہیں تھا۔ ان سے اتنے زیادہ ٹیکس اور دیگر محصولات وصول کیے جاتے تھے کہ ان کے پاس صرف پیٹ بھرنے کے لیے چند ٹکے رہ جاتے تھے۔ یہودیوں کو اچھوتوں جیسی حیثیت حاصل تھی۔

جب اُندلس کا تخت و تاج وٹیزا کو ملا تو اُس نے یہودیوں کو عیسائیوں کے برابر درجہ دے کر ٹیکس کم کر دیئے۔ اُس نے یہ ظالمانہ سلسلہ بھی حکماً بند کر دیا کہ یہودیوں کی خوبصورت لڑکیوں کو جبراً پکڑ کر گرجوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ صرف یہودیوں کا ہی نہیں، وٹیزا نے عوام کا بھی معیارِ زندگی بلند کر دیا تھا۔ یہی حکمتِ عملی اور انسان دوستی وٹیزا کے زوال کا باعث بنی۔ راڈرک نے اُس کے خلاف بغاوت کرا دی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اُس نے اُندلس کا تاج اپنے سر پر رکھتے ہی وٹیزا کو قتل کرا دیا۔

اب جب گرجوں میں، شہروں کے چوکوں میں، بستی بستی، قریہ قریہ اعلان ہو رہے تھے کہ غیرملکی حملہ آوروں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے لوگ فوج میں شامل ہو جائیں، یہودیوں کی عبادت گاہوں میں کچھ اور کھُسر پھُسر ہو رہی تھی۔ ایک روز یہودیوں کے پانچ چھ لیڈر ایک عبادت گاہ میں اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے کہ یہودیوں کو کس طرح فوج میں شامل ہونے سے روکا جائے۔ وہ کسی قیمت پر راڈرک کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔

"راڈرک کی فوج میں شامل نہ ہونا ہی ایک مسئلہ نہیں" —— یہودیوں کے ایک مذہبی پیشوا نے [کہا] —— "غور اس مسئلے پر کریں کہ راڈرک کو ہم نقصان کس طرح پہنچا سکتے ہیں"۔

"فوج میں پہلے سے یہودی موجود ہیں" —— دوسرے مذہبی پیشوا نے کہا —— "انہیں فوج سے نکالا کس طرح جائے؟ اس پر غور کریں"۔

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں" —— ایک اور بولا —— "ان یہودیوں کو فوج میں ہی رہنے دیا [جا]ئے اور انہیں راڈرک کی فوج کے خلاف استعمال کیا جائے"۔

"کیا یہ معلوم ہو گیا ہے کہ حملہ آور کون ہیں؟" —— ان مذہبی پیشواؤں میں سے کسی نے پوچھا۔

"یہ کسی کو بھی معلوم نہیں" —— ایک نے جواب دیا۔

"اگر یہ معلوم ہو جائے تو میں اُن سے مل کر بڑی اچھی سازش تیار کر سکتا ہوں" —— [حملہ آو]روں کے متعلق پوچھنے والے نے کہا۔

یہودیوں کا ذہن شروع سے ہی سازش پسند رہا ہے۔ زمین کے نیچے سے وار کرنا ان [کا ا]یسا کمال ہے جو کسی اور قوم کو حاصل نہیں ہُوا۔ ان مذہبی پیشواؤں نے جنہیں ربّی کہا جاتا تھا، یہ فیص[لہ ک]ر لیا کہ تمام یہودی گھروں میں یہ اطلاع پہنچا دی جائے کہ کوئی یہودی راڈرک کی فوج میں شا[مل] نہیں ہو گا۔

مُیرینا ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ جوانی ڈھل گئی تھی لیکن اس کے دراز قد اور چہرے کے نقش و نگار میں ابھی جاذبیت اور کشش باقی تھی۔ اُس کی آنکھوں کا سحر اب بھی دیکھنے والوں کو مسحور کر لیتا تھا۔ وہ کوئی عام سی یا کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اُس کا شمار شاہی محل کی بیگمات میں ہوتا تھا۔ وہ راڈرک کی بیوی نہیں داشتہ تھی اور یہ واحد داشتہ تھی جو ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود ابھی محل میں موجود تھی۔ محل میں جو داشتہ تیس سال کے قریب پہنچ جاتی تھی، اُسے غائب کر دیا جاتا یا انعام کے طور پر فوج کے کسی اعلیٰ افسر کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

میرینا یہودن تھی۔ یہودیوں کی فطرت کے عین مطابق اس کا ذہن بھی سازشی تھا۔ ایک تو وہ عورت تھی اور عورت بھی حسین و جمیل اور اس کے ساتھ ذہنیت اور ذہانت یہودی۔ ان اوصاف اور خصائل کی بدولت اُس نے محل میں خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ وہ شاہی حرم کی ملکہ بنی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھوں اور زبان میں جادو تھا جس سے راڈرک بھی نہیں بچ سکا تھا۔

اُس زمانے میں اُندلس کے دارالحکومت طلیطلہ میں شاہی محل سے ڈیڑھ ایک میل دُور ایک جھیل ہُوا کرتی تھی جس کے ارد گرد گھنے درخت تھے اور ایک طرف ایک ٹیکری تھی جو درختوں اور ہری بھری جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس جھیل کے قریب کسی مرد کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ اسے شاہی محل کی عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شام کے وقت عورتیں وہاں تیراکی اور ناچنے کودنے کے لیے جایا کرتی تھیں۔

ایک شام جب سورج لبِ بام تھا، جھیل پر پچیس تیس عورتیں جھیل میں کودتی، تیرتی، ایک دوسری کے پیچھے بھاگتی اور قہقہے لگا رہی تھیں۔ ان میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں اور جوان عورتیں بھی۔ یہی وہاں کا معمول تھا۔ اس معمول کی نگران مُیرینا ہُوا کرتی تھی۔ اُس شام بھی مُیرینا وھاں موجود نگرانی کر رہی تھی۔

جھیل سے کچھ دُور درختوں کی اوٹ میں ان عورتوں کی بگھیاں کھڑی تھیں جن کے کوچوان مرد تھے۔ ان میں سے کسی نے دیکھا کہ ایک آدمی ان حدود کے اندر آ گیا ہے جن کے قریب آنے کی بھی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ کوچوانوں نے اُسے اشارے کیے کہ وہ آگے نہ آئے اور پرے چلا جائے لیکن وہ آگے ہی آگے بڑھتا آیا۔ کوچوان اُسے روکنے کے لیے اُٹھے تو اُس نے راستہ بدل لیا لیکن اُس کا رُخ جھیل کی طرف تھا۔ اُس تک پہنچتے پہنچتے وہ جھیل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ کوچوانوں نے اُسے دوڑ کر پکڑ لیا۔ اُس نے اپنے منہ اور سر پر چادر لپیٹی ہُوئی تھی۔ صرف آنکھیں ننگی تھیں۔ اُس نے لمبا چغہ پہن رکھا تھا جو پاؤں تک چلا گیا تھا۔ یہ پوری کا بنا ہُوا تھا۔ اُسے کوچوانوں نے پکڑا تو اُس نے چیخنا اور چلّانا شروع کر دیا۔

جھیل میں تیرتی اور اُچھل کود کرتی عورتوں نے ایسی چیخیں سنیں جو کسی جانور کی تکلیف کے وقت کی آوازوں سے ملتی جُلتی تھیں۔ عورتوں نے ان چیخوں کو نظر انداز کر دیا۔ صرف مُیرینا کی توجہ اُس طرف رہی کیونکہ اُسے کچھ آدمیوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ان عورتوں کی نگران تھی۔ اُس نے کپڑے پہنے اور اُس طرف چلی گئی جدھر سے آوازیں سنائی

دے رہی تھیں۔

اُس نے دیکھا کہ کوچوان پاگل سے ایک آدمی کو گھسیٹ اور دھکیل رہے ہیں اور وہ عجیب طرح سے چیخ رہا ہے۔ وہ کوئی پاگل ہی ہو سکتا تھا جو اس ممنوعہ علاقے میں آ گیا تھا۔ اُس نے مُیرینا کی طرف دیکھا تو قہقہہ لگایا۔

"وہ آ گئی ملکہ!"— اُس نے بلند آواز سے کہا۔

وہ اُس کی طرف دوڑ پڑا۔ کوچوان اُس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ اتنا تیز نکلا کہ مُیرینا تک پہنچ گیا اور اُس کے قدموں میں سجدے میں گر پڑا۔ میرینا ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مُیرینا!"— اُس نے سر اٹھا کر کہا— "میں اوپاس ہوں۔ تمھارے لیے آیا ہوں۔"

کوچوان آ چکے تھے اور اسے پکڑ کر گھسیٹنے لگے تھے۔

"رہنے دو اسے!"— میرینا نے کہا— "بے چارا پاگل ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ تم لوگ جاؤ۔"

"میں پاگل نہیں ملکہ!"— اوپاس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا— "فریادی ہوں۔ مظلوم ہوں۔"

۞

وہ اُس وٹیزا کا بھائی اوپاس تھا جس کے خلاف راڈرک نے بغاوت کرائی اور اُسے قتل کر کے خود تخت نشین ہو گیا تھا۔ اُس وقت اوپاس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ اوپاس کی قومیت گوتھ تھی۔ وٹیزا آخری گوتھ بادشاہ تھا۔ مُیرینا ایک یہودی تاجر کی بیٹی تھی۔ وٹیزا کے دورِ حکومت میں اس کی عمر سولہ سترہ سال تھی۔ اوپاس نے اُسے کہیں دیکھا اور دل دے بیٹھا لیکن میرینا اس کی محبت کو قبول کرنے سے ڈرتی تھی۔

"اس دھوکے کو محبت کیوں کہتے ہو؟"— میرینا نے اوپاس سے کہا تھا— "یہودی ہوتے ہوئے نہ جانے میں اب تک شاہی خاندان سے کیوں بچی ہوئی ہوں؟ تم اپنے غلاموں کو حکم دو۔ وہ مجھے زبردستی اٹھا کر تمھاری خواب گاہ میں پہنچا دیں گے۔ تم شہزادے ہو۔ بادشاہ کے بھائی ہو۔"

"کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم شاہی خاندان سے کیوں بچی ہوئی ہو؟"— اوپاس نے کہا تھا— "کیا تم نہیں جانتیں کہ میرے بھائی نے تخت نشین ہوتے ہی حکم جاری کر دیا تھا کہ یہودیوں کی لڑکیوں کو زبردستی کسی گرجے یا شاہی خاندان کے کسی فرد کے حوالے کرنا سنگین جرم ہے جس کی خلاف ورزی کرنے والے کو عبرت ناک سزا دی جائے گی.... میں تمھیں اس لیے شاہی محل میں نہیں لے جاؤں گا کہ میں بادشاہ کا بھائی ہوں اور تم رعایا ہو۔ میں تمھیں اُس روز محل میں لے جاؤں گا جس روز گرجے میں تمھارے ساتھ شادی کر لوں گا.... مجھے تم سے محبت ہے میرینا! میں تمھیں محل سے باہر کہیں دُور مِلا کروں گا۔"

میرینا کے دل میں بھی اوپاس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ محل سے باہر کہیں

ملتے ملاتے رہے۔ ایک روز اوپاس کے بھائی وٹینزا کو ان کی ملاقاتوں کا پتہ چل گیا۔

"کیا تمہارے دل سے یہ احساس نکل گیا ہے کہ تم شاہی خاندان کے فرد ہو؟" — وٹینزا نے اوپاس سے جواب طلبی کی — "یہ لڑکی کون ہے جسے تم عام آدمیوں کی طرح ملتے ملاتے ہو؟"

"یہودی ہے" — اوپاس نے جواب دیا — "ہمارا تعلق جسمانی نہیں۔ میں جب اسے ملتا ہوں تو میں بادشاہ کا بھائی نہیں ہوتا۔"

"تم صرف اُس لڑکی سے ملو گے جس کے ساتھ ہم تمہاری شادی کریں گے" — وٹینزا نے کہا — "اور تم جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے۔"

"میں اس لڑکی سے نہیں ملوں گا جس کے ساتھ آپ میری شادی کریں گے" — اوپاس نے کہا — "میں اس یہودی لڑکی کے ساتھ شادی کروں گا۔"

"پھر تم اس تخت و تاج سے محروم رہو گے" — وٹینزا نے کہا — "تم شاید بھول گئے ہو کہ میرے بعد اس تخت پر تم نے بیٹھنا ہے۔ تمہاری ملکہ گوتھ خاندان سے ہو گی۔ وہ رعایا میں سے نہیں ہو گی، وہ یہودی نہیں ہو گی۔"

"میں تخت اور تاج سے دستبردار ہو جاؤں گا" — اوپاس نے کہا — "مُیرینا سے بیوفائی نہیں کروں گا۔"

اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اوپاس کی تلخ کلامی ہوئی تھی۔ وٹینزا بڑا بھائی تھا اور بادشاہ بھی۔ اُس نے اپنی ان دونوں حیثیتوں میں اوپاس کو حکم دیا کہ وہ مُیرینا سے نہیں مل سکتا۔ اگر ملے گا تو اُسے قید میں ڈال دیا جائے گا۔ اوپاس نے اس دھمکی کی بھی پروا نہ کی اور بھائی کو آخری فیصلہ سنا دیا کہ وہ مُیرینا سے بیوفائی نہیں کرے گا۔

اوپاس کو دو چار دنوں بعد مُیرینا نے ایک ملاقات میں بتایا کہ وٹینزا کے ایک ایلچی نے اُس کے باپ کو کہا ہے کہ اپنی بیٹی کو شاہی خاندان کے کسی بھی آدمی سے نہ ملنے دے۔ اس حکم میں یہ بھی شامل تھا کہ میرینا کی شادی جلدی کر دی جائے۔

وٹینزا بادشاہ تھا۔ وہ اس یہودی لڑکی کو غائب کروا سکتا تھا لیکن وٹینزا رحمدل بادشاہ اور ہر انسان کو اس کے حقوق دینے کا قائل تھا۔ اُس نے اپنی فطرت کے خلاف کوئی کارروائی پسند نہ کی۔ میرینا کو اُس کے باپ نے گھر میں بند کر دیا لیکن اوپاس رات کو اُس کے گھر پہنچ جاتا۔ میرینا کی شادی ایک آدمی سے طے کر دی گئی لیکن اُس نے انکار کر دیا۔

وٹینزا نے میرینا پر تو کوئی سختی نہ کی نہ اُس کے باپ کو سرزنش کی، اس کی بجائے اُس نے اوپاس کو بڑی سخت سزائیں دیں لیکن اوپاس میرینا سے ملنے سے باز نہ آیا۔ ایک بار اوپاس اور مُیرینا بھاگ نکلے لیکن راستے میں ہی پکڑے گئے۔ وٹینزا نے اوپاس پر پہرہ کھڑا کر دیا۔ اس کے لیے حکم تھا کہ محل سے باہر نہیں جا سکتا۔

اوپاس اپنے بادشاہ بھائی کے لیے اور میرینا اپنے باپ کے لیے ایک ٹیڑھا مسئلہ بنے رہے۔ ان کی محبت کی داستان طلیطلہ میں مشہور ہو گئی اور دو سال گزر گئے۔ ایک

روز اچانک شاہی محل میں کھلبلی مچ گئی۔ اطلاع آئی تھی کہ فوج نے بغاوت کر دی ہے اور بغاوت کی قیادت فوج کا کمانڈر راڈرک کر رہا ہے۔

وٹیزا نے اپنے محافظ دستے کو اور طلیطلہ میں جو فوج تھی، اسے بھی ساتھ لیا اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے چلا گیا۔ وہ اس زعم میں گیا تھا کہ جاتے ہی باغیوں کا قلع قمع کر دے گا لیکن حالات اُس کے خلاف تھے۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اُس کے خلاف فوج میں اور گرجوں میں بھی پروپیگنڈہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ملک کا وفادار نہیں اور وہ کسی دوسرے ملک کے بادشاہ کے ساتھ ملک کا سودا کر رہا ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وٹیزا انسان دوست بادشاہ تھا اور اُس نے یہودیوں کو باعزت زندگی بسر کرنے کا حق دے دیا تھا۔ اس وجہ سے فوج کے افسر، جاگیردار، اُمرا اور وزرا۔ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ پادری تو اس کے اور ہی زیادہ خلاف ہو گئے تھے۔ پادریوں کو یہودیوں کی خوبصورت لڑکیاں ملا کرتی تھیں۔ وٹیزا نے یہ سلسلہ روک دیا تھا۔ جاگیردار اور مذہبی پیشوا جس کے خلاف ہو جائیں اُس کا اقتدار میں رہنا محال ہو جاتا ہے۔ وٹیزا کی بادشاہی ایسے ہی حالات کا شکار ہو گئی۔ وہ جو فوج طلیطلہ سے لے کر نکلا تھا، اسے وہ اپنی وفادار فوج سمجھتا تھا لیکن باغیوں کے سامنے جا کر یہ فوج دھوکا دے گئی اور باغیوں سے جا ملی۔

وٹیزا راڈرک کے ہاتھ لگا اور قتل ہو گیا۔ اُس کے خاندان کے کچھ افراد بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور سمندر پار سیوستہ پہنچ گئے جہاں جولین نے انہیں پناہ دی۔ جولین وٹیزا کا داماد تھا ورنہ انہیں یہاں بھی پناہ نہ ملتی کیونکہ جولین اُندلس کا باجگزار تھا۔

❖

کم و بیش بیس سال بعد اوپاس اور مُیرینا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مُیرینا کے کہنے پر کوچوان اپنی اپنی بگھیوں کے پاس چلے گئے اور مُیرینا اوپاس کو وہاں سے ٹیکری کی اوٹ میں لے گئی۔ ان کی ملاقات بہت ہی جذباتی تھی۔ کچھ دیر تو ان کے آنسو ایک دوسرے کو اپنا اپنا حالِ دل سناتے رہے۔ دونوں کے جسم تو جیسے ایک ہو گئے تھے۔

"تمہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں طلیطلہ میں موجود ہوں؟" — مُیرینا نے اوپاس سے پوچھا۔

"یہ تو کئی سالوں سے مجھے معلوم ہے" — اوپاس نے جواب دیا — "جولین کے آدمی یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مجھے بتایا کہ جس مُیرینا کی خاطر تم نے اپنے بھائی کو ناراض کیا اور تخت و تاج سے دستبردار ہو گئے تھے وہ مُیرینا راڈرک کے حرم میں ہے.... اس کے بعد بھی مجھے تمہارے متعلق پتہ چلتا رہا..... ہمیں یہاں زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں مُیرینا! یہ ہم دونوں کے لیے خطرناک ہے۔"

"ہاں اوپاس!" ـــــ فیرینا نے کہا ـــ "ہمیں جلدی ادھر اُدھر ہو جانا چاہیے۔ تم تجربہ کار جاسوس معلوم ہوتے ہو کہ تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ میں اس وقت جھیل پر ہوں گی"۔

"میں نہیں" ـــ اوپاس نے کہا ـــ "مجھے یہاں تجربہ کار جاسوس مل گئے ہیں۔ اپنی قوم کے دو گوتھ مل گئے تھے۔ ایک تو انہوں نے یہ بتایا کہ تم ابھی تک محل میں موجود ہو اور دوسری تیسری شام محل کی عورتوں کے ساتھ جھیل پر آنا تمہارا معمول ہے۔ میں پرسوں سے اس بھیس میں جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ آج میرے جاسوس نے مجھے بتایا کہ تم عورتوں کے ساتھ جھیل پر جا رہی ہو...... انتقام کا وقت آگیا ہے میرینا! میں نے راڈرک سے جو انتقام لینا ہے وہ تم جانتی ہو اور تم نے بھی تو اس بدطینت سے انتقام لینا ہے۔ اس نے تمہیں نوجوانی میں اپنی داشتہ بنا کر تمہاری زندگی برباد کر دی ہے۔ میں نے تو شادی کر لی تھی۔ بچے بھی ہیں"۔

"ہاں اوپاس!" ـــــ فیرینا نے آہ بھر کر کہا۔ "میں نے بھی انتقام لینا ہے۔ میں تمہاری نہیں تو کسی اور کی بھی بیوی نہ بن سکی۔ ماں نہ بن سکی۔ اس کی بجائے میں شیطان بن گئی۔ مجھ میں شیطانی خصلتیں پیدا ہو گئیں اور میں نے آدمیوں کو اور حرم کی عورتوں کو انگلیوں پر نچانا شروع کر دیا۔ محل کے لوگ افسر اور ملازم، امیر اور وزیر مجھے بے تاج ملکہ کہنے لگے...."

"بات لمبی ہو رہی ہے میرینا!" ـــ اوپاس نے کہا ـــ "تمہاری طرح اس وقت میں بھی جذبات سے مغلوب ہوا جا رہا ہوں۔ دل کہتا ہے کہ بیس سال پہلے کی باتیں کریں۔ زمانہ بیس سال پیچھے چلا جائے"۔

"اور میں تمہیں وہ خواب سناؤں جو تمہاری جدائی مجھے دکھاتی رہی ہے" ـــــ فیرینا نے کہا ـــــ "تمہیں دیکھ کر میرے جذبات بے قابو ہو گئے ہیں"۔

"اس وقت جذبات کو قابو میں رکھو فیرینا!" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "میں کہہ رہا تھا کہ انتقام کا وقت آگیا ہے"۔

"مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم حملہ آوروں کے ساتھ آئے ہو" ـــــ فیرینا نے کہا ـــــ "یہ کون ہیں؟"

"بربر!" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "بربر مسلمان" ـــــ اوپاس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کو جولین نے کس طرح حملے کے لیے تیار کیا تھا، پھر اُس نے کہا ـــ "اندلس کی فوج میں گوتھ بھی ہیں اور یہودی بھی۔ کیا تم یہ کام کر سکتی ہو کہ جب راڈرک اور مسلمانوں کی فوجیں آمنے سامنے آئیں تو گوتھ اور یہودی مسلمانوں سے جا ملیں؟"

"کر سکتی ہوں" ـــــ فیرینا نے کہا ـــــ "ایسا ہی ہوگا۔ اس معاملے میں زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں"۔

"اور کوئی خبر دے سکتی ہو؟"

"ہاں!" ـــــ میرینا نے جواب دیا ـــ "شاہ راڈرک پمپلونہ میں ہے اور فوج اکٹھی کر رہا ہے۔

لوگوں کو کہا جا رہا ہے کہ فوج میں شامل ہو جائیں... مسلمانوں کی فوج کی تعداد کتنی ہے؟"
"سات ہزار" ــــ اوپاس نے جواب دیا ــــ "اب کچھ کم ہیں۔ پہلی لڑائی میں کچھ مارے بھی گئے ہیں۔"
"اوہ!" ــــ میرینا نے کہا ــــ "یہ تو بہت کم تعداد ہے۔ مسلمان پٹ جائیں گے۔"
"اپنے جرنیل تھیوڈومیر سے پوچھنا" ــــ اوپاس نے مسکرا کر کہا ــــ "ان مسلمانوں کو لڑتا دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔ یہ لوگ کفر کے خلاف لڑنے کو جہاد کہتے ہیں جس کے معنی ہیں مقدس جنگ۔ مسلمان جہاد کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں اور اس عبادت میں اپنی جانیں دینے میں روحانی خوشی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ لوگ اندھا دھند جانیں نہیں دیتے۔ پہلے تو یہ اپنے دشمن کے لیے موت کے فرشتے بن جاتے ہیں چونکہ موت کا خوف ان کے دلوں میں ہوتا ہی نہیں اس لیے یہ نڈر ہو کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ ان کے جرنیل ایسی چالیں چلتے ہیں جو ان کا دشمن اس وقت سمجھتا ہے جب اس کی کمر ٹوٹ چکی ہوتی ہے میری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کی سات ہزار فوج نے تھیوڈومیر کی پندرہ ہزار فوج کا جو حال کیا ہے وہ تم سن چکی ہو گی۔"
"یہ سوچ لو اوپاس!" ــــ میرینا نے کہا ــــ "راڈرک جو فوج اکٹھی کر رہا ہے وہ ایک لاکھ سے کم نہیں ہو گی۔"
"یہ سوچ ہم تک رہنے دو میرینا!" ــــ اوپاس نے کہا ــــ "اگر ابھی تک میری محبت تمہارے دل میں ہے تو میں نے جو کام تمہارے سپرد کیا ہے تم وہ کر دو۔"
"ہو جائے گا" ــــ میرینا نے کہا ــــ "تم پاگلوں کی سی حرکتیں کرتے ہوئے یہاں سے غائب ہو جاؤ۔"
"میں تمہارے پاس آ رہا ہوں" ــــ اوپاس نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

۞

اُندلس کی تاریخ لکھنے والے مؤرخوں نے کچھ روایتیں لکھی ہیں جو بظاہر حیران کن بلکہ ناقابلِ یقین لگتی ہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ واقعات یورپ کے عیسائی مؤرخوں نے اُس دور کی تحریروں کے حوالے سے لکھے ہیں تو ان پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ عیسائی تاریخ نویسوں کو تو مسلمانوں کے خلاف لکھنا چاہیے تھا کیونکہ اُندلس کی فتح عیسائیوں کی ہی نہیں بلکہ عیسائیت کی شکست تھی۔

تین مستند عیسائی مؤرخوں نے طارق بن زیاد اور راڈرک کے متعلق ایک ایک واقعہ لکھا ہے۔ اُندلس کی فوج کے جرنیل تھیوڈومیر کو شکست دینے کے کچھ دن بعد طارق بن زیاد گھوڑے پر سوار اُس طرف جا رہا تھا جس طرف اُس نے پیش قدمی کرنی تھی۔ کمک کے آنے تک اُس نے اسی میدانِ جنگ کے قریب ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ وہاں سے لاشیں تو اٹھا لی گئی تھیں لیکن خون اتنا زیادہ تھا اور جم کر خشک ہو گیا تھا کہ دن رات طرح طرح کے جانور اور حشرات الارض

وہاں پھرتے اور خون چاٹتے رہتے تھے۔ سانپوں کی بہتات ہو گئی تھی۔

طارق بن زیاد آگے کا علاقہ دیکھنے جا رہا تھا۔ جولین گائیڈ کے طور پر اُس کے ساتھ تھا اور اُس کے ساتھ مغیث الرومی اور ابوزرعہ طریف بھی تھے۔

"اوپاس کب تک واپس آئے گا؟" ــــ طارق بن زیاد نے پوچھا ــــ "پکڑا ہی تو نہیں جائے گا؟"

"وہ ایسا اناڑی تو نہیں" ــــ جولین نے جواب دیا ــــ "کچھ کر کے ہی آئے گا۔ وہ ایسے بہروپ میں گیا ہے کہ اسے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔ اس کی گرفتاری کا امکان کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ جنگی قیدیوں سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ شاہ راڈرک طلیطلہ میں نہیں۔ تمام امراء، وزراء اُس کے ساتھ گئے ہوں گے۔ اس صورت میں اوپاس کا کام آسان ہو جائے گا۔"

وہ باتیں کرتے ملاحوں اور ماہی گیروں کی بستی سے آگے نکل گئے۔ طارق کو بتایا گیا تھا کہ دُور دُور تک کوئی قصبہ کوئی شہر نہیں اس لیے یہاں فوج بھی نہیں۔ وہ اور آگے چلے گئے۔ علاقہ خوبصورت اور سرسبز تھا۔ قدرت کے اس حسین خطے میں چھوٹی سی ایک بستی تھی جس کے اندر اور باہر لوگ گھوم پھر رہے تھے۔ طارق اور اُس کے ساتھی بستی کے قریب پہنچے تو سب لوگ اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔

"جولین!" ــــ طارق بن زیاد نے کہا ــــ "انہیں شاید معلوم ہو گیا ہے کہ ان کی فوج کو ہم نے شکست دی ہے۔ انہیں کون سمجھائے کہ ہم اُن فاتح بادشاہوں میں سے نہیں جو کوئی شہر فتح کرتے ہیں تو ان کے فوجی گھروں میں گھس کر لوٹ مار، قتل وغارت اور لڑکیوں کو بے آبرو کرتے ہیں۔"

"ابنِ زیاد!" ــــ جولین نے کہا ــــ "سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہو گی تو یہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔"

وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر عورت بستی سے نکلی اور طارق بن زیاد کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔ طارق نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے بھی رُک گئے۔

"کیا تم میں اس فوج کا کمانڈر بھی ہے جس نے ہماری فوج کو شکست دی ہے؟" ــــ بڑھیا نے پوچھا۔

"ہاں بڑی اماں!" ــــ جولین نے طارق کی طرف اشارہ کر کے بڑھیا کی زبان میں کہا ــــ "یہ ہے اُندلس کی فوج کو شکست دینے والا فاتح۔"

"گھوڑے سے اُترو" ــــ بڑھیا نے طارق سے مرعوب ہوئے بغیر اُسے کہا ــــ "اور اپنا سر ننگا کرو۔"

مغیث الرومی اُندلس کی زبان سمجھتا تھا۔ اُس نے طارق بن زیاد کو بتایا کہ بڑھیا کیا کہہ رہی ہے۔ طارق گھوڑے سے اُترا اور اپنا سر ننگا کر دیا۔

"اوہ!" ـــــ بڑھیا نے طارق کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ـــــ "تم آگئے ہو.... میرا خاوند کاہن تھا جس کی پیش گوئیوں کی شہرت دُور دُور تک تھی وہ مر گیا ہے۔ اُس نے مجھے کئی بار کہا کہ باہر سے ایک قوم آئے گی اور اُندلس کو فتح کر کے اس ملک پر حکمرانی کرے گی۔ اُس کے کمانڈر کی نشانیاں یہ ہوں گی کہ اُس کے سر اور داڑھی کے بال سرخی مائل ہوں گے اور اُس کی پیشانی چوڑی ہو گی.... وہ تم ہی ہو۔ تمھارے بال سرخی مائل ہیں اور تمھاری پیشانی چوڑی ہے.... ایک نشانی اور رہ گئی ہے۔ اپنا بایاں کندھا ننگا کرو۔ اس پر ایک موٹا تل اور تل کے اِرد گرد بال ہوں گے۔"

مغیث الرومی نے طارق بن زیاد کو بتایا کہ بُڑھیا نے کیا کہا ہے، پھر اُسے کہا کہ وہ اپنا کندھا ننگا کرے۔

"بُڑھیا ٹھیک کہتی ہے" ـــــ طارق نے اپنا بایاں کندھا ننگا کرتے ہُوئے کہا ـــــ "میرے اِس کندھے پر تل ہے۔"

"اُندلس کو تم ہی فتح کرو گے" ـــــ بُڑھیا نے طارق کا تل اور تل کے اردگرد بال دیکھ کر کہا ـــــ "وہ تم ہی ہو جو اس ملک کے لوگوں کو بادشاہ اور اُس کے کارندوں کے ظلم و ستم سے نجات دلاؤ گے۔"

یہ روایت تین مستند مؤرخوں ـــــ سٹینلے لین پول، سٹیفنز اور باز ورتھ سمتھ ـــــ نے لکھی ہے۔

"میرے رفیقو!" ـــــ طارق بن زیاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا ـــــ "میں تم سب کو اور اپنے پورے لشکر کو اپنا خواب سنا چکا ہُوں جس میں رسول اللہ نے مجھے بشارت دی تھی کہ ہمیں فتح حاصل ہو گی۔ اب یہ بُڑھیا مژدہ سنا رہی ہے کہ اُندلس کا فاتح میں ہی ہوں گا لیکن یاد رکھو کہ ہمیں جانوں کی بازی لگا کر لڑنا ہو گا۔"

٭

اُسی رات اوپاس آگیا۔ وہ بڑی لمبی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ وہ پہلے جولیَن کے پاس گیا۔ جولیَن اسے طارق بن زیاد کے خیمے میں لے گیا جہاں دوسرے سالار بھی بیٹھے ہُوئے تھے۔ اوپاس نے اپنی ساری کارگزاری سنائی۔ مُیرینا سے ملاقات اور اُس کے ساتھ اُس نے جو باتیں کی تھیں، وہ سنائیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ عورت اتنا بڑا اور اتنا نازک کام کر دے گی؟" ـــــ طارق نے پوچھا۔

"مجھے اُس پر اعتماد ہے" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "اگر مُیرینا یہ کام نہیں کرے گی یا نہیں کر سکے گی تو دوسرے کر دیں گے۔ گوتھ قوم کے کچھ سردار وہاں موجود ہیں۔ میں انہیں مل آیا ہوں.... لیکن ابن زیاد! یہ سن لو کہ راڈرک کم و بیش ایک لاکھ فوج اپنے ساتھ لائے گا۔ پمپلونہ سے طلیطلہ تک کے لوگ فوج میں شامل ہو رہے ہیں۔"

"یہ تو میرے لیے بڑی اچھی خبر ہے" ـــــ طارق بن زیاد نے کہا ـــــ "اگر لوگ فوج میں شامل ہو رہے ہیں تو وہ ہجوم کی صورت میں لڑیں گے۔ وہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوج

کی طرح نہیں لڑ سکیں گے۔ وہ جنگی تنظیم سے بے بہرہ ہوں گے"۔
"پھر بھی ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے"۔۔۔۔ سالار ابوزرعہ طریف نے کہا۔ "ہمارے پاس اتنی فوج کبھی نہیں ہوگی۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ کمک ملی تو سات ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی"۔
"میں تم سب کو یہ بتانا چاہتا ہوں"۔۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔۔ "کہ اللہ ہماری فتح کے اسباب پیدا کر رہا ہے۔ اوپاس طلیطلہ میں جو کچھ کر آیا ہے یہ اللہ کا ہاتھ کر رہا ہے"۔

۵

امیر مصر و افریقہ موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید کو طارق بن زیاد کی پہلی فتح کا جو پیغام بھیجا اور کمک مانگی تھی، اس کے جواب میں خلیفہ نے دمشق سے کمک روانہ کر دی تھی جس کی نفری پانچ ہزار تھی۔ کسی بھی تاریخ میں یہ تفصیل نہیں ملتی کہ ان پانچ ہزار میں سوار کتنے اور پیادے کتنے تھے، البتہ یہ حقیقت سب کے سامنے تھی کہ یہ کمک خطرناک حد تک کم تھی۔ طارق کے پاس سات ہزار فوج تھی جس میں اُندلس کی پہلی لڑائی میں کچھ کمی آگئی تھی جو معمولی تھی۔ کمک ملا کر نفری بارہ ہزار ہو جاتی تھی۔
اُدھر راڈرک کے اعلان کے جواب میں لوگ جوق در جوق فوج میں شامل ہو رہے تھے، چند دنوں میں ہی راڈرک کی فوج کی تعداد پچاس ہزار ہو گئی تھی اور یہ تعداد تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ راڈرک کو مشیروں نے کہا تھا کہ حملہ آوروں کی تعداد صرف سات ہزار ہے اور اتنی تھوڑی تعداد کے لیے اتنی زیادہ فوج اکٹھی نہ کی جائے۔ ایک تو وقت ضائع ہو رہا ہے۔ دوسرے اخراجات بڑھ رہے ہیں۔
"تھیوڈومیر نے حملہ آوروں کو جنّ اور بھوت کہا ہے"۔۔۔۔ شاہِ اُندلس راڈرک نے بادشاہوں کی طرح گرج کر کہا۔۔۔۔ "میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر جاؤں گا تاکہ دنیا کی دوسری قوموں کو بھی پتہ چل جائے کہ شاہِ اُندلس کتنا طاقتور ہے، پھر ان کے دماغوں سے اُندلس پر فوج کشی کا بھوت نکل جائے گا۔ میں زیادہ سے زیادہ فوج سے ان سات ہزار حملہ آوروں کو کچل ڈالوں گا۔ ان پر بیس پچیس ہزار گھوڑے دوڑا کر ان کے جسموں کا قیمہ کر دوں گا۔ میں جنّوں اور بھوتوں سے ڈرنے والا نہیں"۔
تاریخ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ راڈرک بے خوف اور نڈر جنگجو تھا اور جنّوں بھوتوں سے ڈرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس کی بے خوفی اور غیر معمولی دلیری نے ایک ایسی کہانی کو جنم دیا تھا جو تاریخ کا حصہ بنی۔ ایک امریکی تاریخ نویس واشنگٹن اِروِنگ نے اپنی کتاب "سپین کی فتح" میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ معروف مؤرخ لین پول نے یہ واقعہ واشنگٹن اِروِنگ کے علاوہ قدیم دَور کی دستاویزات کے حوالے سے اپنی کتاب "مُور سپین میں" میں شامل کیا ہے۔ (یورپی تاریخ نویس اور دیگر اہلِ قلم بربر مسلمانوں کو مُور لکھتے ہیں۔)

یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ طارق بن زیاد کے اُندلس پر حملے سے کچھ عرصہ پہلے شاہ راڈرک طلیطلہ میں اپنے دربار میں تخت پر بیٹھا تھا۔ دو معزز بوڑھے دربار میں داخل ہوئے۔ وہ قدیم طرز کی سفید قباؤں میں ملبوس تھے۔ وہ مذہبی پیشوا معلوم ہوتے تھے۔ اُن کی سفید لمبی داڑھیاں اور اُن کی چال ڈھال بتاتی تھی کہ وہ اونچے درجے کے کاہن یا راہب ہیں۔ اُنہوں نے کمر سے کپڑے کے کمر بند باندھ رکھے تھے اور اُن دونوں کے کمر بندوں سے چابیوں کا ایک ایک گچھا لٹک رہا تھا۔ راڈرک جیسا مغرور اور ستم گر بادشاہ اُن کے احترام میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ان مقدس بوڑھوں میں سے ایک نے راڈرک کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔ راڈرک بیٹھ گیا۔

"اے شہنشاہِ اُندلس!"— ایک بوڑھے نے کہا —"ہم تمہیں راز کی ایک بات بتانے آئے ہیں۔ ہر نئے بادشاہ کا اس راز سے آگاہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ تم نئے تخت نشین ہوئے ہو۔ تمہارے قدم جم گئے ہیں۔"

"میں یہ راز سُننے کو بیتاب ہُوں"— راڈرک نے کہا —"مزید تمہید کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔"

"زیادہ بے صبر نہ ہو بادشاہ!"— بوڑھے نے کہا —"یہ راز سن کر بھی صبر کا دامن نہ چھوڑنا ورنہ پچھتاؤ گے.... جب اس ملک میں ہرقل کی بادشاہی تھی تو اُس نے آبنائے اُندلس میں ستون تعمیر کروائے تھے اور پھر اُس نے اِس شہر طلیطلہ کے باہر ایک بہت چوڑا بُرج بھی تعمیر کروایا تھا۔ اس میں اُس نے کوئی جادو یا سحر چھوڑ دیا تھا۔ اس بُرج کا ایک ہی دروازہ ہے جو لوہے کا ہے اور یہ دروازہ بہت مضبوط ہے۔ اسے اُس نے اپنے ہاتھوں سے تالا لگایا تھا۔ اُس نے کہا کہ اُندلس کے ہر نئے بادشاہ پر لازم ہے کہ وہ تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد اس آہنی دروازے پر ایک تالا لگا کر چابی ہمیں دے دے"— بوڑھے نے راڈرک کو چابیوں کے گچھے دکھاتے ہُوئے کہا —"یہ اُن تالوں کی چابیاں ہیں جو ہرقل کے بعد اور تم سے پہلے کے بادشاہوں نے بُرج کے آہنی دروازے کو لگائے تھے۔ اب تمھاری باری ہے۔ دروازے پر اپنا تالا لگا دو، ہم کسی دن آکر چابی لے جائیں گے۔"

"میں نے یہ بُرج دیکھا ہے"— راڈرک نے کہا —"میں اسے کوئی قدیم عمارت سمجھتا رہا ہُوں.... کیا تم دونوں اس بُرج میں رہتے ہو؟"

"نہیں اے شاہِ اُندلس!"— بوڑھے نے کہا —"ہم دُور سے آئے ہیں۔ یہ چابیاں ہمیں ہمارے باپ دادا دے گئے ہیں۔ اس بُرج کی حفاظت ہمارے خاندان کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ہماری آنے والی نسلیں پوری کرتی رہیں گی۔"

"کیوں نہ میں تمہاری یہ ذمہ داری یہیں پر ختم کر دوں!"— راڈرک نے کہا۔

"اے بادشاہ!"— دوسرے بوڑھے نے کہا —"ہم دونوں کو اپنی رعایا نہ سمجھ اگر تیرا ارادہ بُرج کا دروازہ کھولنے کا ہے تو سُن لے کہ تو پچھتائے گا۔ بہت بُرے انجام کو پہنچے

گا۔ ایسے بادشاہ ہو گزرے ہیں جنہوں نے یہ دروازہ کھولا تھا۔ کسی بوڑھے داستان گو کو بلا کر پوچھ کہ ان کا انجام کتنا بھیانک ہوا تھا۔ جولیس سیزر سے بڑھ کر جابر اور زبردست بادشاہ کون تھا؟ اُس نے بھی اس دروازے کو کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی.... ہم جا رہے ہیں۔ خبردار رہنا بادشاہ! ہم حقیقتِ حال بیان کر چلے ہیں۔ کچھ دنوں بعد ہم اُس تالے کی چابی لینے آئیں گے جو تُو اس دروازے کو لگائے گا۔"

دونوں بوڑھے چلے گئے۔

"اگر راڈرک اس ملک کا شہنشاہ ہے تو اس ملک کا کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں رہے گا" — دونوں بوڑھوں کے جانے کے بعد راڈرک نے اعلان کیا — "میں اس بُرج کو تالا نہیں لگاؤں گا۔ میں تمام تالے توڑ کر اور دروازہ کھول کر دیکھوں گا کہ اندر کیا ہے۔"

"گستاخی معاف شہنشاہ!" — ایک مشیر بولا — "ہم میں سے کسی کو بھی شک نہیں کہ شہنشاہ کی دلیری اور بے خوفی ضرب المثل بن چکی ہے لیکن شہنشاہ کو خطروں سے بچانا ہمارا فرض ہے۔ بوڑھے راہب کہہ گئے ہیں کہ ہرقل نے بُرج کے اندر کوئی سحر یا کوئی جادو چھوڑا تھا۔ کوئی انسان جادو کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں شہنشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ بُرج کے آہنی دروازے پر تالا لگا دیں پھر اسے بھول جائیں۔"

"پھر مجھے شہنشاہ کہنا چھوڑ دو" — راڈرک نے کہا — "یہ زمین میری ہے۔ اس کا ہر راز میرا ہے۔ میں نے پہلے کبھی اس بُرج کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب میں یوں محسوس کرنے لگا ہوں جیسے یہ پُراسرار بُرج میرے سینے پر کھڑا ہے۔"

"شہنشاہ راڈرک!" — بشپ نے اُٹھ کر کہا — "اندلس، فرانس اور جرمنی کے بہادر بھی راڈرک کا نام سنتے ہیں تو کانپ جاتے ہیں لیکن کچھ پُراسرار قوتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے آگے انسان بےبس ہوتا ہے۔ اگر شہنشاہ مجھے اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں تو مجھے اس حق سے محروم نہ کریں کہ میں شہنشاہ کو بُرج کے اندر جانے سے روکوں۔"

"ہرقل مجھ جیسا بادشاہ تھا" — راڈرک نے کہا — "اگر اُس نے کوئی پُراسرار طاقت بُرج میں بند کی تھی تو یہ اُس کے قبضے میں تھی۔ میں اسے اپنے قبضے میں لے سکتا ہوں" — اُس نے درباریوں پر مسکراتے ہوئے نگاہیں دوڑائیں اور طنزیہ لہجے میں بولا — "بزدلو! اس بُرج میں رومیوں نے خزانہ بند کیا تھا۔ وہاں بیش قیمت ہیرے اور جواہرات ہوں گے۔ وہاں خطرہ صرف یہ ہو گا کہ بڑے زہریلے سانپ ہوں گے یا کوبرا سانپوں کا جوڑا ہو گا.... تم میں کتنے اتنے بہادر ہیں جو اس بُرج کا راز فاش کرنے میں میرا ساتھ دیں گے؟"

اُس نے اپنے جرنیلوں کی طرف دیکھا جو دربار میں موجود تھے۔ وہ شہنشاہ کی نظروں میں بزدل نہیں بننا چاہتے تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے باری باری کہا — "میں شہنشاہ کا ساتھ دوں گا۔"

جن مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ راڈرک کو مشیروں، بڑے پادریوں اور افرادِ خانہ نے بھی روکا لیکن اس نے کسی کی نہ سنی اور تین چار دنوں بعد وہ جنگی لباس میں برج تک جا پہنچا۔ اس کے ساتھ وہ تین چار جرنیل تھے جنہوں نے کئی جنگوں میں غیر معمولی بہادری اور جارحیت میں نام پیدا کیا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے محافظ دستے کے منتخب گھوڑسوار تھے اور تالے توڑنے کے لیے لوہار بھی ساتھ تھے۔

برج ایک چوڑی چٹان پر کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد عمودی چٹانیں تھیں جن کی بلندی برج سے زیادہ تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان عمودی چٹانوں نے برج کو تھام رکھا ہو۔ برج سنگِ مرمر کا بنایا گیا تھا۔ خوبصورتی کے لیے کہیں کہیں دھات کے ٹکڑے جڑے گئے تھے جو روشنی میں چمکتے تھے۔ اندر جانے کا راستہ دراصل سُرنگ تھی جو چٹان میں سے کاٹی گئی تھی۔ یہ اتنی چوڑی اور اونچی تھی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس میں سے گزرا جا سکتا تھا۔ اس کے آگے لوہے کا بڑا ہی مضبوط دروازہ تھا جسے بہت سے تالے لگے ہوئے تھے۔ تالے زنگ آلود تھے۔ یہ ہر قل سے وٹیزا تک کے لگائے ہوئے تالے تھے۔

دونوں بوڑھے راہب جو راڈرک کے دربار میں گئے تھے، وہاں کھڑے تھے — ایک دروازے کے ایک طرف دوسرا دوسری طرف!

"ہم تمہیں آخری بار خبردار کرتے ہیں" —— ایک بوڑھے نے کہا۔

"ان سے چابیاں چھین لو —— راڈرک نے حکم دیا —— "اور تمام تالے کھول دو"

قوی ہیکل آدمیوں کے آگے بوڑھے مزاحمت نہ کر سکے۔ ان سے چابیاں چھین لی گئیں۔

تالے بے شمار تھے زنگ آلود بھی تھے اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی چابی کس تالے کی ہے۔ سارا دن تالے کھولنے کی کوشش ہوتی رہی۔ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے تمام تالے کھل گئے اور آہنی دروازہ بھی کھل گیا۔ راڈرک اندر چلا گیا۔ جرنیل اور چند ایک محافظ اس کے پیچھے گئے۔ آگے بڑا کشادہ ہال تھا۔ اس کا ایک دروازہ اور بھی تھا جو کسی کمرے میں کھلتا تھا۔

اس دروازے کے باہر ایک بہت بڑا انسانی بُت کھڑا تھا جو کانسی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گرز تھا۔ عجوبہ یہ تھا کہ بُت اس گرز کو اوپر نیچے گھما اور زمین پر مار رہا تھا۔ بُت کی چھاتی پر اندلسی زبان میں لکھا تھا —— "میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں"

"میں بُری نیت سے نہیں آیا" —— راڈرک نے بُت سے کہا —— "کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اس جگہ کا صرف بھید جاننے کے لیے آیا ہوں، پھر جس طرح آیا ہوں اسی طرح چلا جاؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کر اور مجھے راستہ دے دے"

بُت کا گرز رک گیا۔ اس کا گرز والا بازو جو اوپر کو اٹھا ہوا تھا اوپر ہی اٹھا رہا اور راڈرک

اس بازو کے نیچے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے جرنیل اور محافظ بھی اس کے پیچھے گئے۔

۞

یہ کمرہ بہت خوبصورت تھا۔ راڈرک کے محافظ مشعلیں جلا کر ساتھ لے کر گئے تھے۔ ان کی زرد روشنی میں کمرے کی دیواروں میں ستارے چمک رہے تھے۔ یہ قیمتی پتھر اور ہیرے تھے جو دیواروں میں جڑے ہوئے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک میز پڑی تھی۔ میز پر ایک صندوق رکھا تھا۔ اس پر لکھا تھا:

"اس صندوق میں اس بُرج کا بھید بند ہے۔ سوائے کسی بادشاہ کے اسے کوئی اور نہیں کھول سکتا لیکن بادشاہ کو خبردار کیا جاتا ہے کہ اس پر حیرت انگیز انکشاف ہوں گے اور یہ انکشافات، واقعات اور حادثات کی صورت میں اس بادشاہ کی زندگی میں رُونما ہوں گے۔"

راڈرک نے بے خوف و خطر اس صندوق کا ڈھکنا کھولا اور صندوق میں دیکھا۔ اس میں چرمی کاغذ کا تقریباً ایک فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا ٹکڑا پڑا ہُوا تھا۔ تانبے کی ایک پلیٹ اس چرمی کاغذ کے اوپر اور ایک پلیٹ اس کے نیچے پڑی تھی۔ راڈرک نے چرمی کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اس پر جنگجو آدمیوں کے خاکے بنے ہُوئے تھے جو جنگی گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ تیر کمانوں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ اُن کے چہرے کرخت اور خوفناک تھے۔ ان خاکوں کے اُوپر لکھا تھا:

"دیکھ اے سرکش انسان! یہ وہ سوار ہیں جو تجھے تخت سے اُٹھا پھینکیں گے اور تیری بادشاہی کو تہ تیغ کر لیں گے۔"

راڈرک ان تصویری خاکوں کو دیکھتا رہا۔ اُس کے جرنیلوں کی نظریں بھی چرمی کاغذ پر جمی ہُوئی تھیں۔ انہیں ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے قریب ہی کہیں دو فوجیں لڑ رہی ہوں — گھوڑوں کے دوڑنے کا اور ہنہنانے کا شور، فوجوں کے نعرے اور للکار — راڈرک اس خیال سے گھبرا گیا کہ کسی ملک کی فوج نے حملہ کر دیا ہے اور طلیطلہ میں پہنچ گئی ہے لیکن اُس کی گھبراہٹ جلدی ختم ہو گئی کیونکہ یہ جنگ اُسے اپنے سامنے نظر آنے لگی تھی۔

یہ جنگ اس طرح نظر آنے لگی کہ کمرے کی دیواریں غائب ہو گئیں۔ ان کی جگہ بادل سے آ گئے اور ان کے درمیان وسیع و عریض میدانِ جنگ دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں فوجیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ایک فوج عیسائیوں کی اور دوسری شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی تھی۔ دونوں طرف کے فوجی ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے۔ تلواروں سے تلواریں اور جنگی کلہاڑے ٹکرا رہے تھے۔ جنگی دف اور طنبورے بج رہے تھے۔ پیادے اور سوار زخمی ہو کر گر رہے تھے۔ بھاگتے دوڑتے گھوڑے زخمیوں کو کچل رہے تھے۔ اس ہولناک منظر کے اُوپر تیر اُڑ رہے تھے۔ پھینکنے والی برچھیاں اڑتی اور جسموں میں پیوست ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔

کربناک چیخوں سے آسمان کانپ رہا تھا۔ پیادوں اور گھوڑوں کے قدموں کی دھمک سے زمین ہل رہی تھی۔

"رسول اللہ کے شیدائیو!"___قیامت خیز ہنگامے میں یہ للکار بار بار سنائی دیتی تھی ___"کفار کا نام و نشان مٹا دو۔"

"اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"مسلمانو! پیچھے سمندر ہے۔ جہاز جل چکے ہیں۔"

"اللہ کے رسول نے فتح کی بشارت دی ہے۔"

راڈرک، اس کے جرنیل اور محافظ یہ خونچکاں منظر دیکھ رہے تھے۔ نعرے، للکار اور دوسرا شوروغوغا سن رہے تھے۔ اس منظر کے اوپر، نیچے، دائیں اور بائیں سفید بادل پھیلے ہوئے تھے۔ خونریزی کا یہ بھیانک منظر تصوراتی تھا لیکن بالکل حقیقت کا گماں ہوتا تھا۔ راڈرک کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ اس کے جرنیلوں اور محافظوں کے چہروں پر خوف کا گہرا تاثر تھا۔ اگر ان کا بادشاہ ساتھ نہ ہوتا تو وہ بھاگ جاتے۔

عیسائیوں کی فوج کے جھنڈے جو بلند تھے اور ہوا میں بڑی شان سے اُڑتے پھر رہے تھے، ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ مسلمانوں کے پرچم بلند تھے۔ آخر کفار کا وہ جھنڈا بھی گر پڑا جس پر صلیب کا نشان تھا۔ اس کے گرتے ہی کفار میں کھلبلی اور بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔

راڈرک نے عیسائیوں کی فوج میں ایک جنگجو کو دیکھا۔ اس کی پیٹھ راڈرک کی طرف تھی اور وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے سر پر جو آہنی خَود تھی وہ بالکل ویسی تھی جیسی راڈرک پہنا کرتا تھا۔ اس کی زرہ بکتر بھی وہی تھی جو راڈرک کی تھی۔ وہ جس سفید گھوڑے پر سوار تھا وہ راڈرک کے گھوڑے جیسا تھا۔ مشابہت میں بال برابر فرق نہ تھا۔ راڈرک کے گھوڑے کا نام اوریلیا تھا جو تاریخوں میں بھی آیا ہے۔

لڑائی کے منظر میں یہ سوار جو راڈرک کو نظر آ رہا تھا اور جو بادشاہ لگتا تھا، گھوڑے سے اُترا اور لڑائی کے منظر میں گم ہو گیا۔ راڈرک کی طرف اس کی پیٹھ ہی رہی تھی۔ اس کا سفید گھوڑا اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگا۔ اس کا سوار غائب ہو چکا تھا۔

اچانک راڈرک کا دل خوف کی گرفت میں آ گیا اور وہ وہاں سے تیزی سے پیچھے کو مڑا اور چل پڑا۔ اس کا انداز بھاگنے جیسا تھا۔ وہ اس کمرے میں آیا جس کے دروازے پر کانسی کا بُت ہاتھ میں گرز اٹھائے کھڑا تھا تو دیکھا کہ وہاں سے بُت غائب ہے۔ راڈرک اور اس کے ساتھیوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ دوڑتے ہوئے اس کمرے سے نکلے اور آہنی دروازے سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دونوں بُوڑھے راہب جو بُرج کے باہر دروازے پر کھڑے تھے اور راڈرک کو بُرج کے اندر جانے سے روکتے تھے، مرے پڑے تھے۔

راڈرک وہاں سے دُور چلا گیا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ بُرج گھٹا جیسے سیاہ دھوئیں میں لپٹا ہُوا تھا۔ اس گھٹا میں بجلی جیسی چمک نظر آنے لگی اور فوراً ہی بُرج ایک دھماکے سے قرمزی شعلہ بن گیا۔ اس کے مرمر کے پتھر بھی جل رہے تھے۔ اس کے اردگرد کھڑی چٹانیں بھی جل اُٹھیں۔ ہوا تیز ہو گئی۔ بُرج کی راکھ شعلوں کے ساتھ اوپر جا کر پھیلنے اور زمین پر گرنے لگی۔ یہ واقعہ بیان کرنے والے مؤرخ لکھتے ہیں کہ بُرج کی راکھ جہاں زمین پر گرتی تھی وہاں خون کے قطرے بن جاتے تھے۔

راڈرک اپنے جرنیلوں اور محافظوں کے ساتھ وہاں سے بھاگ گیا۔

۵

اس کے بعد راڈرک مذہبی پیشواؤں سے، دانشوروں سے اور جادوگروں سے پوچھتا رہا کہ اس بُرج کا راز کیا تھا اور اس لڑائی کا مطلب کیا تھا۔ کوئی بھی اُسے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ ہر کوئی اس کی بہادری کی تعریف کرتا اور اسے دشمن پر فتح کا مژدہ سناتا تھا۔ صرف ایک جادوگر نے اُسے ذرا صاف سی بات کہہ دی۔

"شہنشاہ کو محتاط رہنا چاہیئے" —— جادوگر نے راڈرک سے کہا ——"یہ تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ ہرقل نے یہ بُرج کیوں تعمیر کرایا تھا۔ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ اس بُرج کے اندر لعنت اور شیطانیت کے اثرات بند کر دیئے گئے تھے۔ آپ کو یہ بُرج کھولنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ آپ کو لڑائی کا جو اشارہ ملا ہے یہ اچھا شگون نہیں"۔

"کیا ہم اس بُرے شگون کے اثرات سے بچ سکتے ہیں؟" —— راڈرک نے پوچھا۔

"ایک ہی طریقہ ہے شہنشاہِ اُندلس!" —— جادوگر نے کہا ——"جب آپ کسی دشمن کے سامنے جائیں تو آپ کی فوج کی تعداد اتنی زیادہ ہونی چاہیئے کہ دشمن دیکھ کر ہی بھاگ جائے یا بغیر لڑے ہتھیار ڈال دے"۔

اس کے بعد پمپلونہ کے علاقے میں بغاوت ہو گئی۔ راڈرک بہت زیادہ فوج لے کر گیا اور باغیوں کو کچل ڈالا اور وہیں اُسے اطلاع ملی کہ افریقیہ کی طرف سے اُندلس پر حملہ ہو گیا ہے۔ تھیوڈومیر نے اسے اطلاع دی تھی کہ حملہ آوروں کی تعداد سات آٹھ ہزار ہے۔ راڈرک نے زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کرنے کا اہتمام کر لیا اور وہ پمپلونہ سے اپنے دارالحکومت طلیطلہ کو چل پڑا۔

وہ جب طلیطلہ پہنچا تو اُس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ ہو چکی تھی۔ اس میں ہزارہا سوار تھے۔ اُس نے طلیطلہ میں قیام نہ کیا۔ ایک لاکھ فوج کے ساتھ جنوب میں اس مقام کی طرف کوچ کر گیا جہاں مسلمانوں نے اُس کے جرنیل تھیوڈومیر کو شکست دی تھی۔

اِدھر طارق بن زیاد کو صرف پانچ ہزار نفری کی کمک ملی۔ اس سے اُس کی فوج کی تعداد تقریباً بارہ ہزار ہو گئی۔

راڈرک کی ایک لاکھ فوج بارہ ہزار مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لیے تیز و تُند طوفان کی طرح آ رہی تھی۔

کو پانچ ہزار نفری کی کمک مل گئی اور اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا کمک پہنچنے تک اُس کے انتظار میں اُس کی بے چینی اور بے قراری کا یہ عالم تھا کہ کبھی رات کو آنکھ کھُل جاتی تو خیمے سے باہر آکر اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلوا کر کہتا کہ ابھی دو سوار سمندر کی طرف دوڑاؤ اور مجھے جگا کر بتاؤ کہ کمک آرہی ہے یا نہیں۔

دن میں وہ ایک بار ساحل پر جا پہنچتا، اُس اُونچی چٹان پر چڑھ جاتا جس کا نام جبل الطارق رکھ دیا گیا تھا۔ ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر سمندر کی وسعت پر نظریں دوڑاتا اور جب اُسے کمک کے جہاز آتے نظر نہ آتے تو اُس کی ہر بات اور ہر حرکت سے غصے کا اظہار ہوتا تھا۔ اُس کے سالار اُسے کہتے تھے کہ کمک کو اتنی دُور سے آتے بہت دن لگیں گے۔

”میں جانتا ہُوں کمک اتنی جلدی کیوں نہیں آرہی“ — طارق کئی بار یہی ایک بات کہہ چکا تھا — ”امیرِ افریقہ نے قاصد کو خلیفہ کی طرف دمشق بھیج دیا ہوگا اور اُس سے کمک کی درخواست کی ہوگی۔ دمشق سے کمک آتے آتے تین نئے چاند طلوع ہوں گے۔“

”بوڑھے اور جوان میں یہی تو فرق ہوتا ہے“ — ایک بار اُس نے کہا تھا — ”مُوسیٰ بن نصیر بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ وہ اب ہر کام آرام آرام سے کرتا ہے۔ اُسے یہ نہیں بھولنا چاہیئے تھا کہ میں جوان ہوں اور میں بے صبر ہوں“ — اور یہ تو اُس نے کئی بار کہا تھا — ”شام اور عرب سے کمک منگوانے میں کیا دانشمندی تھی؟ بربر مر تو نہیں گئے تھے۔ صرف اعلان کر دیا جاتا کہ ابنِ زیاد کو سمندر پار کمک کی ضرورت ہے۔ ایک ہی دن میں ہزار ہا بربر مُوسیٰ بن نصیر کے پاس پہنچ جاتے۔“

طارق کمک کے انتظار میں دانت پیس رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے لشکر کو ٹریننگ بھی دے رہا تھا۔ ٹریننگ میں وہ زیادہ توجہ گھوڑسواری پر دے رہا تھا۔ یہ اس لیے کہ اُس نے تھیوڈومیر سے لڑائی کے دوران بار بار اعلان کرایا تھا کہ دُشمن کے گھوڑوں کو زخمی نہ کیا جائے۔ اس اعلان سے یہ فائدہ ہُوا تھا کہ سینکڑوں گھوڑے ہاتھ آئے تھے۔ طارق نے اتنے ہی پیادے منتخب کر کے یہ گھوڑے انہیں دے دیئے تھے اور رسالے کی لڑائی کی ٹریننگ دے رہا تھا۔

وہ نچلا اور بیکار بیٹھنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اُسے یہ احساس بھی بے چین کر رہا تھا کہ اُندلسی جرنیل تھیوڈومیر جو شکست کھا کر بھاگ گیا ہے، وہ کہیں جا کر بیٹھ نہیں گیا ہوگا اور وہ طارق کی پیشقدمی کا انتظار نہیں کر رہا ہوگا بلکہ شکست کو فتح میں بدلنے کے لیے

اور حملہ آوروں کو اُندلس سے نکالنے کی تیاری کر رہا ہوگا۔

طارق کو یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ اُندلس کا بادشاہ راڈرک اپنے دارالحکومت سے بہت دُور، ایک بغاوت فرو کرنے گیا ہوا ہے۔ طارق بن زیاد اُس کی غیر حاضری اور طلیطلہ سے اتنی زیادہ دُوری سے یہ فائدہ اُٹھا سکتا تھا کہ آگے بڑھ کر اُندلس کا کچھ اور دفاعی نظام توڑ کر مزید علاقے پر قبضہ کر لے اور اس ملک کی کچھ اور فوج کو تباہ کر دے۔

آخر کمک آگئی۔ طارق نے پانچ ہزار نفری کی اس کمک کو صرف ایک رات آرام کی مہلت دی اور اگلی صبح کوچ کر گیا۔ اُس نے جولیَن سے معلوم کر لیا تھا کہ آگے کیا کچھ ہے۔ اُسے بہترین جاسوس جو ملا تھا وہ ہنری تھا جس نے فلورنڈا سے وعدہ کیا تھا کہ راڈرک کا سر کاٹ کر لائے گا۔ طارق نے اُسے دو آدمی دے دیئے تھے جو دُور آگے دشمن کے علاقے میں جا کر دیکھ آتے تھے کہ دشمن کہاں ہے اور کس جگہ اُس کی نفری کتنی ہے اور آگے قلعہ ہے تو کتنا کچھ مضبوط ہے۔

آگے ایک قلعہ بند مقام کارٹیجا تھا۔ قلعہ مضبوط تھا۔ تھیوڈومیر کی بھاگی ہوئی فوج کی کچھ نفری بھی اس قلعے میں موجود تھی جس سے قلعے میں نفری زیادہ ہوگئی تھی اور قلعہ دار خوش تھا کہ اب اُس کا قلعہ ناقابلِ تسخیر ہوگیا ہے لیکن اس اضافی نفری نے لڑنے کے جذبے کے لحاظ سے قلعے کو کمزور کر دیا تھا۔ بربروں نے ان پر دہشت طاری کر دی تھی۔ شکست خوردہ اور میدانِ جنگ سے بھاگا ہوا سپاہی کبھی یوں نہیں کہا کرتا کہ وہ کمزور اور بزدل تھا، وہ دشمن کو طاقتور اور دہشت ناک کہا کرتا ہے۔ تھیوڈومیر کی اس نفری نے قلعے میں داخل ہوتے ہی واویلا بپا کر دیا تھا:

"یہ تو انسانوں کے روپ میں جن ہیں، بھوت ہیں۔"

"اپنی جانوں کی تو پرواہ ہی نہیں کرتے۔"

"ہم نے خود دیکھا کہ اُن کے پاس ایک بھی گھوڑا نہیں تھا، پھر معلوم نہیں کہاں سے اور کتنے ہی گھوڑسوار ہمارے پیچھے سے آگئے۔"

"ہم پر تیر آسمان سے برسے تھے۔ ایک تیر ہمارے ایک آدمی کو لے لیتا تھا۔"

"وہ تعداد میں ہم سے آدھے بھی نہیں تھے۔"

"اور اُن کے نعرے!.... جیسے گھٹائیں گرج رہی ہوں۔"

یہ دہشت قلعے کی فوج سے شہر کے لوگوں تک پہنچی اور شہر میں دعائیں سنائی دینے لگیں کہ یہ ظالم حملہ آور اِدھر نہ آجائیں۔

یہ ایسی حقیقت ہے جس کا تذکرہ عیسائی مؤرخوں نے خاص طور پر کیا ہے۔ مثلاً لین پول لکھتا ہے "مسلمانوں کی تعداد تو بہت کم تھی لیکن وہ غیر معمولی طور پر دلیر اور جفاکش تھے اور جاں نثار بھی تھے۔ ان کی کمان ایک ایسے سپہ سالار کے ہاتھ میں تھی جسے تاریخ بجا طور پر ہیرو کہتی ہے.... جنگی طاقت، بہتر ہتھیار اور افرادی قوت تو اُندلسیوں کے پاس تھی لیکن جر

جذبے سے مسلمان مسلح تھے وہ اُندلس کی فوج کے پاس نہیں تھا"

مُسلمان اللہ کے حکم سے اور اُندلسی بادشاہ کے حکم سے لڑ رہے تھے۔ مسلمان نعرے لگاتے تھے تو اللہ کی تکبیر کا.... اللہ اکبر.... اللہ سب سے بڑا ہے.... یہ نعرے مسلمانوں کی روحوں کی گہرائیوں سے نکلتے تھے۔ ان نعروں میں جو دہشت ناک گرج تھی وہ اللہ کے نام کی تھی۔ اُندلسیوں کے ہاں کوئی نعرہ نہیں تھا۔ اگر تھا بھی تو یہ "شہنشاہ اندلوسیا زندہ باد" تھا۔ یہ ایک بے جان نعرہ تھا۔ یہ ایک رسمی سا نعرہ تھا جو جوش اور جذبے سے خالی تھا۔

٭

کارٹیجا سرسبز و شاداب علاقے میں تھا۔ ہر طرف قدرت کا حُسن بکھرا ہُوا تھا۔ صبح کا اجالا ابھی پوری طرح نکھرا نہیں تھا کہ قلعے کی دیوار پر کھڑے ایک سپاہی نے گلا پھاڑ کر کہا ——— "وہ آ گئے" ——— پھر یہ آواز قلعہ بند فوج کے کئی سپاہیوں کی آواز بن گئی اور پھر اس آواز نے ساری آبادی میں افراتفری اور نفسانفسی بپا کر دی۔

قلعہ دار دوڑتا ہُوا دیوار پر چڑھ گیا۔ اُس نے مسلمانوں کے لشکر کو آتے دیکھا۔ اُس نے تھیوڈومیر جیسے تجربہ کار جرنیل کو اس لشکر سے شکست کھا کر بھاگتے دیکھا تھا۔ تھیوڈومیر نے کچھ دیر اس قلعے میں بھی قیام کیا تھا اور قلعہ دار کو لڑائی کے حالات سنائے تھے اور ایسے انداز سے سنائے تھے کہ قلعہ دار پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ اب وہ "جنّوں اور بھوتوں" کا لشکر قلعہ دار کے سر پر آ گیا تھا۔

"قلعے کے دروازے پکے بند کر دو" ——— اُس نے دیوار پر کھڑے کھڑے حکم دیا ——— "اور ہر دروازے کے سامنے تیار رہو"

دیوار پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے پہنچ گئے۔ دروازوں کو اندر سے اور زیادہ مضبوطی سے بند کر دیا گیا اور ہر دروازے کے سامنے اندر کی طرف بہت سی نفری کھڑی ہو گئی۔

مسلمان فوج بڑی تیزی سے آ گئی اور قلعے کے ارد گرد پھیل گئی۔ طارق بن زیاد نے اُندلس کی زبان میں اعلان کرایا کہ قلعے کے دروازے کھول دو اور ہتھیار ڈال دو۔ اگر ہمارا ایک بھی آدمی زخمی ہُوا یا مارا گیا اور ہم دروازے توڑ کر خود قلعے میں داخل ہوئے تو تمہاری فوج کا انجام بہت ہی بھیانک ہو گا۔ اگر خود دروازے کھول دو گے تو بہت اچھے سلوک کے حقدار ہو گے۔ ہم محاصرہ لمبا نہیں کریں گے۔ آج کا سُورج اُس وقت غروب ہو گا جب ہم قلعے کے اندر ہوں گے۔

"تمہارا سورج غروب ہو چکا ہے" ——— قلعے کی دیوار سے آواز آئی ——— "ہمّت کرو اور دروازے خود کھول لو"

طارق بن زیاد نے اپنے اعلان کو دہرانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اُس نے اپنے متعلق ٹھیک کہا تھا کہ میں جوان ہوں اور میں بے صبر ہُوں۔

"قلعہ توڑ دو"۔۔۔ اُس نے حکم دیا۔

مسلمان قلعہ توڑ دینے کا مطلب سمجھتے تھے۔ ایک جیش کلہاڑے اور ہتھوڑے لیے بڑے دروازے کی طرف دوڑا۔ اُوپر سے اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں اور برچھیاں آنے لگیں لیکن بربر تیروں اور برچھیوں کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے۔ بربر تیرانداز دستہ دروازہ توڑنے والے جیش کے پیچھے تھا۔ ان کی کمانیں بڑی سخت تھیں جنہیں کھینچنے کے لیے خاصی زیادہ طاقت کی ضرورت تھی۔ ان سے نکلے ہوئے تیر زیادہ دُور جاتے اور جسم کے زیادہ اندر چلے جاتے تھے۔ ان تیراندازوں نے دیوار کے اوپر کھڑے تیراندازوں اور برچھیاں پھینکنے والوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ دو تین تیرانداز اوپر سے نیچے گرے۔ باقی سب نے سر نیچے کر لیے۔

قلعے کے چار دروازے تھے۔ چاروں پر بربروں نے ہلّہ بول دیا تھا۔ انہیں جیسے تیروں کی پرواہ تھی نہ برچھیوں کی۔ دروازوں پر کلہاڑوں اور ہتھوڑوں کی ضربیں پڑنے لگیں۔ یہ انتہائی دلیرانہ کارروائی تھی۔ قلعے یوں فتح نہیں کیے جاتے کیونکہ کوئی سپہ سالار اور کوئی جرنیل اپنی فوج کو اس طرح خطرے میں نہیں ڈالا کرتا تھا لیکن طارق بن زیاد کا اصول یہ تھا کہ خود دشمن کے لیے دہشت ناک خطرہ بن جاؤ تو تمام خطرے ٹل جاتے ہیں۔

طارق کی اصل قوت کچھ اور تھی۔ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام دل میں لے کر کفار کے مقابلے میں نکلا تھا۔ یہ دو مقدس نام اس کی روح کی گہرائیوں میں اُترے ہوئے تھے۔

اسی کا کرشمہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے خواب میں بشارت دی تھی کہ فتح تمہاری ہوگی بشرطیکہ تم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔

یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ ہے۔۔۔ "..... اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کفار پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو ایک ہزار کفّار پر غالب آئیں گے۔" الانفال: ۶۵۔۶۶

طارق بن زیاد ان ہی ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ قرآن پاک نے بھی دشمن پر غالب آنے کی بشارت دی تھی۔ وہ کارٹیجا کے قلعے پر بھی غالب آ گیا۔ ایک ہی دروازہ ٹوٹا تھا کہ مسلمان رُکے ہوئے سیلاب کی مانند اندر چلے گئے۔ قلعے کی فوج نے مقابلہ تو کیا لیکن اس مقابلے میں جان نہیں تھی۔ قلعہ دار نے جلدی ہی ہتھیار ڈال کر اپنی فوج کے مزید خون خرابے کو روک دیا۔

طارق بن زیاد نے پہلا حکم یہ دیا کہ گھر گھر میں یہ اعلان پہنچا دیا جائے کہ کوئی فرد بھاگ نہ جائے۔ سب لوگ اپنے گھروں میں رہیں۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔

لوگوں میں تو بھگدڑ بپا ہو گئی تھی۔ لڑکیوں کے ماں باپ لڑکیوں کو چھپاتے پھر رہے تھے اور جن کے گھروں میں دولت تھی وہ کسی طرح دولت سمیٹ کر بھاگ نکلنے کے راستے دیکھ رہے تھے۔ طارق کے حکم نے فرار کے راستے بند کر دیئے اور اُس نے دوسرا

حکم یہ دیا کہ قلعے کی تمام فوج کو نہتہ کر کے الگ کھڑا کر دیا جائے۔

"اور شہریوں کو خبردار کر دو" ــــ طارق نے اپنے حکم میں کہا ــــ "کہ کوئی شخص کسی فوجی کو اپنے گھر میں چھپانے کی غلطی نہ کرے۔ کسی گھر سے کوئی اُندلسی فوجی برآمد ہُوا تو اس گھر کے تمام افراد کو جنگی قیدی بنا لیا جائے گا اور اُس کے گھر کا مال و متاع مالِ غنیمت سمجھا جائے گا۔"

کارٹیجا کی تمام کی تمام فوج کو جنگی قیدی بنا لیا گیا اور اسے اسی قلعے میں رکھا گیا۔

۞

یہ ایک قلعہ بند شہر قبضے میں آجانے سے ایک وسیع و عریض وادی طارق بن زیاد کے تسلّط میں آگئی۔ اس کا نام وادی لکہ تھا۔ یہ سرسبز اور خوبصورت علاقہ چند میل آگے ایک دریا پر جا ختم ہوتا تھا۔ یہ دریا تے گادلیت تھا۔ طارق بن زیاد نے قلعے میں قیام کرنے کی بجائے اس دریا کے قریب اپنی فوج کو خیمہ زن کیا اور فوج کو تیاری کی حالت میں رہنے کا حکم دیا۔

مفتوحہ قلعے سے تیر دل، برچھیوں اور ڈھالوں وغیرہ کا اتنا بڑا ذخیرہ مِل گیا تھا جو بہت بڑی اور طویل جنگ کے لیے کافی تھا۔ سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد چیز جو ملی وہ کم و بیش دو ہزار گھوڑے تھے۔ طارق نے یہ گھوڑے ان پیادوں میں تقسیم کر دیئے جو جنگی شہسوار کہلانے کے قابل تھے۔ طارق نے ہر ایک کو اچھی طرح آزما اور ٹھونک بجا کر دیکھ لیا۔

طارق بن زیاد اب ہر لحہ مصروف رہنے لگا۔ اُس کے پاس بارہ ہزار نفری کا ایک لشکر تھا جس سے اُس نے راڈرک کے ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دینی تھی۔ یہ تو اُس نے دو لڑائیوں میں دیکھ لیا تھا کہ اُندلسیوں کے ہتھیار بہتر ہیں اور وہ سروں پر آہنی خود بھی پہنتے تھے۔ ایک لاکھ تو اتنا بڑا ہجوم تھا جو بارہ ہزار مسلمانوں کو بڑی آسانی سے کچل اور مسل سکتا تھا۔ اس ہجوم کو جنگی چالوں سے ہی شکست دی جا سکتی تھی۔ طارق کو یہ سوال پریشان کر رہا تھا ــــ "کیا اتنے بڑے لشکر کو وہ شکست دے سکے گا؟"

"ابنِ زیاد!" ــــ ایک روز جولین نے اُس کے چہرے پر تفکّر اور پریشانی کے تاثرات دیکھ کر کہا ــــ "تجھے اپنے رسولؐ نے فتح کی بشارت تو دی ہی ہو گی لیکن جو دُعائیں تجھے اُندلسیوں سے مِل رہی ہیں ۔ یہ بھی خدا تک پہنچ رہی ہیں .... یہ نہ کہہ دینا کہ جو مسلمان نہیں ان کی دُعائیں خدا سنتا ہی نہیں۔ خدا اپنے ان بندوں کی دُعائیں ضرور سُنتا ہے جو اُس کے بندوں کے ستائے ہوتے ہیں۔"

جولین کا اشارہ طارق بن زیاد کے اُس حکم کی طرف تھا جس میں اُس نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور اس سے زیادہ اچھا سلوک شہریوں سے روا رکھا جائے اور انہیں اپنے اعمال سے یقین دلایا جائے کہ مسلمان ان کی عزت و آبرو کے محافظ ہیں اور انسان کی حیثیت سے انہیں ان کے تمام حقوق ملیں گے اور وہ جو کمائیں

گے وہ انہی کا ہوگا اور ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق جزیہ وصول کیا جائے گا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راڈرک کی بادشاہی میں عوام کو کیڑوں مکوڑوں جیسی حیثیت حاصل تھی۔ بہتر حیثیت اُسی کی تھی جس کے پاس سرکاری عہدہ تھا یا پیسہ۔ خوبصورت لڑکیوں کے والدین لڑکیوں کو چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔ غریب لوگوں کو فوجی اپنے کاموں کیلئے بیگار کے لیے پکڑ کر لے جاتے تھے۔

جس علاقے کو طارق بن زیاد نے اپنی عملداری میں لے لیا تھا وہاں کا رٹیجا کے علاوہ اور بھی چھوٹی بڑی بستیاں تھیں۔ ان میں دو تین بستیاں حملہ آوروں کے ڈر سے خالی ہو گئی تھیں۔ لوگ سمجھتے تھے کہ حملہ آور کسی ملک کا بادشاہ ہے اور وہ راڈرک جیسا ہی بادشاہ ہوگا جس کی فوج لوٹ مار اور قتلِ عام کرے گی اور جوان لڑکیوں کو اپنی ملکیت میں لے لے گی اور تمام مویشی کھانے کے لیے لے جائے گی۔ یہ لوگ اپنے بال بچوں اور مویشیوں کو ساتھ لے کر پہاڑی جنگل میں جا چھپے تھے لیکن حملہ آور فوج نے ان کے گھروں کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

"یہ سب تیرے ساتھ ہیں ابنِ زیاد!" ــــ جولین نے طارق سے کہا ــــ "وہ تیری فتح کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے فریادیں کر رہے ہیں کہ راڈرک کی بادشاہی تباہ و برباد ہو جائے۔"

"مفتوحہ لوگوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنے کا حکم میرا نہیں" ــــ طارق بن زیاد نے کہا ــــ "یہ اللہ کا اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔"

۞

شاہِ اُندلس ایک لاکھ فوج کے ساتھ آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دارالحکومت طلیطلہ میں قیام نہیں کیا تھا۔ اُس نے پہلے ہی اطلاع بھجوا دی تھی کہ وہ طلیطلہ اپنے محل میں نہیں جائے گا اور شہر کے باہر کچھ دیر کے لیے رکے گا۔ وہ جب طلیطلہ کے مضافات میں پہنچا تو بہت سے سرکاری عہدیدار، درباری اور خوشامدی اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ان میں اُس کا شکست خوردہ جرنیل تھیوڈومیر بھی تھا۔

"کیا تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہو کہ میں تمہاری صورت دیکھوں؟" ــــ راڈرک نے اپنا سفید گھوڑا جس کا نام اوریلیا تھا، روک کر پوچھا ــــ "اپنے سے آدھی فوج سے شکست کھا کر میرے استقبال کے لیے کھڑے ہو۔ لعنت ہے تم پر۔"

"جرنیل اکیلا نہیں لڑا کرتا شہنشاہِ معظم!" ــــ تھیوڈومیر نے اپنے بادشاہ کا غصہ برداشت کرتے ہوئے کہا ــــ "میں اپنی فوج سے پہلے نہیں بھاگا تھا۔ پہلے فوج بھاگی تھی۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں وہاں مرنے کے لیے یا جنگی قیدی بننے کے لیے اکیلا کھڑا نہیں رہا۔"

راڈرک نے اس پر اور زیادہ غصہ جھاڑا اور اسے بہت برے طعنے دیئے۔ تھیوڈومیر آخر جرنیل تھا اور وہ کوئی معمولی جرنیل نہیں تھا۔ راڈرک اُس کی طاقت، تجربے اور عقل و دانش کا مداح تھا، اور تھیوڈومیر راڈرک کی کمزوریوں سے آگاہ تھا۔

"شہنشاہِ اندلس!۔۔۔۔ وہ آخر بول پڑا ۔۔۔ "آپ محل میں جاکر آرام کریں اور یہ ایک لاکھ فوج مجھے دے دیں۔ میں ان حملہ آوروں کو ایک ہی دن میں کچل کر سمندر پار چلا جاؤں گا اور یہ حملہ آور جس ملک سے آئے ہیں، اس ملک پر بھی آپ کا جھنڈا لہرا دوں گا.... مجھے طعنے دینے سے پہلے شہنشاہِ معظم اتنی ہی فوج ساتھ لے جائیں جتنی میرے پاس تھی.... پندرہ ہزار.... ایک لاکھ فوج کسی نالائق اور بزدل جرنیل کے پاس ہو تو وہ ہر طرح کی بڑھانک سکتا ہے۔"

راڈرک کی کوئی دکھتی رگ تھیوڈومیر کے ہاتھ میں تھی ورنہ اُس جیسا جابر اور ظالم بادشاہ تھیوڈومیر کو اس گستاخی کی بہت بڑی سزا دیتا۔ وہ چُپ رہا اور اُس نے منہ پھیر لیا۔ اُسے میرینا کھڑی نظر آئی جو محل کے حرم کی نگران اور منتظم تھی۔ راڈرک نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کورنش بجا لائی۔

"میرے لیے کیا حکم ہے شہنشاہ؟" ۔۔۔ میرینا نے پوچھا۔

"کیا تم نہیں جانتیں تمہارے لیے کیا حکم ہے؟" ۔۔۔ راڈرک نے کہا ۔۔۔ "کوئی نیا اضافہ؟"

"ہاں شہنشاہ!" ۔۔۔ میرینا نے کہا ۔۔۔ "کمسن اور بہت خوبصورت۔ ادھ کھلا پھول ہے .... کیا میں ساتھ چلوں شہنشاہ؟"

"اُسے ساتھ لے آؤ" ۔۔۔ راڈرک نے کہا ۔۔۔ "کوئی اور ہے تو اُسے بھی ساتھ لے آؤ اور تم بھی آجاؤ۔ عورتوں کی بگھیاں پیچھے ہیں۔"

میرینا نے شاہ راڈرک کو گہری نظروں سے دیکھا اور تعظیم بجا لا کر چلی گئی۔

ذرا پرے بڑی خوبصورت قناتیں کھڑی کر دی گئی تھیں اور ان پر شامیانہ تان دیا گیا تھا۔ ان کے اندر مخملیں قالین بچھا دیئے گئے اور شاہانہ کرسی رکھ دی گئی تھی جو تختِ طاؤس جیسی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شامیانے کے نیچے شاہ راڈرک کا دربار بنا دیا گیا تھا۔ راڈرک گھوڑے سے اُتر کر زرق برق کپڑوں کے بنے ہوئے اس دربار میں چلا گیا۔ چلتے چلتے اُس نے اپنے پیچھے آنے والے آدمیوں میں سے ایک کے کان میں کچھ کہا۔

"وہ حاضر ہے شہنشاہِ عالی مقام!" ۔۔۔ اس آدمی نے کہا اور پیچھے آتے ہوئے ایک آدمی کی طرف گیا۔

وہ کاہن قسم کا آدمی تھا جس کے متعلق راڈرک کو بتایا گیا تھا کہ وہ حاضر ہے۔ اُس کی عمر ستر برس سے اوپر لگتی تھی۔ اُس کی داڑھی لمبی اور دودھ جیسی سفید تھی۔ اُس نے کندھوں سے ٹخنوں تک لمبی سفید قبا پہن رکھی تھی۔ کمر سے لال رنگ کا کپڑا پیٹی کی طرح لپٹا ہوا اور سر پر کپڑے کی گول ٹوپی تھی۔ گلے میں سبز رنگ کے موٹے موتیوں کی مالا تھی اور اُس کے ایک ہاتھ میں چھوٹے موتیوں کی مالا تھی اور دوسرے ہاتھ میں گہرے بادامی رنگ کا عصا تھا جو اُس کے کندھے تک لمبا تھا۔ اوپر والا سرا سانپ کے پھیلے ہوئے پھن جیسا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا راڈرک تک پہنچا جو اپنے تخت پر بیٹھ چکا تھا۔ یہ کاہن لباس، عمر ڈیل ڈول اور گورے چہرے سے قابلِ احترام لگتا تھا لیکن راڈرک نے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ ساتھ

والی کرسی پر بیٹھ جاتے۔ اُسے اپنے سامنے کھڑا رہنے دیا۔
"اے بزرگ بوسجن!" ــــ راڈرک نے اُس سے پوچھا ــــ "کیا تم نے آنے والے وقت میں جھانک کے دیکھا ہے؟"
"دیکھا ہے شہنشاہ!" ــــ بزرگ بوسجن نے کہا ــــ "دُھند نظر آئی ہے جو کبھی گہری ہو جاتی ہے اور کبھی اس میں کچھ نظر آنے لگتا ہے۔"
"اور وہ کیا ہے جو نظر آنے لگتا ہے؟"
"وہی جو شہنشاہ نے اُس پُراسرار برج کے اندر دیکھا تھا" ــــ اس جلالی چہرے والے بوڑھے نے کہا۔
"کیا تمہیں وہ تمام منظر یاد ہے جو میں نے تمہیں سنایا تھا؟" ــــ راڈرک نے پوچھا۔
"مجھے کیا یاد نہیں شہنشاہ!" ــــ بوڑھے کاہن نے کہا ــــ "آپ کے اس غلام کی یادیں سمندر کی مانند ہیں۔"
"تم صرف اُس سوال کا جواب دو جو میں پوچھتا ہوں" ــــ راڈرک نے شہنشاہوں جیسے غصیلے لہجے میں کہا ــــ "ہمارے پاس فالتو باتیں سننے کا وقت نہیں.... اگر وہ منظر تمہیں یاد ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں تو بتاؤ کہ وہ اس لڑائی میں حقیقت تو نہیں بن جائے گا۔"
"ایک لاکھ فوج کے آگے کوئی حقیقت قائم نہیں رہ سکتی" ــــ بوڑھے نے کہا ــــ "یہ تو سمندری طوفان ہے جس کے آگے بند نہیں باندھے جا سکتے۔"
"ایک بات اور بتا" ــــ راڈرک نے کہا ــــ "ایک نوجوان لڑکی کو میں خوابوں میں دیکھتا رہتا ہوں۔"
"کس حالت میں شہنشاہ؟"
"اس حالت میں کہ وہ میرے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے" ــــ راڈرک نے جواب دیا ــــ "اُس کا سر نہیں ہوتا۔ کندھوں تک صرف دھڑ ہوتا ہے، پھر پلک جھپکتے اُس کے کندھوں پر سر نظر آنے لگتا ہے.... گردن، چہرہ اور سر.... وہ مجھے دیکھتی رہتی ہے.... ٹکٹکی باندھ کر .... مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ چند لمحوں بعد لڑکی کی آواز سنائی دیتی ہے ــــ 'تیری بادشاہی پر بھی گھوڑے دوڑیں گے۔ تیرا نام و نشان نہیں ملے گا' ــــ لڑکی کے ہونٹ نہیں ہلتے مگر آواز سنائی دیتی ہے۔"
"کیا شہنشاہ اس لڑکی کو پہچانتے ہیں؟" ــــ بوڑھے نے کہا ــــ "کیا ایسی کوئی لڑکی شہنشاہ کی زندگی میں کبھی آئی ہے؟"
"ہاں!" ــــ راڈرک نے جواب دیا ــــ "وہ پمپلونہ میں میری زندگی میں آئی تھی۔ وہ باغیوں کے سردار کی بیٹی تھی۔ کمسن تھی۔ میں نے اُسے پاس رکھا اور ایک رات اُس کی ایک گستاخی پر تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔"

راڈرک باغیوں کے لیڈر کی بیٹی الیستوریا کی بات کر رہا تھا۔ بوڑھے کاہن کے پوچھنے پر راڈرک نے اُسے پورا واقعہ سنا دیا۔

"کیا یہ کوئی بُرا شگون ہے؟" — راڈرک نے پوچھا اور کہا — "میرا یہ اعتراف بھی سن لو کہ میں جو کسی سے نہیں ڈرتا، اس لڑکی کو خواب میں دیکھ کر ڈر جاتا ہوں"۔

"شگون اچھا نہیں شہنشاہ!" — بوڑھے نے کہا — "کمسن کی بددُعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ وہ کہ جس نے سب کو پیدا کیا ہے، ہر کسی کے ساتھ انصاف کرتا ہے"۔

"اور میں جانتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ میں طاقت ہے جو بُرے شگون کا اثر زائل کر سکتی ہے" — راڈرک نے کہا — "یہ اس جادو کی طاقت ہے جس کے خالق یہودی ہیں، اور تم یہودیوں کے ربی ہی نہیں کاہن بھی ہو۔ میں نے تمہیں محل میں جو عظمت دے رکھی ہے، اس کے قابل میں کسی یہودی کو نہیں سمجھتا۔ تم واحد یہودی ہو جس پر میں نے اتنا کرم کیا ہے"۔

"کیا یہ غلام اس کرم کے قابل نہیں؟" — بوڑھے نے پوچھا — "کیا اتنی عظمت اس کا حق نہیں؟"

"ہے.... ضرور ہے" — راڈرک نے کہا — "میں تمہیں اس سے بھی بڑا صلہ دوں گا .... ایک کام فوراً کر دے۔ مجھ پر کوئی ایسا عمل کر کہ یہ لڑکی میرے خوابوں میں آنا چھوڑ دے اور میرے دل سے اس کا خوف نکل جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے ملک پر حملہ کرنے والوں کے سامنے جاؤں تو میرے دل پر خوف طاری ہو جائے"۔

یہ واقعہ ایک پرتگیزی تاریخ دان ڈی لومیگو، نے اپنی کتاب — "اندلوسیا کی کچھ حکایات" — میں قلمبند کیا ہے۔ اُس نے راڈرک کے فوراً بعد کے وقت کی تحریروں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ڈی لومیگو لکھتا ہے کہ راڈرک بے خوف بادشاہ اور میدانِ جنگ کا اندر جنگجو تھا لیکن اس کمسن لڑکی کے قتل کے بعد اس پر خوف سا طاری رہنے لگا تھا۔ یہ بوڑھا کاہن مذہبی پیشوا بھی تھا اور وہ جادو اور سحر کا خاص طور پر ماہر تھا۔ آنے والے وقت کی بھی خبریں سنا دیا کرتا تھا۔ راڈرک نے اُسے اپنے محل میں رکھ لیا تھا۔

راڈرک نے اُسے کہا کہ وہ اُسے اس لڑکی کے خوف سے نجات دلا دے اور پھر اپنی سحر کاری سے اس بُرے شگون کو اچھا بنا دے۔

یہودی کاہن نے راڈرک کے سر سے تاج اتار کر اُسی کی گود میں رکھ دیا اور اُس کا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اُس کا چہرہ ذرا اوپر کیا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے دونوں انگوٹھے اُس کے ماتھے پر رگڑنے لگا۔ اُس نے یہ عمل چند لمحے کیا اور راڈرک کے سر سے اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔ راڈرک نے اپنے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

"میں نے کچھ محسوس کیا تھا" — راڈرک نے کہا۔

"میں جانتا ہوں" — بوڑھے یہودی نے کہا — "اب یہ لڑکی شہنشاہ کے خوابوں میں نہیں آئے گی۔ خیالوں میں بھی نہیں آئے گی۔ شہنشاہ اس کے خوف سے آزاد ہو گئے ہیں"۔

"اور باقی کام؟" — راڈرک نے کہا — "تم نے کہا تھا کہ یہ شگون اچھا نہیں۔ اس کا کیا علاج کرو گے؟"
"کیا شہنشاہ اپنے غلام کو ایک نوخیز لڑکی دے سکتے ہیں؟"
"ایک نہیں، ایک سو کہو" — راڈرک نے کہا — "عمر کتنی ہو؟"
"اکیس سال سے کم!" — بوڑھے نے جواب دیا — "یہ لڑکی مجھے اپنے لیے نہیں چاہیئے۔ یہ لڑکی زندہ نہیں رکھی جائے گی۔ آج کی رات اُس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔ اس کا دل نکالوں گا۔ جسم کے اندر سے کچھ اور بھی نکالوں گا اور ساری رات ان پر سحر کا عمل کروں گا۔"
راڈرک نے اُسی وقت میرینا کو بلایا۔
تم نے ایک لڑکی کی بات کی تھی" — راڈرک نے کہا — "تم نے کہا تھا وہ کمسن ہے، اَدھ کھلا پھول ہے۔ اُس کی عمر کیا ہے؟"
"سولہ سترہ سال شہنشاہ!"
"اُسے آج رات اس کاہن کے حوالے کر دینا" — راڈرک نے کہا۔
"مجھے شہنشاہ نے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا ہے" — میرینا نے کہا۔
"تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی" — راڈرک نے کہا — "رات کو لڑکی کو ساتھ لے کر بوسیدہ جہاں کہے وہاں پہنچ جانا" — اس نے بوڑھے سے کہا — "اس عورت کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ اس نے کیا کرنا ہے۔"
میرینا بوڑھے یہودی کے ساتھ چلی گئی۔

٭

رات کا پہلا پہر کچھ گزر گیا تھا جب میرینا ایک خوبصورت لڑکی کو ساتھ لیے بوڑھے یہودی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ جس وقت راڈرک کے کہنے پر وہ اس بوڑھے کے ساتھ محل میں آئی تھی تو اُس نے بوڑھے سے کہا تھا کہ شہنشاہ نے اسے بہت ہی حسین انعام دیا ہے۔ یہ لڑکی تو اُس نے شہنشاہ کے لیے تحفے کے طور پر منگوائی تھی اور اسے شہنشاہ کے ساتھ جانا تھا۔
"کیا تم نے میرے کمرے میں کسی عورت کو آتے جاتے کبھی دیکھا ہے؟" — بوڑھے نے کہا تھا — "میں اس عمر میں نوجوان لڑکی کو کیا کروں گا؟ یہ لڑکی مجھے کسی اور مقصد کے لیے چاہیئے۔ یہ رات کو بتاؤں گا۔ تم نے صرف یہ احتیاط کرنی ہے کہ اس کا کسی کے ساتھ ذکر نہ ہو۔ اس راز کی قیمت تمہاری جان ہے۔ تم یقیناً اپنی جان گنوانا پسند نہیں کرو گی۔"
لڑکی بوڑھے ساحر کے کمرے میں داخل ہوئی تو ڈر گئی اور میرینا کے ساتھ لگ گئی۔ سامنے میز پر تین انسانی کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک دیوار پر لمبی کھونٹی سے ایک انسانی پنجر لٹکا ہوا تھا۔ اُس وقت تو لڑکی کی ہلکی سی چیخ نکل گئی جب بوڑھے نے لکڑی کے ایک بکس کا ڈھکنا اٹھایا تو اس میں سے دو کالے سانپوں نے سر اوپر اٹھائے اور دونوں نے

پھن پھیلا دیئے۔ اس یہودی ساحر نے بکس میں کوئی چیز پھینکی اور ڈھکنا بند کر دیا۔
کمرے میں ایسی بدبُو تھی جیسے کسی کی لاش گل سڑ رہی ہو۔ یہاں کوئی لاش نہیں تھی۔ یہ کئی ایک جڑی بُوٹیوں اور کیمیائی اشیاء کی بدبو تھی۔ بوڑھا اس کمرے میں مختلف اشیاء جلاتا رہتا تھا۔ کمرے کے ماحول پر ہیبت سی طاری تھی۔ کئی پوٹلیاں، چھوٹی بڑی ٹوکریاں اور صندوقچیاں بے ترتیب سے فرش پر پڑی تھیں۔ یہی بوڑھا جو چہرے مہرے، لمبی سفید داڑھی اور صاف ستھری قبا کی بدولت معزز، دانشور اور پُروقار لگتا تھا، اس کمرے میں آکر جیسے اس کا روپ بدل ہی گیا تھا۔ وہ ایک پُراسرار اور ڈراؤنی شخصیت بن گیا تھا۔
اُس نے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھولا اور میرینا سے کہا کہ وہ لڑکی کو اس کمرے میں بٹھا کر واپس آجائے۔ میرینا لڑکی کو اس کمرے میں لے گئی۔ یہ کمرہ صاف ستھرا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ ایک پلنگ اور پلنگ پر تکیے اور بڑا خوبصورت پلنگ پوش تھا۔ فرش پر قالین جیسی دری بچھی ہوئی تھی۔ چھت سے روشن فانوس لٹک رہا تھا۔ دوسرے کمرے کی بدبُو اس کمرے میں بھی تھی۔
"کہاں لے آئی ہو مجھے؟" ــــ لڑکی نے میرینا سے کہا ــــ "کیا یہ ہے شہنشاہ راڈرک؟ ....یہ فوج کا وہ جرنیل بھی نہیں جس کے لیے تم مجھے لائی تھیں؟ وہ تو فوج کے ساتھ آگے چلا گیا ہے۔"
راڈرک اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ کوچ کر گیا اور طلیطلہ سے بہت دُور نکل گیا تھا۔
"بادشاہ کے حکم نے وہ سارا کھیل بگاڑ دیا ہے جس میں مَیں نے تمہیں استعمال کرنا تھا" ــــ میرینا نے کہا ــــ "میں نے بھی تمہارے ساتھ بادشاہ کے ساتھ جانا تھا لیکن روک لی گئی ہوں۔"
"کیوں؟" ــــ لڑکی نے پوچھا اور کہا ــــ "میں اس بدبُودار کمرے میں اس بوڑھے کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ تم نے میرے باپ کو جو رقم دی تھی وہ واپس لے لینا۔"
"جلدی آؤ میرینا!" ــــ بوڑھے یہودی نے ساتھ والے کمرے سے کہا ــــ "اُسے وہیں رہنے دو۔"
"گھبراؤ نہیں لڑکی!" ــــ میرینا نے سرگوشی میں کہا ــــ "میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گی۔"
میرینا ساتھ والے کمرے میں بوڑھے کے پاس چلی گئی۔

⊙

"میں جانتا ہوں تم یہودی ہو" ــــ یہودی ساحر نے کہا ــــ "اور شاید تم جانتی ہو گی کہ میں بھی یہودی ہوں۔ تم نے میرا ساتھ دینا ہے۔ شہنشاہ کی فتح کے لیے میں نے ایک ایسا عمل کرنا ہے جس سے تم ڈر جاؤ گی۔ ڈرنا نہیں۔"
"کسی یہودی کو اس شہنشاہ کی فتح کے لیے کچھ نہیں کرنا چاہیئے" ــــ میرینا نے کہا ــــ

"اتنی زیادہ فوج سے وہ فتح حاصل کر ہی لے گا۔"
"میرے کام میں دخل نہ دو"۔۔۔ بوڑھے نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔۔۔ "شہنشاہ کے لیے دو شگون بہت خطرناک ہیں۔ ان کا اثر زائل کرنا ضروری ہے۔"
"سُنا ہے حملہ آوروں کی تعداد گیارہ بارہ ہزار ہے"۔۔۔ میرینا نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ "شہنشاہ کی ایک لاکھ فوج میں گیارہ بارہ ہزار تو گھوڑسوار ہوں گے۔ فتح ہمارے شہنشاہ کی ہوگی۔ آپ کو مفت میں انعام مل جائے گا۔"
"جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جان سکتیں"۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ "میں جو کہتا ہوں وہ کرو... میں نے اس لڑکی کے جسم سے جان نکالنی ہے۔ جونہی یہ آخری سانس لے گی، میں اس کا دل نکالوں گا پھر پیٹ چاک کر کے اپنے عمل کے لیے دو اور اعضا نکالنے ہیں۔ تم میری مدد کرو گی۔ جب کام ہو جائے گا تو لڑکی کی لاش کو غائب کرنا تمھارا کام ہوگا، اور یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ اس محل سے لاشیں غائب ہوتی ہی رہتی ہیں۔"
میرینا پر تو غشی طاری ہونے لگی تھی لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔
"اُسے لے آؤ"۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ "پیار سے.... دھوکے سے.... اُسے کچھ پتہ نہ چلے۔"

میرینا دوسرے کمرے میں گئی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے کام کی ایک چیز نظر آ گئی جو اُس نے اٹھالی اور لڑکی سے کہا کہ اُس کے ساتھ آئے۔
"اب کیا ہوگا؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔۔۔ "مجھے اِس بدبُودار بوڑھے کے پاس چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"
"میں کچھ کروں گی"۔۔۔ میرینا نے کہا۔۔۔ "ڈرنہ جانا۔ میری مدد کرنا۔"
دونوں بوڑھے ساحر کے کمرے میں چلی گئیں۔
"آ بیٹی!"۔۔۔ اُس نے لڑکی کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ "اِس میز پر بیٹھ جا ذرا..... مجھے اپنا باپ سمجھ۔"
لڑکی نے میرینا کی طرف دیکھا۔ میرینا نے اُسے سر سے اشارہ کیا کہ وہ میز پر بیٹھ جائے بوڑھا اُس کے قریب چلا گیا۔ اُس نے لڑکی کو کچھ سونگھا کر یا ہپناٹائز کر کے ختم کرنا تھا۔ بوڑھے کی پیٹھ میرینا کی طرف تھی۔ میرینا نے دوسرے کمرے سے ایک موٹا ڈنڈا اٹھایا جو اُس نے ہاتھوں میں لے کر اپنے پیچھے کیا ہوا تھا۔ اُس نے یہ ڈنڈا مضبوطی سے اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور پیچھے سے پُوری طاقت سے بوڑھے کے سر پہ مارا۔ فوراً بعد ایسی ہی زوردار ایک اور ضرب لگائی۔ بوڑھا غش کھا کر گرا۔
میرینا نے اُسے پیٹھ کے بل کیا۔ اُس کی چھاتی پر بیٹھ گئی اور اُس کی گردن دونوں ہاتھوں میں لے کر شہ رگ کو دبا لیا۔ بوڑھا تڑپا اور جلدی ہی بے حس ہو گیا۔ میرینا نے دوسرے کمرے میں لکڑی کا ایک بہت بڑا بکس دیکھا تھا۔ لڑکی کو ساتھ ملا کر لاش اٹھائی اور دوسرے

کمرے میں لے گئی۔

بکس کھول کر دیکھا۔ اس میں جو کچھ پڑا تھا وہ نکالا اور دونوں نے لاش اٹھا کر پیٹھ کے بل بکس میں رکھی اور ٹانگیں پیٹ پر دوہری کر کے بکس کا ڈھکنا بند کر دیا اور اس کا بولٹ چڑھا دیا۔

"اب اس کا راڈرک بادشاہ فتح حاصل کر کے واپس آئے گا" ــــ میرینا نے کہا ــ "چل لڑکی نکل یہاں سے۔"

"مجھے ڈر آتا ہے" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "یہ سب کیا تھا؟"

"یہ نہ مرتا تو تم مر جاتیں" ــــ میرینا نے کہا ــــ "ڈر دست۔ میں تمہیں صبح یہاں سے نکالوں گی کسی کے ساتھ ذکر نہ کر بیٹھنا۔"

دونوں وہاں سے نکل آئیں اور میرینا لڑکی کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ اُس نے اپنے لیے بہت بڑا خطرہ پیدا کر لیا تھا۔ راڈرک کی فتح کا ہر کسی کو یقین تھا۔ اتنی بڑی فوج کے سامنے کوئی فوج نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ یہ ایسی صورت تھی جو میرینا کو بچا سکتی تھی۔ راڈرک یہ سمجھتا کہ بوڑھے یہودی نے اُس کا بُرا شگون اچھا کر دیا تھا اور پھر کسی کے ہاتھوں قتل ہو گیا لیکن شکست خوردگی کی صورت میں راڈرک نے آکر طوفان کھڑا کر دینا تھا۔

میرینا نے فرار کا ارادہ کر لیا۔ اگلے روز اُس نے اُس لڑکی کا حلیہ بدلا اور اُسے محل سے نکال کر اُس کے گھر بھیج دیا اور خود ایک اور جگہ چلی گئی۔ یہ ایک بڑی حویلی تھی جس میں ایک گوتھ خاندان رہتا تھا۔ وہاں دو آدمی موجود تھے۔ میرینا نے انہیں بتایا کہ وہ بوڑھے یہودی ساحر کو قتل کر آئی ہے۔ اُس نے قتل کی وجہ بھی سنائی اور سارا واقعہ سنایا۔

"یہ تو تم نے اچھا کیا ہے" ــــ ایک آدمی نے کہا ــــ "اس معصوم لڑکی کو بچا لیا ہے۔ اب جو ہوگا دیکھ لیں گے۔"

"ہمیں ایسی امید تو نہیں رکھنی چاہیے کہ راڈرک زندہ واپس نہیں آئے گا" ــــ میرینا نے کہا ــــ "بربروں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔"

"وہ زندہ ہی واپس آئے گا" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ واپس آرہا ہوگا تو تم یہاں سے نکل رہی ہو گی۔ تمہیں زندہ وسلامت سیوستہ پہنچانا ہمارا کام ہے۔ دعا کرو کہ اوپاس زندہ رہے۔ ہم تمہیں اُس تک پہنچا دیں گے۔"

اُدھر شہنشاہ راڈرک جادوگری اور سحر کاری کا سہارا لے رہا تھا جیسے اُسے ایک لاکھ فوج پر بھروسہ نہیں تھا۔ اِدھر مسلمانوں کے کیمپ میں اللہ ہی اللہ تھا۔ طارق بن زیاد نے اپنی سپاہ کو بتا دیا تھا کہ اُن کے مقابلے میں آٹھ گُنا سے بھی زیادہ فوج آرہی ہے اور ہر مجاہد کا مقابلہ آٹھ آدمیوں سے ہوگا۔ ہر روز فجر کی نماز کے بعد اور جمعے کے خطبے میں اپنی فوج کو ایک تو اپنا وہ خواب سناتا جس میں اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی بشارت دی تھی اور اس کے علاوہ قرآن کی وہ آیات سناتا جن میں اللہ نے مومنین سے فتح و نصرت کے وعدے کیے ہیں:

"ایسا کئی بار ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے" ــــ یہ آیت پڑھ کر طارق اپنی فوج کو ذہن نشین کراتا تھا کہ چھوٹی جماعت کے افراد اور ان کا امیر اپنے آپ میں کون سی خوبیاں، صلاحیتیں اور زورِ ایمان کی قوت پیدا کرے تو اللہ اُسے بڑی جماعت پر غلبہ عطا کرتا ہے۔

طارق بن زیاد زیادہ تر زور پہلے پارے کی پچاسویں آیت پر دیا کرتا تھا ــــ "یاد کرو وہ وقت جب ہم نے دریا کو پھاڑ دیا اور تمہیں راہِ نجات دی تھی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا تھا" ــــ طارق اپنی فوج کو بتایا کرتا تھا کہ اس آیت میں اللہ کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جادوگروں کے چیلنج پر وہ معجزے دکھائے کہ طلسمِ سامری توڑ دیا اور فرعون کو انگشت بدنداں کر دیا تھا، اور بنی اسرائیل مصر سے بھاگے تو دریائے نیل نے ان کا راستہ روک لیا۔ آگے گہرا اور چوڑا دریا، پیچھے فرعون اور اُس کی فوج۔ موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا اور پانی کے درمیان رستہ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ گزر گئے مگر اس رستے پر فرعون اپنی فوج کے ساتھ آیا تو دریا کے دونوں حصے آپس میں مل گئے اور فرعون اپنی فوج سمیت غرقاب ہو گیا۔

"لیکن مجاہدینِ اسلام!" ــــ طارق اپنے خطبے میں کہتا تھا ــــ "اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس شب و روز کے لیے بلا لیا تو ان کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا.... اسلام کے نام پر سر کٹوانے والے مجاہدو! حالات کتنے ہی تمہارے خلاف کیوں نہ ہو جائیں، اللہ کی ہی عبادت کرنا۔"

اور ایسی ہی کئی اور آیات تھیں جو وہ اپنی فوج کو سناتا اور مجاہدین کے جذبوں میں ایمان کا الاؤ بھڑکاتا رہتا تھا۔ دن کے وقت وہ فوج کو اس علاقے میں لے جاتا جو اُس نے لڑائی کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اُس نے ایسا میدان بھی دیکھ لیا تھا جہاں اُس نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بکھیرنے کی کوشش کرنی تھی، اور اس نے پہاڑیوں اور ٹیکریوں کی درمیانی جگہوں کا بھی انتخاب کر لیا تھا جہاں اُس نے دشمن کے چند ایک دستوں کو گھنے ہجوم کی طرح لانا اور ان پر قہر نازل کرنا تھا۔ وہ اپنے دستوں کو اس طریقۂ جنگ کے مطابق جنگی مشقیں کرا رہا تھا۔

طارق بن زیاد کے لیے کوئی شگون اچھا نہیں تھا اور کوئی شگون بُرا نہیں تھا۔ وہ شگون کے لفظ سے ہی ناآشنا تھا۔

راڈرک کی فوج تیز و تند سیلاب کی طرح آ رہی تھی.... اس سیلاب کی طرح جس کے آگے بند نہیں باندھے جا سکتے۔

☆

میرینا اس حویلی میں جہاں وہ لڑکی کو لے گئی تھی، پہلے بھی کئی بار گئی تھی۔ وہ ہر بار ایک نئے بہروپ میں جاتی تھی۔ اس حویلی میں کوئی خصوصیت نہیں تھی۔ طلیطلہ شہر میں ایسی کئی اور حویلیاں تھیں جنہیں دیکھ کر لوگ کہتے تھے کہ یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں لیکن اس حویلی کے اندر ایسی خفیہ سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل ڈالی تھی۔

یہ سلسلہ اُس وقت شروع ہُوا تھا جب اوپاس پاگل بن کر میرینا سے جھیل پر ملا اور اُسے تفصیل سے بتایا تھا کہ اب موقع ہے جس سے یہودی اور گوتھ فائدہ اٹھا کر راڈرک کی بادشاہی ختم کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ جو یہودی اور گوتھ فوج میں ہیں وہ عین لڑائی کے دوران مسلمانوں سے جا ملیں اور راڈرک کو نقصان پہنچائیں۔

میرینا یہودن تھی۔ کچھ اس وجہ سے اس کا ذہن سازشی تھا لیکن میرینا کے دل میں راڈرک کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راڈرک نے اس کی محبت کا خون کر دیا تھا۔ وہ اوپاس کو چاہتی تھی۔ اوپاس اسے بیس سال بعد طلیطلہ کی جھیل پر ملا تو میرینا کے دل کے زخم پھر کھل گئے۔ اُس نے اوپاس کی بات سن کر کہا تھا کہ وہ راڈرک کی پیٹھ میں خنجر گھونپے گی۔

راڈرک ابھی میپلونہ سے چلا ہی تھا۔ راستے میں اُس کی فوج میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ میرینا نے اُس کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا بندوبست اُسی رات شروع کر دیا تھا۔ اُس کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی تھی اور اُسے بادشاہ تک رسائی بھی حاصل تھی۔ محل کے اندر کی پُراسرار دنیا میں اُس کا اثر و رسوخ چلتا تھا۔ محل میں گوتھ قوم کے تین چار آدمی بڑے اچھے رُتبوں اور عہدوں پر موجود تھے اور ایک دو یہودیوں کو بھی ایسے ہی رُتبے حاصل تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اندلس میں سب سے زیادہ مظلوم قوم یہودی تھی۔ یہودیوں کی اکثریت غریب تھی۔ وہ ایک دو یہودی جو راڈرک کی حکومت کے اہم کل پُرزے بن گئے تھے، اتنے چالاک اور ہوشیار تھے کہ اتنے اچھے عہدوں پر پہنچ گئے تھے۔

ان کے میرینا کے ساتھ اچھے مراسم تھے۔ میرینا خود بھی یہودی تھی اس لیے اُس کے دل میں اُن کی ہمدردی تھی لیکن ان کے ساتھ ابھی وہ ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی کہ راڈرک سے غداری کریں۔ وہ اس حویلی میں چلی گئی۔ یہ ایک گوتھ خاندان کی حویلی تھی۔ گوتھ قوم کو سرکاری طور پر اچھی پوزیشن حاصل تھی۔ انہیں فوج میں اور انتظامیہ میں بھی عہدے حاصل تھے۔ اس حویلی میں رہنے والے خاندان کے بڑوں میں راز کی ایک بات یہ تھی کہ وہ وٹیزا کو نہیں بھولے تھے اور انہیں رنج تھا کہ راڈرک نے وٹیزا کے خلاف بغاوت کی تھی اور اُسے قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا اور گوتھ قوم کی بادشاہی ختم ہو گئی۔

اس حویلی میں رہنے والوں میں سے ایک کا نام زیواس تھا جو اوپاس کا بچپن کا دوست تھا۔ میرینا اُسے ملی اور اوپاس کی غیر متوقع ملاقات سنائی اور وہ باتیں بھی سنائیں جو اوپاس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ زیواس نے بلا حیل و حجت اس تجویز کو تسلیم کر لیا۔ اُس نے اپنے باپ اور بھائیوں سے بھی میرینا کو ملوایا اور بتایا کہ اوپاس میرینا کو کیا کہہ گیا ہے۔

"بہت اچھی بات ہے" — زیواس کے باپ نے کہا — "اور یہ تجویز جتنی اچھی ہے اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ کوئی بھی نہیں مان سکتا کہ اتنی کم تعداد میں حملہ آور اُندلس کی ایک لاکھ فوج کو شکست دے سکیں گے.... ناممکن.... اگر گوتھ اور یہودی غداری کریں بھی تو ان

کی تعداد کتنی ہوگی.... پندرہ نہیں تو بیس ہزار ہوگی۔ یہ حملہ آوروں سے مل کر کیا کرلیں گے؟ فتح راڈرک کی ہوگی، پھر جانتے ہو کیا ہوگا؟ راڈرک ایک بھی غدار کو زندہ نہیں چھوڑے گا اور گوتھوں اور یہودیوں کے گھروں کا جو حال کر دیا جائے گا وہ بڑا ہی بھیانک ہوگا۔"

"اوپاس کا خیال کچھ اور ہے" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "وہ کہتا ہے کہ مسلمان لڑنے کے اتنے ماہر ہیں کہ انہوں نے تھیوڈومیر کی فوج کو جو اُن سے دُگنی تھی، ذرا سی دیر میں بھگا دیا۔ آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، تھوڑی سی بھاگ نکلی اور باقی سب مسلمانوں کی قیدی ہو گئی.... آپ سب بزرگ آپس میں صلاح مشورہ کرلیں۔ اوپاس ایک بار پھر آئے گا۔ میں اُسے آپ کے پاس پہنچا دوں گی۔"

"اپنے یہودی بڑوں سے بھی بات کر لو" ـــــ زلیواس کے باپ نے کہا۔

☆

میرینا نے اس مہم میں دن رات ایک کر دیا۔ وہ یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں سے ملی دانشوروں سے ملی اور ایک رات تین چار یہودی زلیواس کی حویلی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تین چار گوتھ بھی تھے۔ وہ سب اسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔ میرینا خاموشی سے سن رہی تھی۔

"ہم صرف ایک پہلو پر غور کرنا چاہتے ہیں" ـــــ ایک بوڑھے یہودی نے کہا ـــــ "آج ہم راڈرک کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور مویشیوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ راڈرک سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہم حملہ آوروں کی مدد کریں گے۔ فتح اُن کی ہوئی تو راڈرک کی جگہ حملہ آور قوم ہم پر بادشاہی کرے گی۔ یہ مسلمان قوم ہے۔ ہم جو یہودی ہیں، مسلمانوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن جائیں گے۔ ہمارا منصوبہ یہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کی مدد ایسے طریقے سے کریں کہ وہ راڈرک کو شکست دے سکیں اور اس کے فوراً بعد ہم مسلمانوں پر ہلّہ بول دیں اور انہیں ختم کریں۔ اس کے بعد اندلس پر گوتھ اور یہودی مل کر بادشاہی کریں۔"

میرینا کو اوپاس کا سارا منصوبہ برباد ہوتا نظر آیا۔ اُس نے جھیل پر اوپاس سے اپنے متعلق کہا تھا ـــــ "میں کسی کی بیوی نہ بن سکی۔ ماں نہ بن سکی۔ میں شیطان بن گئی۔ مجھ میں شیطانی خصلتیں پیدا ہو گئیں" ـــــ اُس نے ٹھیک کہا تھا۔ اب اُس نے بوڑھے یہودی کی بات سنی تو اُس کے دماغ نے فوراً ایک جھوٹ سوچ لیا۔

"یہ مسلمان یہاں بادشاہی کرنے نہیں آئے" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "اوپاس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ لوگ لوٹ مار کرنے آئے ہیں۔ ان کی جھولیاں بھر جائیں گی تو یہ واپس چلے جائیں گے۔ یہ بھلا ممکن ہو سکتا ہے کہ آٹھ دس ہزار آدمیوں کا ایک گروہ اتنے بڑے ملک کو فتح کرنے کی امید لے کر آیا ہو۔ اوپاس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اور جولین ان مسلمانوں کو راڈرک کا تختہ اُلٹنے کے لیے لایا ہے اور اس نے انہیں لالچ دیا ہے کہ اندلس کے شاہی خزانے میں

اتنے زیادہ زروجواہرات اور سونا وغیرہ ہے جو سینکڑوں اونٹوں پر لادا جا سکتا ہے.....
آپ ان سے ڈریں نہیں۔ یہ فوج نہیں یہ لٹیروں کا گروہ ہے۔"
"پھر یوں کہو کہ تم مسلمانوں سے واقف نہیں" ـــــ بوڑھے یہودی نے کہا ـــــ "یہ جہاں جاتے ہیں تھوڑی تعداد میں جاتے ہیں اور بڑی سے بڑی فوج کو شکست دے کر اطاعت قبول کروا لیتے ہیں۔ انہوں نے قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے فارس اور روما کی اتنی زبردست بادشاہیاں ختم کر ڈالی ہیں۔ دیکھ لو، اسلامی سلطنت کتنی وسیع و عریض ہو گئی ہے۔ یہ لوگ لٹیرے نہیں۔ یہ مسلمان غیر مسلم قوموں کے خلاف لڑنے کو ایک عقیدہ اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔"
بوڑھا یہودی مسلمانوں کی شجاعت اور فتوحات کی تاریخ سناتا چلا جا رہا تھا۔ میرینا نے اُسے روک دیا۔
"قابلِ احترام بزرگ!" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "آپ عرب کے مسلمانوں کی بات کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان جو اندلس میں آ گئے ہیں، یہ بربر ہیں۔ جنگ و جدل اور لوٹ مار ان کا آبائی شغل اور پیشہ ہے۔ ان کا جرنیل بھی بربر ہے۔ یہ جنگلی قوم ہے جو قبیلوں میں بٹی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے ملک میں کون سی بادشاہی قائم کر رکھی ہے کہ یہ ہمارے ملک میں بادشاہی قائم کریں گے!"
میرینا نے اپنے جھوٹ کو پُراثر استدلال سے سچ ثابت کر دیا اور بزرگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔

☆

دو تین دنوں بعد جب راڈرک طلیطلہ سے تین چار دنوں کی مسافت دُور رہ گیا تھا، اوپاس ایک تارک الدنیا مذہبی پیشوا کے بہروپ میں طلیطلہ چلا گیا اور اُس نے میرینا سے ملنے کا ایک ذریعہ پیدا کر لیا۔ میرینا نے اُسے اُسی حویلی میں بھجوا دیا۔ میرینا نے اُسے بتا دیا تھا کہ ایک یہودی دانشور نے کیا باتیں کی تھیں اور اُس نے اس یہودی کو کیا کیا دلیلیں دے کر اپنا ہم خیال بنایا ہے۔
رات کو میرینا بھی وہاں پہنچ گئی۔ گوتھوں اور یہودیوں کے بزرگ آئے ہوئے تھے اوپاس چونکہ گوتھ تھا اور راڈرک نے گوتھوں کی بادشاہی کا تختہ اُلٹا تھا اس لیے اوپاس نے گوتھ قوم کے بزرگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ یہودیوں کے بڑے اپنی قوم کے مفاد کی ہی بات کرتے تھے
"کیا آپ بھول گئے ہیں؟" ـــــ اوپاس نے یہودیوں کے بزرگوں سے کہا ـــــ "یہ بات کوئی زیادہ پرانی تو نہیں ہوئی کہ آپ کو یاد نہ رہی ہو۔ گوتھوں نے اپنے دورِ حکومت میں یہودیوں کو حق تلفی اور بے انصافی سے نجات دلا دی تھی۔ میرے بھائی وِٹیزا کو اسی جرم کی سزا دی گئی تھی کہ اُس نے یہودیوں کو وہی حقوق اور مراعات دے دی تھیں جو گوتھوں کو حاصل تھیں آپ ہمارا ساتھ دیں۔ معاشرے میں یہودیوں کو عزت اور تکریم اسی ذریعے سے ملے گی۔ ان بربروں نے مال و دولت سمیٹ کر واپس چلے جانا ہے۔"
اُس رات ایک منصوبہ تیار ہو گیا اور اگلے ہی روز اس پر کام شروع ہو گیا۔ ایک گوتھ جرنیل

قائل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ طلیطلہ میں راڈرک کا انتظار کر رہا تھا۔ میرینا نے اپنا جادو چلا لیا۔ جرنیل دراصل بادشاہ کا خوشامدی تھا۔ میرینا نے اسے ایک نوخیز لڑکی کی جھلک دکھائی۔ جرنیل نے کہا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ لڑائی میں لے جائے گا۔

"شہنشاہ آپ کے لیے مشکل پیدا کر دے گا" ___ میرینا نے کہا ___ "وہ اتنی دلکش لڑکی آپ کے پاس نہیں رہنے دے گا۔ میں یہ لڑکی شہنشاہ کو پیش کروں گی۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گی۔ یہ آپ کے پاس آجایا کرے گی۔ آپ یہ کام کر دیں جو میں نے آپ کو بتایا ہے.... میں آپ سے یہ وعدہ بھی کرتی ہوں کہ شہنشاہ راڈرک مارا گیا تو میں آپ کو نئے بادشاہ سے بہت بڑی جاگیر دلواؤں گی۔"

میرینا نے اس یہودی لڑکی کو بتا دیا تھا کہ اس جرنیل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ دھوکہ دے سکتا ہے۔ میرینا نے لڑکی کو ایک سفوف دیا اور کہا کہ رات کو اس کے خیمے میں جا کر اسے شراب پلانا اور شراب میں چٹکی بھر یہ سفوف ملا دینا۔ یہ سفوف زہر نہیں تھا۔ اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ذہن ماؤف اور جسمانی قوت کمزور ہو جاتی تھی۔ اس جرنیل کو لڑائی کے دوران بیکار کیے رکھنا تھا۔

یہ سفوف راڈرک کو ہی پلا دیا جاتا تو گوتھوں اور یہودیوں کا مسئلہ حل ہو جاتا لیکن یہ ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ اگر راڈرک عام پانی پیتا تھا تو وہ دو آدمیوں کو پلا کر پیتا تھا۔ اُس کا کھانا تیار ہو رہا ہوتا تو اُس کے اپنے قابلِ اعتماد دو تین آدمی باورچی خانے میں موجود رہتے تھے۔ مختصر یہ کہ راڈرک کو کسی کا کچھ کھلانا پلانا ناممکن تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ بادشاہ ایسی احتیاط کیا ہی کرتے ہیں۔

لیکن راڈرک کو احساس تھا کہ وہ کس قدر جابر اور ظالم ہے اس لیے وہ مظلوموں کے انتقام سے ڈرتا تھا۔

راڈرک طلیطلہ پہنچ گیا۔ اُس نے یہودی ساحر بلا لیا اور اس لڑکی کے لیے حالات بدل گئے۔ وہ راڈرک کے ساتھ جا ہی نہ سکی۔ میرینا نے اسے ٹریننگ دے کر تیار کر لیا تھا۔

☆

گوتھ اور یہودی بڑوں نے اوپاس کے ساتھ جو منصوبہ بنایا تھا، اس کے مطابق تقریباً ڈیڑھ سو جوان تیار کر لیے گئے۔ راڈرک طلیطلہ پہنچا تو گوتھوں اور یہودیوں نے انہیں اُس کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ رضاکارانہ طور پر فوج میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور یہ معمولی سپاہی نہیں بنیں گے بلکہ یہ تربیت یافتہ جانباز ہیں۔ راڈرک سے یہ بھی کہا گیا کہ شب خون کے ماہر ہیں اور یہ حملہ آوروں کو راتوں کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔

راڈرک جس روز طلیطلہ پہنچا اس سے ایک روز پہلے اوپاس واپس چلا گیا تھا۔ اسی رات اُندلس کی فوج کے وہ چھوٹے بڑے کمانڈر جو گوتھ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ایسی جگہ اکٹھے بیٹھے تھے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان میں دو عہدیدار یہودی بھی تھے۔ انہوں نے سرگوشیوں میں بہت باتیں کیں اور ادھر اُدھر ہو گئے۔

دوسرے روز جب ایک لاکھ فوج جس میں ہزارہا گھوڑے تھے، حملہ آوروں کو اُندلس سے نکالنے کے لیے طوفان کی طرح جارہی تھی تو سپاہی حملہ آوروں کے متعلق عجیب و غریب اور ڈراؤنی سی کہانیاں سن رہے تھے اور سنا بھی رہے تھے۔

"تھیوڈومیر جیسا جرنیل انہیں دیکھ کر ہی بھاگ آیا تھا۔"

"کہتے ہیں وہ چند ہزار ہیں لیکن لاکھوں پر بھاری ہیں۔"

"ان کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا۔ ہوا میں تیر چلا دیتے ہیں اور تیر خود ہی کسی آدمی کو دیکھ کر اس کے سینے میں اُتر جاتا ہے۔"

"ان کا ایک پیادہ چار چار چھ چھ سواروں کا مقابلہ کرتا اور سب کو کاٹ کر گرا دیتا ہے۔"

"اوئے بھائیو! خود تھیوڈومیر نے بادشاہ کو بتایا ہے کہ وہ انسان نہیں جن بھوت ہیں۔"

"وہ تو سُنا ہے کہ کشتیوں میں نہیں آئے بلکہ اتنا لمبا چوڑا سمندر اُنہوں نے تیر کر پار کیا ہے۔"

"میں نے تو یہ بھی سُنا ہے کہ وہ تیرتے نہیں بلکہ پانی پر چلتے ہیں، ڈوبتے نہیں۔"

اور ایسی اور بھی بہت سی باتیں تھیں جو راڈرک کی فوج میں کوچ کے دوران پھیلتی چلی جارہی تھیں۔ سننے والے ان میں اضافے کرکے دوسروں کو سنا رہے تھے اور فوج میں خوف اور ہراس پیدا ہوتا چلا جارہا تھا۔ صرف ایک بات ایسی تھی جو سپاہیوں کے لیے خوش آئند اور اُمید افزا تھی ــــ "جتنے زبردست، ظالم اور خوفناک ہیں، اتنے ہی رحمدل اور نرم ہیں لیکن صرف ان کے لیے جو اُن کے آگے ہتھیار ڈال کر اُن کی قید میں چلا جاتا ہے۔"

یہ دہشت اُس پلان کے مطابق پھیلائی جارہی تھی جو گوتھ اور یہودی بڑوں نے تیار کیا تھا۔ یہ اُس پلان کا ایک حصہ تھا جو اوپاس نے خاص طور پر اس میں شامل کیا تھا۔ وہ جو ڈیڑھ سو آدمی شب خون مارنے کے ماہر اور جانباز بتا کر اس فوج میں شامل کئے گئے تھے، یہ اُن کا کام تھا اور اُنہوں نے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔

ایک اور مؤرخ آرتھر گلمین نے جو جنگی مبصر بھی تھا، اپنی انگریزی کتاب ــــ "مسلمانوں کی کہانی" ــــ میں لکھا ہے کہ اُندلس کی فوج پر یہ ایک نفسیاتی حملہ تھا جو طارق بن زیاد نے کیا تھا۔ اُس نے اوپاس کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ اُندلس کی فوج میں چند ایسے ذہین اور چرب زبان آدمی شامل کرنے کا بندوبست کرے جو مسلمانوں کے متعلق دہشت ناک افواہیں پھیلادیں۔ اوپاس نے گوتھ قوم کے لیڈروں تک یہ بات پہنچادی اور اُنہوں نے یہ بندوبست کر دیا تھا۔ آرتھر گلمین لکھتا ہے کہ طارق بربر (طارق بن زیاد) کا یہ حملہ کامیاب تھا۔

☆

اِدھر مسلمانوں کے کیمپ میں فتح کی دعائیں مانگی جارہی تھیں، اُدھر یہودیوں اور گوتھوں کی عبادت گاہوں میں راڈرک کی شکست کی دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ ان دونوں قوموں کے لوگ

اس قسم کی باتیں کرتے تھے کہ راڈرک کو شکست ہوگئی اور وہ مارا گیا تو بادشاہی اپنی ہی ہے حملہ آور تو قزاق ہیں۔ لوٹ مار کرکے واپس چلے جائیں گے۔

راڈرک کی فوج دریائے گادیت تک پہنچ گئی۔ طارق بن زیاد کو اطلاع ملی تو وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک قریبی پہاڑی پر جا چڑھا۔ دریا کے پار دُور دُور تک اُسے انسان اور گھوڑے نظر آتے تھے۔ اس نے اتنی بڑی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُسے پہلے بتا دیا گیا تھا کہ راڈرک کی فوج کی نفری ایک لاکھ ہوگی۔

"اللہ... میرے اللہ!" — طارق نے دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف اُٹھائے اور گڑگڑایا — "اپنے نام کی لاج رکھ لینا۔ ہم تیرے نام پر کفر کے خلاف لڑنے آئے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

طارق بن زیاد نے اپنی فوج کو دریا سے تقریباً ایک میل پیچھے رکھا تھا۔ وہ راڈرک کی فوج کو دریا کے اپنی طرف والے کنارے پر لانا چاہتا تھا تاکہ اس فوج کے پیچھے دریا ہو۔ اس نے اپنے چند ایک دستے سامنے رکھے تھے۔ باقی سب دستے پہاڑیوں کے اندر تھے۔

طارق نے دیکھا کہ راڈرک کی فوج نے کشتیوں کا پل بنانا شروع کر دیا۔ یہ کام حیران کن تیزی سے ہو رہا تھا۔

"یہ تو بہت تیز معلوم ہوتے ہیں" — طارق کو اپنے قریب ایک آواز سنائی دی۔

طارق نے اُدھر دیکھا۔ مغیث الرومی اور ابوزرعہ طریف اُس کے پاس کھڑے تھے۔

"ہم اس فوج کو جلدی بھگا دیں گے" — طارق نے کہا۔

"اگر یہ لڑنے میں بھی ایسے ہی تیز ہوئے تو —" ابوزرعہ طریف بولتے بولتے چپ ہوگیا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ان کی تیزی کی وجہ کیا ہے؟" — طارق نے کہا — "ان پر برستے ہوئے کوڑے دیکھو۔ یہ سپاہی کسی جذبے سے یہ کام نہیں کر رہے، ان سے یہ کام کوڑے کروا رہے ہیں جو اُن کے عہدیدار ان پر برسا رہے ہیں۔ کیا ان کے سالار انہیں کوڑے مار مار کر لڑائیں گے؟"

طارق بن زیاد کے دونوں سالاروں نے غور سے دیکھا۔ دریا پر فرعونوں کے وقتوں کا منظر بنا ہوا تھا۔ چند آدمی کام کرنے والے آدمیوں پر کوڑے گھما رہے تھے۔ جہاں کوئی آدمی سستی کرتا اُس کی پیٹھ پر زناٹے سے کوڑا پڑتا۔

"لڑائی کوڑوں سے نہیں جذبوں سے لڑی جاتی ہے" — طارق نے کہا — "اور پھر جس قوم کے عہدیدار اپنے ماتحتوں کو اپنا غلام سمجھ لیں اور بادشاہ اپنی رعایا کے لیے فرعون بن جائیں، اس قوم کا مقدر تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ اونچ نیچ قوموں کو تباہ کرتی ہے۔ ہمارے سپاہیوں میں جذبہ ہے۔ سالار ہو یا سپاہی، سوار ہو یا سائیس، سب کے دلوں میں ایک اللہ اور ایک رسولؐ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم میں مساوات ہے۔ کسی کا اللہ دوسرے کے

اللہ سے بڑا یا چھوٹا نہیں۔ محل ہو یا مٹی کا جھونپڑا، اللہ دونوں میں ایک جیسا ہے اور بڑائی صرف اللہ کی ہے۔"

"لیکن اتنی زیادہ فوج؟" ــــ ابوزرعہ طریف نے کہا۔

"اپنی اپنی جگہوں پر چلے جاؤ" ــــ طارق نے کہا ــــ "اللہ نے ہماری فتح کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں جن کی مجھے توقع نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت غلط نہیں ہو سکتی لیکن میں صرف خواب دیکھنے والا آدمی نہیں۔ اللہ انہیں ملتا ہے جو اللہ کو ڈھونڈتے ہیں اور اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو جدّوجہد کرتے ہیں.... اب اپنے ہوش ٹھکانے رکھو۔"

☆

راڈرک کی فوج ساری رات دریا پار کرتی رہی۔ صبح طلوع ہوئی تو دریا کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوتے وسیع وعریض میدان میں راڈرک کی ایک لاکھ فوج لڑائی کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس مقام کا نام میدینا سیدانا تھا اور یہ ۷۱۱ء کی آخری سہ ماہی کا ایک دن تھا معروف مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ طارق بن زیاد گھوڑے پر سوار اپنی سپاہ کے سامنے آیا اور بڑی ہی بلند اور گرجدار آواز میں بولنے لگا:

"اسلام کے مجاہدو! تمہارے آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر ہے تمہارے لیے بھاگنے کا کوئی رستہ نہیں۔ تمہارے سامنے صرف ایک رستہ ہے ــــ شجاعت اور فتح ــــ دشمن کی تعداد سے نہ ڈرو۔ ڈرو اس شکست سے جو تمہیں بے وقار کر دے گی۔"

یہی یورپی مؤرخ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی فوج نے کڑکتی بجلیوں کی طرح نعرے لگائے ــــ "ہم تمہارے ساتھ ہیں طارق! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

اُندلس کی فوج کی طرف سے اعلان ہُوا ــــ "تم جو کوئی بھی ہو واپس چلے جاؤ۔ شہنشاہِ اُندلس جس کی شہنشاہی ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی ہے اور جس کی تلوار کے ڈر سے سارا یورپ لرزتا ہے، تم پر یہ کرم کرتا ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ تو شہنشاہ کی تلوار نیام میں رہے گی۔ اگر نہیں تو اپنا انجام سوچ لو۔"

طارق بن زیاد کو بتایا گیا کہ اُدھر سے کیا اعلان ہُوا ہے۔ طارق نے اس کا جواب بتا کر کہا کہ ان کی زبان میں یہ اعلان کیا جائے۔ اعلان کے جواب کے لیے ادپاس گھوڑے پر سوار آگے بڑھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا:

"شہنشاہِ اُندلس کو طارق بن زیاد کا سلام پہنچے۔ شہنشاہِ معظم! ہم واپس نہیں جا سکتے۔ ہم نے اپنے جہاز بھی جلا ڈالے ہیں اور کشتیاں بھی۔ ہم شہنشاہ کے اس کرم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمارے لیے دریا پر کشتیوں کا پُل بنا دیا ہے۔ ہم اللہ کے حکم سے آئے ہیں۔ اُندلس کے شہنشاہ کے حکم سے واپس نہیں جائیں گے۔"

اُدھر سے اب بربر زبان میں اعلان ہُوا۔ اعلان کرنے والا کوئی جرنیل تھا:
"شہنشاہ راڈرک کے مقابلے میں آؤ گے تو اللہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ تم قزاقوں کا گروہ ہو۔ ہم تمہیں آخری بار ...."
بربروں کی طرف سے تین کمانوں سے تیر نکلے اور تینوں اس جرنیل کے سینے میں اُتر گئے وہ اپنے گھوڑے پر دوہرا ہُوا پھر ایک طرف کو لڑھک کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ دو اُندلسی گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے آئے اور اپنے مرتے ہوئے جرنیل کو اُسی کے گھوڑے پر ڈال کر لے گئے۔

☆

راڈرک اپنی فوج کے آگے نہیں تھا۔ اس کا پرچم پیچھے نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے سفید گھوڑے اوریلیا پر سوار تھا۔ اسے جب اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے اس کے فلاں جرنیل کو مار ڈالا ہے تو اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ فنِ حرب و ضرب کا وہ اُستاد تھا اور جارحانہ قیادت میں وہ شہرت رکھتا تھا۔ اُس نے لڑائی کا جو پلان بنایا تھا وہ اس کے جرنیلوں نے ازبر کر رکھا تھا۔
"دو دو تین تین دستوں سے حملہ کیا جائے گا" ـــ اُس نے اپنے جرنیلوں سے کہا تھا ـــ "ایک ہی بار ہجوم کی طرح حملہ کرو گے تو تمہارے گھوڑے تیروں سے زخمی ہو کر اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھریں گے۔ ہجوم کی صورت میں اپنے سپاہیوں کو لڑنے اور پینترے بدلنے کے لیے کھلی اور کافی جگہ نہیں ملے گی۔ ہر حملہ کم دستوں سے اور تازہ دم دستوں سے ہوگا۔ دشمن کی تعداد تھوڑی ہے۔ اسے مسلسل لڑاتے رہو۔ لڑائی ایک ہی دن میں ختم نہیں کرنی۔ اسے لمبا کھینچنا ہے تاکہ دشمن ہماری تلواروں سے کٹتا رہے اور نڈھال ہو کر بغیر کٹے گر پڑے۔"
"جم کر کہیں بھی نہیں لڑنا" ـــ طارق بن زیاد نے اپنے تمام چھوٹے بڑے کمانڈروں کو ذہن نشین کرایا تھا ـــ "ضرب لگاؤ اور بھاگو۔ بھاگو بکھر کر تاکہ تمہارے تعاقب میں آنے والا دشمن بھی بکھر جائے۔ دشمن کو اپنے پیچھے پہاڑیوں کے اندر لاؤ۔ اسے تیر انداز سنبھال لیں گے۔"
طارق کا پلان موبائل لڑائی کا تھا۔ اتنی بڑی فوج کے مقابلے میں جم کر وہ لڑ ہی نہیں سکتا تھا لیکن موبائل لڑائی کوئی آسان طریقۂ جنگ نہیں تھا۔ یہ کوئی بڑا ہی قابل جرنیل لڑا سکتا ہے۔
راڈرک نے حملے کا حکم دے دیا۔ طارق نے تین چار دستے آگے کیے جو اس طرح لڑنے لگے جیسے انہیں بھاگنے کی جلدی ہو۔ وہ اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے کہ اُندلسی کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ مسلمان ایک پہاڑی کے دامن میں آکر دائیں بائیں ہو گئے

اور پہاڑی کی ڈھلان سے اُندلسیوں پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برس پڑا۔ یہ پھینکنے والی برچھیاں تھیں جو مسلمان کم ہی استعمال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے برچھیوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھیوڈومیر کی فوج سے حاصل کیا تھا اور طارق بن زیاد نے اپنی فوج کو برچھیاں نشانے پر پھینکنے کی مشق کرائی تھی۔

طارق کے جو دستے دائیں بائیں ہو گئے تھے، وہ دائیں اور بائیں جا کر اکٹھے ہو گئے۔ دشمن کے دستے سامنے سے تیر اور برچھیاں کھا کر گرنے اور پیچھے کو بھاگنے لگے تو دائیں اور بائیں سے اُن پر مسلمانوں نے ہلّہ بول دیا۔ وہ بے ترتیب ہو کر افراتفری کی حالت میں بھاگ رہے تھے۔ اپنے دفاع میں لڑنے کی حالت میں نہیں تھے۔ وہ بُری طرح کٹ رہے تھے۔

جنگی چالوں کی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سپہ سالار کی جنگی چالیں اُس کی عسکری قابلیت اور ذہانت کا پتہ دیتی تھیں لیکن مسلمانوں کی جو دہشت اُندلس کی فوج پر جنگ سے پہلے ہی طاری ہو گئی تھی، اس نے اُن کے لڑنے کے جذبے کو بہت کمزور کر دیا تھا۔

اُس روز راڈرک نے اپنے چند اور دستوں سے حملہ کرایا۔ انہیں سختی سے کہا گیا تھا کہ مسلمان پیچھے ہٹیں تو وہ اُن کے پیچھے نہ جائیں۔ اب کے مسلمانوں نے پیچھے ہٹنا ہی نہیں تھا۔ ان پر حملہ آیا تو وہ ٹولیوں میں بٹ گئے اور ٹولیاں دُور دُور بکھر گئیں۔ اس کے مطابق اُندلسی دستے بھی بکھر گئے۔ مسلمانوں کی ٹولیوں نے انہیں بکھیر کر ان پر ایسا ہلّہ بولا کہ اُندلسیوں کا بے تحاشہ جانی نقصان ہونے لگا۔ مسلمان گھوم پھر کر اور بھاگنے کے انداز سے لڑ رہے تھے۔

پھر اچانک ایسے ہُوا کہ مسلمان اکٹھے ہو گئے اور نیم دائرے کی شکل میں ہو کر راڈرک کے ان دستوں کو گھیر لیا۔ وہ اندر کی طرف دبتے گئے اور وہ ایسی بُری پوزیشن میں آ گئے کہ ان کے لیے تلواریں گھُمانے اور اوپر اٹھا کر وار کرنے کی جگہ ہی نہ رہی۔ مسلمان جو بربر تھے، انہیں کاٹتے ہی چلے جا رہے تھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ میدان میں راڈرک کی فوج کی لاشوں کے انبار لگ گئے تھے اور یہ انبار راڈرک کی فوج کو ڈرا رہے تھے۔

نصف شب کا عمل ہو گا، راڈرک کی فوج گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ سنتری آہستہ آہستہ گھوم پھر رہے تھے۔ اچانک ایک سنتری کی گردن پیچھے سے کسی کے بازو کے شکنجے میں آ گئی پھر

اُس کے دل میں ایک خنجر اُتر گیا۔ ایسے ہی دو اور سنتریوں کے ساتھ بھی جو ایک دوسرے سے دُور دُور تھے، یہی سلوک ہُوا۔ اس طرف اب کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ فوج بغیر خیموں کے تھی۔ اس طرف فوج کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور ان کے سوار ان کے قریب سوتے ہوئے تھے۔

سنتری مارے گئے تو چھ آدمی جو بربر مسلمان تھے، دبے پاؤں گھوڑوں کے قریب

گئے اور ان کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو گھوڑوں کے پیٹ یا پیٹھ یا گردن میں ایک ایک بار اتنی زور سے خنجر مارے کہ آدھے خنجر گھوڑوں کے جسموں میں چلے گئے۔ گھوڑے تکلیف سے ہنہنا کر بھاگ اٹھے۔ طارق بن زیاد کے یہ جانباز مجاہدین دوسرے گھوڑوں کو بھی خنجر مارتے گئے۔ گھوڑے ہنہناتے، بدکتے اور بھاگتے گئے۔ ان کے سوار تو پہلے ہی چھ گھوڑوں کی آواز پر جاگ اُٹھے تھے لیکن زخم کھا کر بھاگنے والے گھوڑوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی اور گھوڑے زمین پر سوتے ہوئے سواروں کو روندتے جا رہے تھے۔

وہاں تو دُور دُور تک سوار اور سپاہی سوئے ہُوتے تھے۔ مُنہ زور اور بے لگام گھوڑوں نے نہ جانے کتنے آدمی اپنے قدموں تلے کچل ڈالے۔ انہیں پکڑنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی آدمی گھوڑے کی زد میں آتا تو بُری طرح گرتا اور اس پر کسی دوسرے گھوڑے کا پاؤں آجاتا۔

یہ کارروائی کر کے جانباز مجاہد بخیر و عافیت وہاں سے نکل گئے۔ وہ جب اپنے کیمپ میں پہنچے تو وہاں تک راڈرک کے فوجی کیمپ کا غل غپاڑہ سنائی دے رہا تھا۔ گھوڑے ابھی تک بھاگ دوڑ رہے تھے۔ ان کی تمام فوج جاگ اٹھی تھی۔ وہ عام سی قسم کے نہیں بلکہ جنگی گھوڑے تھے، تندرست اور توانا۔ ان پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ راڈرک بھی جاگ اُٹھا تھا۔

ایک گھوڑے کو بڑی ہی مشکل سے پکڑا گیا۔ مشعلیں جلائی گئی تھیں۔ یہ گھوڑا راڈرک کو دکھایا گیا۔ اس کی پیٹھ سے خون ٹپک رہا تھا۔ راڈرک حیران ہو رہا تھا کہ یہ گھوڑا کس طرح زخمی ہُوا کہ اس کے پاس چند اور گھوڑے پکڑ کر لائے گئے۔ ہر گھوڑے کا کہیں نہ کہیں سے خُون بہہ رہا تھا۔

"یہ دشمن کا شب خون ہے"۔۔۔ راڈرک نے کہا۔۔۔ "گھوڑوں پر جو سنتری تھے، انہیں ایک ایک گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑے دوڑا دو۔ ان کی کھالیں اُتر جائیں تو انہیں دریا میں پھینک دو۔"

سنتریوں کی تلاش شروع ہوئی۔ بہت دیر بعد تینوں کی لاشیں ملیں۔

☆

اگلی صُبح کا اُجالا سفید ہُوا تو میدانِ جنگ کا منظر ہولناک تھا۔ دُور دُور تک اُندلسیوں کی لاشیں پڑی ہُوئی تھیں۔ یہ راڈرک کی غلطی تھی کہ اُس نے رات کو لاشیں نہ اٹھوائیں۔ صبح جب اُس کی فوج نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں تو اُن پر پہلے ہی جو دہشت طاری تھی اس میں اضافہ ہو گیا۔ راڈرک کو چاہیے تھا کہ رات کو لاشیں اُٹھانے اور دریا میں پھینکنے کا حکم دے دیتا لیکن وہ شاید یہ دیکھ کر بوکھلایا ہُوا تھا کہ مسلمانوں نے اس کی اتنی فوج کو ختم کس طرح کر دیا ہے۔ اُسے تو یہ توقع تھی کہ جتنے دستوں سے اُس نے حملہ کروایا تھا، وہی قلیل تعداد مسلمانوں کو بھگا دے

گی مگر پہلے دن کی لڑائی کا جو انجام ہُوا وہ اُس کے لیے غیر متوقع تھا۔

رات کو مسلمانوں نے جو دلیرانہ کارروائی کی، اس سے وہ آگ بگولہ تو ہُوا لیکن اُس کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اندر سے ہل گیا ہے۔ اُس کے کیمپ کی حالت بہت بُری تھی۔ رات کو گھوڑوں نے سینکڑوں آدمیوں کو زخمی اور سینکڑوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ یہ ڈیڑھ سو زخمی گھوڑے اس کے لیے بیکار ہو گئے تھے۔ راڈرک نے اپنے جرنیلوں کو بلایا۔

"آج شام کو میں اتنے ہی مسلمانوں کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہُوں جتنی اپنی فوج کی تم میدان میں دیکھ رہے ہو" ـــــ راڈرک نے اپنے جرنیلوں سے کہا ـــــ "آج تم نے انتقام لینا ہے"

"آج ہم زیادہ نفری سے حملہ کریں گے" ـــــ ایک جرنیل نے کہا۔

"ہم انہیں پہاڑیوں کے اندر جا کر ختم کریں گے" ـــــ تھیوڈومیر نے کہا۔

"اگر تم میں اتنی عقل ہوتی تو ان سے مار کھا کر بھاگ نہ آتے" ـــــ راڈرک نے تھیوڈومیر سے کہا ـــــ "تم اپنے دستے پہاڑیوں کے اندر لے جاؤ گے تو نہ تم زندہ باہر آسکو گے نہ تمہارا کوئی سپاہی۔ تم ان سے ایک بار یہی غلطی کر کے پٹ چکے ہو" ـــــ اُس نے دوسرے جرنیل سے کہا ـــــ "اور تم کہتے ہو کہ تم زیادہ نفری سے حملہ کرو گے۔ کیا تم نے کل دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے دشمن نے پہلے ہمارے دستوں کو بکھیرا اور ان کو نقصان پہنچایا پھر انہیں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا اور انہیں ہجوم کی شکل میں لا کر اتنا زیادہ نقصان کیا کہ ان دستوں کا صفایا کر دیا.... کیا تم سمجھتے نہیں کہ دشمن پر ہجوم پھینکنا نقصان دہ ہے؟ آج کم نفری سے حملہ کرو۔ ایک اور ایک کا مقابلہ ہو۔ سپاہی اپنے درمیان اتنا فاصلہ رکھیں کہ پینترے بدلنے اور تلوار گھمانے میں سہولت ہو۔ آج کے حملے میں آدھے سوار اور آدھے پیادے ہوں گے"

اِدھر طارق بن زیاد اپنے چند ایک پیادہ دستے لیے اطمینان سے کھڑا تھا۔ وہ حملے میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کاری کا موقع دیا کرتا تھا تاکہ دشمن کی چال اور اُس کے انداز کا کچھ اندازہ ہو جائے۔

راڈرک کے پلان کے مطابق اُس کے دستے اس طرح آگے آئے کہ کل کی طرح تیز رفتار دوڑتے نہ آئے بلکہ درمیانہ رفتار سے اس ترتیب میں آرہے تھے کہ آگے پیچھے تین صفیں تھیں۔ اگلی صف گھوڑسواروں کی تھی۔ گھوڑوں کے درمیان چار سے چھ گز فاصلہ تھا۔ پچھلی صف میں پیادے تھے اور اس کے پیچھے پھر گھوڑے اور اسی صف میں گھوڑوں کے درمیان دو دو پیادے تھے۔ ان کے ساتھ جنگی دف اور طنبورے بج رہے تھے۔

اگلی صف کے گھوڑے مسلمانوں سے چالیس پینتالیس گز دور تک آگئے تو سرپٹ دوڑ پڑے۔ مسلمان تیار تھے۔ یہ سب پیادے تھے۔ سوار ایک بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے طبل اور نقارے بجنے لگے۔ اندلسی گھوڑسواروں نے برچھیاں آگے

کر رکھی تھیں۔ وہ جب قریب آئے تو مسلمانوں نے ان کا حملہ اس طرح بیکار کر دیا کہ دو دو گھوڑوں کے درمیان اتنی تیزی سے بیٹھ گئے کہ برچھیوں سے صاف بچ گئے۔ گھوڑے رُکتے رُکتے خاصا آگے نکل گئے اور پیچھے کو مڑے۔

اتنے وقت میں مسلمان پیادے راڈرک کے پیادوں تک پہنچ گئے اور تلواریں ٹکرانے لگیں۔ گھوڑسوار اب انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے کیونکہ ان کے اپنے پیادے ان کی زد میں آتے تھے۔ گھوڑسوار جب آگے جا کر پیچھے کو مڑ رہے تھے تو ایک لمبی چٹان کے پیچھے سے مسلمان گھوڑسوار نکلے تھے اور راڈرک کے سواروں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑے۔ اُن کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ سنبھلنے سے پہلے ہی وہ مسلمانوں کی برچھیوں اور تلواروں کا شکار ہو گئے۔

اُندلسیوں کی دوسری صف کے گھوڑسواروں نے مسلمان گھوڑسواروں کی طرف گھوڑے موڑے لیکن مسلمان سواروں نے اپنے گھوڑے موڑ کر ایڑیں لگائیں اور جن چٹانوں اور پہاڑیوں سے نکلے تھے، انہی کے پیچھے غائب ہو گئے۔

"واپس.... واپس!" ــــ اُندلسی زبان میں للکار سنائی دینے لگی ــــ "پہاڑی کے پیچھے نہ جانا۔"

اُندلسی گھوڑے پیچھے کو مُڑے تو مسلمان سوار چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں اُن پر اس طرح حملے کرنے لگے کہ سواروں کو برچھی یا تلوار سے گرا کر بھاگ جاتے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ دونوں طرف کے پیادے تیغ زنی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ لیکن اُندلسیوں میں وہ جان نہیں تھی جو مسلمانوں میں تھی۔ مسلمان بربر تھے اور بربر جنگ و جدل کے شوقین بھی تھے اور ماہر بھی۔ اُن کی خونریزی بلکہ خونخواری مشہور تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد کفار کے خلاف لڑنا ان کا مذہبی عقیدہ بن گیا تھا جس سے ان کے لڑنے کے انداز میں مزید جوش پیدا ہو گیا تھا۔

اُندلسی اُن کے مقابلے میں جم کر لڑ نہ سکے اور پسپا ہونے لگے۔ اُندلسی سواروں کو مسلمان سوار گھما پھرا کر لڑا رہے تھے۔ اس طریقۂ جنگ سے اُندلسی سوار بکھر گئے تھے۔ مسلمان اکیلے اکیلے سوار کو گرا رہے تھے۔ بعض سواروں کو تو وہ گھوڑوں سمیت زندہ پکڑ کر لے آئے۔ مسلمانوں کے نعرے گرج رہے تھے اور ان کے طبلِ جنگ اور نقاروں کی آواز اور زیادہ بلند اور جوشیلی ہو گئی۔ یہ بربروں کے خاص طبل تھے جو ہر لڑائی میں بجانا وہ ضروری سمجھتے تھے۔

راڈرک کے ان سپاہیوں پر جنگ سے پہلے ہی جو دہشت طاری تھی وہ مسلمانوں کے مقابل آ کر ان کے اعصاب کو بیکار کرنے لگی۔ ان میں سے بعض نے ہتھیار پھینک دیئے اور قید قبول کر لی۔

☆

اُس رات راڈرک کے حکم سے کیمپ کے اردگرد پہرہ زیادہ لگایا گیا، پھر بھی چند ایک جانباز مجاہد کیمپ کے ایک گوشے میں پہنچ گئے اور بہت سے سپاہیوں کو قتل کر آتے اور ان کے گھوڑوں پر تیر چلا کر کئی گھوڑے لڑائی کے لیے بیکار کر دیتے۔

"آج اس جنگ کا آخری دن ہو گا" ــــــ صبح راڈرک نے قہر بھری آواز میں کہا ــــــ "آج میں خود آگے جاؤں گا... میں نے ابھی گوتھوں کو آگے نہیں بھیجا" ــــــ اُس نے گوتھوں کے جرنیل سے کہا ــــــ "اپنے گوتھ جانبازوں سے کہہ دو کہ میں فتح کا سہرا تمھارے سر باندھنا چاہتا ہوں۔ میری قوم کے دستوں نے مجھے بہت شرمسار کیا ہے۔"

یہ وہی جرنیل تھا جسے میرینا نے قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ عین لڑائی کے دوران گوتھوں کے دستوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے جا ملے لیکن وہ نہیں مان رہا تھا میرینا نے اسے ایک لڑکی کی جھلک دکھا کر کہا تھا کہ یہ ہے تو شہنشاہ کے لیے لیکن موقع پیدا کر کے اس جرنیل کے پاس آ جایا کرے گی۔ میرینا نے اس لڑکی کو ایک سفوف دینا تھا جو لڑکی نے لڑائی کے دوران رات کو اس جرنیل کو پلانا تھا لیکن یہودی ساحر نے اس لڑکی کو قربانی کے لیے مانگ لیا اور میرینا کی سکیم دھری رہ گئی۔

دریائے گادیت کی جنگ کے تیسرے دن گوتھوں کے دستے مسلمانوں پر حملے کے لیے آئے۔ ان میں گھوڑسوار دستہ بھی تھا۔ ان کے پیچھے دوسرے پیادہ سوار اور دستے تھے۔ ان کے درمیان راڈرک تھا۔ اُس کا سبز رنگا جھنڈا بلند تھا۔ وہ اپنے سفید گھوڑے اوریلیا پر سوار تھا اور اُس کے اِردگرد اُس کے گھوڑسوار محافظ تھے۔

طارق بن زیاد نے اُس کا پرچم دیکھا تو گھوڑا دوڑاتا ہُوا اپنے دستوں کے آگے چلا گیا۔ اُس کے محافظ اس کے پیچھے گئے لیکن اُس نے محافظوں کو پیچھے بھیج دیا اور اپنے سالار مغیث الرومی کو بلایا۔ اُس کے کان میں کچھ کہا۔ مغیث الرومی اُندلس کی زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ وہ طارق بن زیاد کی بات سن کر آگے چلا گیا۔

"ہم شہنشاہِ اُندلس کو خوش آمدید کہتے ہیں" ــــــ مغیث الرومی نے اعلان کیا ــــــ "ہمارے سپہ سالار طارق بن زیاد کہتے ہیں کہ شہنشاہِ راڈرک اگر لڑنے کے ارادے سے آتے ہیں تو میری طرح محافظوں کے حفاظتی حصار سے نکل کر سامنے آئیں۔"

"اگر تم میں کوئی مجھ جیسا بادشاہ ہوتا تو میں آگے آتا" ــــــ راڈرک نے اعلان کرایا ــــــ "لٹیروں کے سردار کے سامنے جانا شہنشاہ کی توہین ہے۔ اپنے بادشاہ کو ساتھ لانا تھا۔"

"ہم تمھیں اپنے بادشاہ کے پاس جلدی پہنچا دیں گے" ــــــ طارق بن زیاد نے اعلان کرایا ــــــ "ہمارا بادشاہ اللہ ہے۔ ہم کسی انسان کو بادشاہ نہیں بنایا کرتے۔ ہم یہی پیغام لے کر آئے ہیں کہ سب کا بادشاہ اللہ ہے اور ہم تمھاری بادشاہی کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے آتے ہیں۔"

"آگے بڑھو" ــــــ راڈرک نے حکم دیا اور گوتھ جرنیل کا نام لے کر کہا ــــــ "ان کی زبانیں

بند کردو۔"

گوتھ جرنیل نے نعرہ لگانے کے انداز سے کہا ۔۔ "ہلّہ بول دو اے اہلِ گوتھ"! ۔۔ اور اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

ایک سوار اُس کے پیچھے سے گھوڑا دوڑاتا آیا اور اپنے اس جرنیل کے قریب آکر برچھی اُس کی پیٹھ میں اُتار دی۔ جرنیل سیدھا ہُوا۔ سوار نے برچھی اُس کی پیٹھ سے نکال کر ایک بار پھر برچھی ماری جو اُس کے پہلو میں اُتر گئی۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔

گوتھ دستوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور مسلمانوں کی طرف دوڑ پڑے۔ ان میں پیادے بھی تھے، گھوڑسوار بھی۔ وہ شوروغل بپا کرتے آرہے تھے۔ طارق بن زیاد کو تو معلوم تھا کہ گوتھ اور یہودی اُس کے پاس آجائیں گے لیکن طارق کی فوج حیران تھی کہ یہ کیسا حملہ ہے کہ حملہ کرنے والوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال رکھی ہیں۔

"ان کا استقبال کرو" ۔۔ طارق نے اپنی فوج کے لیے اعلان کرایا ۔۔ "یہ تمھارے دوست ہیں۔ یہ اب تمھارے ساتھی ہیں۔"

"یہ کیا؟" ۔۔ اُدھر راڈرک گھبراہٹ اور حیرت کے عالم میں پوچھ رہا تھا ۔۔ "یہ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے اپنے جرنیل کو قتل کر دیا ہے۔"

اُسے جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ یہ اوپاس اور ٹیریا کی خفیہ کارروائی تھی جو کامیاب رہی۔ گوتھوں کی تعداد کے معاملے میں مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تعداد بیس ہزار لکھی ہے اور کچھ پچیس ہزار لکھتے ہیں۔ ایک نے پندرہ اور بیس ہزار کے درمیان لکھی ہے۔

راڈرک کے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ گوتھوں نے کیا کیا ہے۔ اُسے اس طرف سے جواب مِلا۔

"ہم اپنے بادشاہ وِطیزا کا انتقام لیں گے" ۔۔ ایک گوتھ نے آگے جاکر بلند آواز سے کہا ۔۔ "اُندلس کی بادشاہی گوتھ قوم کا ورثہ ہے۔ راڈرک! تم نے گوتھوں کی بادشاہی کا خاتمہ کیا اور تخت نشین ہو گئے تھے۔ دیکھو ہم اپنا ورثہ کس طرح واپس لیتے ہیں۔"

☆

اُس روز لڑے بغیر جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ اگلے دنوں میں راڈرک نے پُرجوش حملے کرائے لیکن ہر حملہ پسپائی کی صورت اختیار کر جاتا۔ مسلمانوں کی تعداد میں ایک ہی بار بیس ہزار کا اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ تعداد برائے نام نہیں تھی بلکہ اس تعداد میں انتقام کا جذبہ تھا۔ اور اس جذبے کی تسکین کے لیے ان گوتھوں کو اور ان یہودیوں کو جو مسلمانوں سے آملے تھے، مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی اور مسلمان بھی ایسے جنگجو اور جانباز کہ ایک ایک دس دس کا مقابلہ کرتے تھے۔

طارق بن زیاد کو جب اتنی زیادہ فوج مل گئی تو اُس نے اپنی جنگی چالوں میں ردّوبدل کیا اُدھر

گوتھوں میں سے ایک کو جرنیل بنا دیا۔ اُن کا پہلا جرنیل مارا گیا تھا۔
"کون کہہ سکتا ہے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت صحیح نہیں ہوسکتی"۔ طارق نے اپنے سالاروں سے کہا ۔۔۔ "اللہ جب کرم کرنے پر آتا ہے تو ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ اُس کے بندوں کی ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ نے اپنے محبوبؐ کی بشارت پوری کرنی تھی اور یہ معجزہ ہو گیا۔ اپنے ہر عسکری سے کہہ دو کہ اللہ کے حضور سر جھکا تے رکھو اور دل میں اللہ کا ہی نام رکھو۔"

یہ ایک معجزہ تھا جس کا ذکر ہر مؤرخ نے تفصیل سے کیا ہے۔

اُدھر دریائے گادلیت کے کنارے ایک خوشنما خیمے میں جس کے اندر محل کے ایک کمرے کا دلنشیں منظر بنا ہوا تھا، شاہ اُندلس راڈرک شدید بے چینی اور غصے کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ کبھی وہ بیٹھ جاتا اور اچانک گیند کی طرح اُچھل کر کھڑا ہو جاتا اور خیمے کے اندر تیز تیز ٹہلنے لگتا۔ کبھی تپائی پر زور سے گھونسہ مارتا، کبھی اپنے ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کا مکا مارتا۔ اُس کے دو جرنیل خیمے سے باہر ڈرے سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ آخر وہ بوڑھا جرنیل خیمے میں گیا جس کا راڈرک بہت احترام کرتا تھا۔

"شہنشاہِ معظم کو اس طرح دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے" ۔۔۔ جرنیل نے کہا ۔۔۔ "گوتھ دھوکہ دے گئے ہیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم ان گوتھوں کی نسل ختم کر دیں گے۔"

"نسل ہماری ختم ہو رہی ہے" ۔۔۔ راڈرک نے بڑی زور سے اپنا پاؤں زمین پر مارا اور گرج کر بولا ۔۔۔ "تم اس قابل ہوتے جو کہہ رہے ہو تو یہ لڑائی پہلے دن ہی ختم ہو جاتی۔ تم نے اس دشمن کا کیا بگاڑ لیا ہے جو تعداد کے لحاظ سے ہمارے سامنے اس طرح ہے جیسے آدمی کے پاؤں تلے چیونٹیاں ہوں لیکن یہ چیونٹیاں ہمارے وجود پر چڑھ آئی ہیں۔ دشمن کمزور ہونے کی بجائے پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گیا ہے.... میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔"

جرنیل نے نظروں سے دُور ہونے کی بجائے پیالے میں شراب ڈالی۔

"ہم شہنشاہ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے" ۔۔۔ جرنیل نے پیالہ راڈرک کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ۔۔۔ "یہ لیں اور اپنے آپ پر قابو پائیں۔"

راڈرک نے پیالہ اُس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر دے مارا اور اُس کے ٹکڑوں کو ٹھڈ مارنے لگا۔

"تم میرے ہوش و حواس گم کرنا چاہتے ہو" ۔۔۔ راڈرک نے کہا ۔۔۔ "تم چاہتے ہو کہ میں اتنی بڑی حقیقت کو بھول جاؤں۔"

جرنیل خیمے سے نکل گیا اور عورتوں کے خیموں کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو اُس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی تھی جو راڈرک کو بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ جرنیل اُسے کچھ کہتا آ رہا تھا۔ راڈرک کے قریب آ کر اُس نے لڑکی کو خیمے میں داخل کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے لڑکی خیمے سے باہر

آپڑی۔ راڈرک نے اُسے بڑی زور سے دھکا دیا تھا۔ لڑکی اُٹھی اور عورتوں کے خیموں کی طرف بھاگ گئی۔

☆

راڈرک نے بوڑھے جرنیل کو آواز دی۔ جرنیل دوڑتا اندر گیا۔ راڈرک کچھ سکون میں تھا۔
"معلوم ہوتا ہے وہ یہودی کاہن ناکام ہو گیا ہے"۔۔۔ اُس نے بوڑھے جرنیل سے مایوسی کے لہجے میں کہا۔۔۔ "اُس نے کہا تھا کہ ایک نوخیز لڑکی کی جان کی قربانی دینے سے مجھ پر بُرے شگون کا اثر ہو گا تو وہ زائل ہو جائے گا۔ میں نے اُسے لڑکی دے دی تھی۔ اُس نے لڑکی کی جان کی قربانی دے دی ہو گی.... وہ ضائع ہو گئی ہے.... اس یہودی نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا ہو گا؟"
"میں ابھی ایک سوار کو طلیطلہ بھیج دیتا ہوں"۔۔۔ بوڑھے جرنیل نے کہا۔۔۔ "وہ معلوم کر کے آجائے گا"۔
"کب پہنچے گا، کب آئے گا"۔۔۔ راڈرک نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شکست خوردگی کی جھلک نمایاں تھی۔۔۔ "مجھے ہرقل کا بُرج نہیں کھلوانا چاہئے تھا۔ اس بُرج کی رکھوالی کرنے والے دونوں راہبوں نے مجھے روکا تھا۔ تم میرے ساتھ تھے۔ تم نے بھی سمجھایا اور مجھے منع کیا تھا"۔
"اس واہم کو دل سے نکال دیں شہنشاہ!"۔۔۔ جرنیل نے کہا۔
"کیسے نکال دوں؟"۔۔۔ راڈرک نے ڈری ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم نے لڑائی کا جو منظر بُرج کے اندر دیکھا تھا وہ یہاں ہم ہر روز دیکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے وہی نعرے سن رہے ہیں اور اپنی فوج کی ویسی ہی پسپائی دیکھنے میں آتی ہے۔ میں نے بُرج کے لڑائی کے منظر میں اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ پھر میں نے اپنے گھوڑے کو میرے بغیر بھاگتے دوڑتے دیکھا تھا.... اور وہ لڑکی پھر میرے خوابوں میں آنے لگی ہے جسے میں نے میپلونہ میں قتل کیا تھا"۔
مؤرخ لین پول اُندلس کے دَور کے تین مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ راڈرک پر یہ دونوں۔۔۔ بُرج اور لڑکی۔۔۔ آسیب کی طرح سوار ہو گئے تھے۔ یہودی ساحر جس نے اُسے اس آسیب سے نجات دلانی تھی، مَیرینا کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ بیس بائیس ہزار گوتھ اُس کا ساتھ نہ صرف چھوڑ گئے تھے بلکہ اُس کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اُس کے پاس نفری پھر بھی بہت زیادہ تھی لیکن یہ نفری حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔ میدانِ جنگ پر طارق بن زیاد چھایا ہوا تھا۔ وہ کسی واہم اور کسی آسیب میں مبتلا نہیں تھا۔ اُس کے ضمیر پر کسی گناہ کا بوجھ نہیں تھا۔ اُس کا پختہ عقیدہ اُس کے حوصلے اور استقلال کو پختہ کیے ہوئے تھا۔
راڈرک کے گناہ اُس کا مُنہ چِڑا رہے تھے۔ اُس کا روزِ حساب آن پہنچا تھا۔

☆

جنگِ گادلیت کا آٹھواں دن طلوع ہوا۔ راڈرک نے اپنی تمام فوج کو میدان میں نہایت اچھی ترتیب میں کھڑا کیا۔ وہ اپنے سفید گھوڑے اوریلیا پر سوار تھا۔ گھوڑا اپنی فوج کی صفوں کے آگے دوڑاتا، روکتا اور اعلان کرتا کہ آج کی لڑائی کو فیصلہ کن بنانا ہے۔ اگر آج تم نے دشمن کو شکست دے دی تو اتنا انعام دوں گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی شہنشاہ راڈرک کو یاد کیا کریں گی۔

"اے قوم گوتھ!"۔۔۔ طارق بن زیاد اپنی فوج سے مخاطب تھا۔۔۔ "تم آج شکست کھا گئے تو اُندلس میں تمہاری نسل ختم کر دی جائے گی۔ تمہاری کسی عورت اور کسی بچے کو راڈرک زندہ نہیں رہنے دے گا.... اور اے قومِ بربر! کیا تم نے کبھی کسی سے شکست کھائی تھی؟ اگر اب شکست کھا بیٹھے تو کہاں جاؤ گے؟ تم پہلی بار کسی دوسرے ملک میں آئے ہو۔ عربی مسلمان کئی دوسرے ملکوں کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر چکے ہیں۔ کیا تم اپنے عربی بھائیوں سے کہلوانا پسند کرو گے کہ بربر کسی دوسرے ملک میں جانے کے قابل ہی نہ تھے؟"

"نہیں طارق! نہیں!"۔۔۔ بربروں کے لشکر سے ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں۔۔۔ "ہم تیرے ساتھ ہیں۔ تیرے ساتھ رہیں گے۔"

"حملہ آوروں کے نعروں سے نہ ڈرو"۔۔۔ راڈرک اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔۔۔ "یہ کسی بادشاہ کی فوج نہیں۔ یہ ڈاکو ہیں، لٹیرے ہیں۔"

"اے اہلِ اسلام!"۔۔۔ طارق اپنے لشکر کو للکار رہا تھا۔۔۔ "فتح تمہاری ہے۔ تم دشمن پر دہشت بن کر چھا چکے ہو.... اور مت بھولو کہ یہ ہزاروں گوتھ اپنے ظالم اور گناہگار بادشاہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ جس بستی کے لوگوں پر ظلم ہو رہا ہو اور ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہو۔ ان کی مدد کو پہنچو.... اپنے ان گوتھ بھائیوں کو اس ظالم بادشاہ سے آزاد کرانے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دو۔"

"ہم جانیں قربان کر دیں گے طارق!"۔۔۔ بربروں کے لشکر سے آوازیں اٹھیں۔۔۔ "ہم جانیں قربان کر دیں گے۔"

☆

راڈرک نے حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کے سوار دستے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آئے۔ طارق نے اپنے سوار دستوں کو ہی آگے رکھا ہوا تھا۔ جب دشمن کے سوار کچھ دُور ہی تھے تو طارق کے سوار دستوں کے پیچھے سے پیادے سواروں کی صف سے آگے ہو گئے۔ یہ سب تیر انداز تھے۔ انہوں نے اُندلسی سواروں پر تیر چلانے شروع کر دیئے۔ یہ بڑی تیز تیر اندازی تھی۔ بربروں کی کمانیں بہت سخت تھیں۔ ان سے نکلے ہوئے تیر تیز جاتے اور عام کمانوں کی نسبت زیادہ دُور جاتے تھے۔

اُندلسی سوار گرنے لگے۔ گھوڑوں کی رفتار کم نہ ہوئی۔ جب وہ قریب آئے تو تیر انداز بڑی تیزی سے اپنے سوار دستے کے پیچھے چلے گئے۔ مسلمان سوار تیار تھے۔ دونوں طرف کے سواروں کا شدید تصادم ہُوا۔ جب سوار آپس میں گڈمڈ ہو گئے تو طارق کے اشارے پر ایک طرف سے گوتھ سواروں کا دستہ نکلا اور اُس نے پہلو سے اُندلسی سواروں پر حملہ بول دیا۔

راڈرک اب تماشہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے پیادہ دستوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ اب طارق بن زیاد اپنی مخصوص چالیں چلنے لگا۔ اُس نے گوتھوں کو آمنے سامنے کی لڑائی لڑتے رہنے کے لیے کہا اور مسلمان دستوں کو دائیں اور بائیں بھیج دیا۔ ایک طرف مغیث الرومی اور دوسری طرف ابوزرعہ طریف گیا۔ وہ دُور کا چکر کاٹ کر اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئے۔

راڈرک اپنے دستے لڑائی میں جھونکتا چلا جا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے دریا تھا۔ مغیث الرومی اور ابوزرعہ طریف نے دونوں طرف سے اُن دستوں پر بہت ہی تیز حملہ کر دیا جو ابھی راڈرک کے پاس تھے۔ یہ دونوں پہلوؤں پر حملہ تھا جو ایسا غیر متوقع تھا کہ اُندلسی بُری طرح گھبرا گئے۔ راڈرک بھی نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا ہُوا ہے۔ اُس کے دستے سنبھل کر مقابلے میں آنے کی بجائے ڈری ہُوئی بھیڑوں کی طرح ایک دوسرے میں سُکڑنے اور سمٹنے لگے۔ اُن کی یہ پوزیشن ایسی تھی جیسے شکاری کو بڑی کٹی اور آرام سے بیٹھی ہُوئی بطخیں مل جائیں۔ مجاہدین نے ان میں سے اُس کو زندہ چھوڑا جس نے اُن کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ بیٹھ گیا یا سجدے میں گر پڑا۔

ان میں دو سالاروں نے اُن اُندلسیوں سے فارغ ہو کر راڈرک کے اُن دستوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا جو گوتھوں کے ساتھ آمنے سامنے کی لڑائی میں اُلجھے ہُوئے تھے۔ ایسے عقبی حملے سے اُن کا سنبھلنا اور سنبھل کر مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ اُن اُندلسیوں میں سے بھی بیشمار کٹ مرے اور وہی بچے جنہوں نے قید قبول کر لی۔

تاریخ لکھنے والوں نے جن میں جنگی مبصر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھا ہے کہ جنگِ گادلیت تاریخ کی چند ایک بہت بڑی جنگوں میں سے ایک ہے جس میں عسکری شجاعت کے مظاہرے بھی ہُوئے اور مسلمانوں کی طرف سے جو جنگی چالیں چلی گئیں، وہ کم ہی جنگوں میں دیکھنے میں آتی ہیں۔

اس گھمسان کی لڑائی میں جہاں ہر شخص کٹ رہا تھا یا کاٹ رہا تھا، ایک آدمی تلوار ہاتھ میں لیے قیامت کے اس منظر میں یوں گھوم پھر رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ لڑ نہیں رہا تھا۔ یہ گورا چٹا جوان دریائے گادلیت تک چلا گیا اور وہ عورتوں کے خیموں تک بھی گیا۔ لیکن ایسے لگتا تھا جیسے اُسے وہ نہیں مل رہا جس کی تلاش میں وہ مارا مارا اور دشمن سے بچتا بچاتا پھر رہا ہے ـــــ وہ ہنری تھا جس نے فلورینڈا سے وعدہ کیا تھا کہ راڈرک کا سر کاٹ کر اُس کے قدموں میں رکھے گا۔ وہ راڈرک کو ڈھونڈ رہا تھا۔

راڈرک کا جھنڈا نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ جھنڈا بہت دیر پہلے گر چکا تھا۔ اندلسیوں کے دل چھوڑ دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا شاہی پرچم گر پڑا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ پکڑا گیا ہے یا مارا گیا ہے۔ ہنری نے دریا کے کنارے راڈرک کا سفید گھوڑا کھڑا دیکھا لیکن اس گھوڑے پر راڈرک سوار نہیں تھا۔ گھوڑے کے پاس ایک تلوار پڑی تھی جس کے دستے میں بیش قیمت ہیرے اور پتھر جڑے ہوتے تھے۔ یہ یقیناً راڈرک کی تلوار تھی۔ عجیب چیز یہ دیکھی گئی کہ راڈرک کے جوتے بھی تلوار کے پاس پڑے ہوئے تھے۔

ہنری عورتوں کے خیموں میں چلا گیا۔ وہاں راڈرک کے حرم کی عورتیں ڈری اور سہمی ہوئی موجود تھیں۔ ہنری نے انہیں ڈرا دھمکا کر راڈرک کے متعلق پوچھا۔ ہر عورت نے یہی کہا کہ اسے کچھ پتہ نہیں۔ ہنری دوڑتا گیا، راڈرک کی تلوار اٹھائی اور اس کے جوتے اٹھائے اور اس کے محبوب گھوڑے اور لیا پر سوار ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بڑی بلند آواز سے کہا — "راڈرک مارا گیا ہے، راڈرک مارا گیا ہے" کے نعرے لگاتا ہوا طارق بن زیاد کے پاس پہنچا اور اسے بتایا کہ اسے راڈرک کا یہ گھوڑا، تلوار اور جوتے کہاں سے ملے ہیں۔

آٹھ دنوں کی جنگ ختم ہوگئی۔ لین پول لکھتا ہے کہ اس آٹھ دنوں کی جنگ نے مسلمانوں کو آٹھ سو سال کے لیے اندلس کی حکمرانی دے دی لیکن چند اور لڑائیاں بھی انہیں لڑنی پڑیں فیصلہ کن جنگ یہی تھی جو جنگ گادلیت کے نام سے مشہور ہے۔

تمام مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ راڈرک کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اس کا سفید گھوڑا اور تلوار اور جوتے دریا کے کنارے سے ملے تھے۔ بعض نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس نے دریا میں ڈوب کر خودکشی کر لی تھی۔ زیادہ تر نے یہی لکھا ہے کہ وہ بھاگنے کی کوشش میں دریا تیر کر پار کر رہا تھا لیکن دریا کی تندی اور تیزی نے اسے دوسرے کنارے تک نہ پہنچنے دیا۔

مؤرخوں نے یہ خاص طور پر لکھا ہے کہ اندلس کے عیسائیوں میں یہ بات ایک عقیدے کے طور پر پھیل گئی تھی کہ راڈرک مرا نہیں بلکہ وہ بدلے ہوئے روپ میں عیسائیت کا مبلغ اور محافظ بن کر واپس آئے گا۔ یہ عقیدہ بڑی لمبی مدت تک اندلس کے لوگوں میں مشہور رہا۔

اس دور کی جو دستاویزات تاریخ نویسوں کو ملی ہیں اور جن میں سے کچھ عجائب خانوں میں بھی رکھی ہیں، ایک اور بات سناتی ہیں۔ وہ یہ کہ راڈرک دریا میں ڈوب کر نہیں مرا تھا بلکہ وہ ایک جزیرے میں چلا گیا تھا جہاں سانپوں کی بہتات تھی۔ ہر روز ایک سانپ راڈرک کو ڈستا تھا لیکن راڈرک مرتا نہیں تھا۔ خدا نے اسے گناہوں کی سزا دینے کے لیے خاصی لمبی عمر دی اور سانپ اسے ڈستے رہے اور جب وہ مر گیا تو اس کا مردہ جسم سانپوں کی خوراک بنا — یہ روایت لکھنے والے تمام مؤرخ عیسائی ہیں۔

اس جنگ میں اندلس کی فوج کے پچاس ہزار آدمی ہلاک ہوئے جن میں نامی گرامی جرنیل بھی تھے اور اندلس کے نواب اور امرا بھی۔ راڈرک کی اس فوج کے تیس ہزار سپاہی اور چھوٹے

بڑے عہدیدار جنگی قیدی بنے۔ تاریخ کے مطابق، راڈرک کی فوج اپنے ساتھ بڑے لمبے لمبے رسے اس مقصد کے لیے لائی تھی کہ مسلمان جنگی قیدیوں کو باندھ کر لایا جائے گا لیکن مسلمانوں نے انہی رسوں سے راڈرک کے تیس ہزار فوجی باندھ لیے اور انہیں پیچھے بھیج دیا۔

راڈرک کی شکست خوردہ فوج کے تیس ہزار جنگی قیدیوں کو اکٹھا کر کے باندھنے سے پہلے کا منظر ایک عجیب منظر تھا۔ وادی لکہ کی پہاڑیوں سے لے کر دریائے گادلیت تک کا وسیع و عریض میدان، میدانِ حشر بنا ہوا تھا۔ لاشوں کے انبار تھے جن کے لباس خون سے لال ہو گئے تھے۔ ہزاروں زخمی تڑپ رہے تھے۔ بعض اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُٹھتے تھے اور گر تے تھے، اور بہت سے ایسے تھے جو آخری سانسیں لے رہے تھے۔ کراہنے کی آوازیں منظر کو اور زیادہ ہیبت ناک بنا رہی تھیں۔ سب سے زیادہ چیخ و پکار تو اُن اُندلسی فوجیوں کی تھی جن کے جسموں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ گھوڑوں اور پیادوں کی اُڑائی ہوئی گرد زمین سے اُوپر اُٹھ گئی تھی اور وہ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح اُندلس کے دارالحکومت طلیطلہ کی سمت اُڑی جا رہی تھی۔

ایک تاریخ دان سٹیفنز نے لکھا ہے ——"یہ حیرت ناک بات نہیں کہ مسلمان جرنیل طارق بربر راڈرک کی شکست کے منظر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا"—— تاریخ آج تک حیران ہے کہ بارہ ہزار نے ایک لاکھ کو کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔

اُس وقت جب راڈرک کی فرعونیت میدانِ جنگ میں خاک و خون میں تڑپ رہی سسک اور کراہ رہی تھی، طارق بن زیاد گھوڑا دوڑاتا ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور اس بلندی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس کے فاتح مجاہدین اپنے زخمی اور شہید ساتھیوں کی لاشیں پورے احترام سے اُٹھا رہے تھے۔ کچھ مجاہدین اُن اُندلسیوں کو پکڑ رہے تھے جو گھنی جھاڑیوں اونچی گھاس اور درختوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے نیچے چھپ رہے تھے۔ انہیں شاید یہ ڈر تھا کہ مسلمان انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ بعض بھاگ رہے تھے۔ اُن کا اپنا بنایا ہوا کشتیوں کا پُل صحیح سلامت موجود تھا۔ وہ خوفزدہ ہجوم کی صورت اس پُل سے گزرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو دھینگا مشتی کے انداز سے دھکے دے دے کر آگے جانے کے جتن کر رہے تھے۔ ان میں کچھ اپنے ساتھیوں کی دھکم پیل سے دریا میں گر رہے تھے۔

مطمئن اور مسرور وہی تھے جو ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی قید میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

نہ جانے کس نے حکم دیا کہ کشتیوں کے پُل سے جو اُندلسی دریا پار کر رہے ہیں انہیں روکا جاتے۔ بہت سے مسلمان تیر انداز دریا کے کنارے چلے گئے اور تین چار جنگی قیدیوں سے اعلان کرانے لگے کہ سب واپس آجائیں ورنہ اُن پر تیر برسائے جائیں گے۔ سب نے

پیچھے آنے کی بجائے آگے جانے کے لیے اور زیادہ دھکم پیل شروع کر دی۔ ادھر سے چند ایک تیر کمانوں سے نکلے اور کشتیوں کے پل پر چند ایک اُندلسی گرے۔

اُندلس کے ان فوجیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ پیچھے آنے لگے لیکن جو دوسرے کنارے کے قریب پہنچ گئے تھے وہ نکل گئے۔ اُن کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔

طارق بن زیاد نے ایک طرف دیکھا۔ اس کے دو تین مجاہدین کم و بیش پچیس جوان لڑکیوں کو اپنے آگے آگے ہانک کر لا رہے تھے۔ یہ راڈرک کا حرم تھا جو اُس کے ساتھ آیا تھا۔ طارق بلندی سے اُتر آیا۔ لڑکیاں اُس کے سامنے لائی گئیں۔ ان میں صرف ایک عورت ادھیڑ عمر تھی جو حرم کی نگران معلوم ہوتی تھی باقی سب لڑکیاں نوجوان اور جوان تھیں اور ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت۔

"کیا ان کا تعلق شاہی خاندان سے ہے؟" — طارق نے پوچھا۔

"نہیں ابنِ زیاد!" — جولین نے کہا — "یہ رعایا کے مختلف خاندانوں کی لڑکیاں ہیں۔ یہ شہنشاہِ اُندلس کے سکون اور عیش و آرام کا سامان تھا.... وہ بادشاہ ہی کیا جو اپنے ساتھ بیس پچیس داشتائیں نہ رکھے۔"

"ان سے پوچھو" — طارق نے کہا — "ان میں کوئی ایسی ہے جو بادشاہ کے حرم میں خوش نہیں تھی؟"

جب ان سے پوچھا گیا تو تقریباً سب نے کہا کہ انہیں زبردستی بادشاہ کے حوالے کیا گیا تھا۔ ان میں عیسائی بھی تھیں لیکن زیادہ تعداد یہودی لڑکیوں کی تھی۔

"بادشاہ کہاں ہے؟"

"اس سوال کا جواب کوئی لڑکی نہیں دے سکے گی" — حرم کی نگران عورت نے کہا — "چار راتوں سے شہنشاہ راڈرک نے کسی کو اپنے خیمے میں نہیں بلایا تھا۔ میں ہر رات اُس سے پوچھتی تھی وہ مجھے غصے سے دھتکار دیتا تھا۔ لڑائی کے دوسرے دن کے بعد سے وہ غصے سے باؤلا ہو گیا تھا اور رات کو وہ اتنی زیادہ شراب پی لیتا تھا کہ میں نے ایک رات اُسے زمین پر اوندھے منہ بیہوش پڑے دیکھا۔ میں نے دربان کو بلا کر اُسے اٹھایا اور بستر پر ڈالا تھا۔ صبح ہوتی تو وہ پوری طرح ہوش و حواس میں ہوتا تھا۔"

اُندلس کے اس شہنشاہ کی فوج کو مسلمانوں نے شکست دی تھی۔ ان مسلمانوں کے سپہ سالار طارق بن زیاد کے سر پر اللہ کا ہاتھ تھا اور دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بشارت دی تھی۔ یہ بشارت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا — "طارق! میری اُمت میں سے ہو تو شکست نہ کھا جانا۔ خدا تیرے ساتھ ہے۔"

طارق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل کی تھی۔

اُندلس کے شہنشاہ راڈرک کو اس کے گناہوں نے شکست دی تھی۔ اُسے عبرتناک

شکست ہوئی تھی۔ نہ جانے کتنی معصوم کنواریوں کی آہوں نے اُسے شکست دی تھی۔ اُسے الیستوریا کی روح نے شکست دی تھی جس نے اُس کی تلوار سے اپنا سر کٹوانے سے پہلے اُسے کہا تھا کہ تیری بادشاہی پر گھوڑے دوڑیں گے۔ الیستوریا اُس کے دل ودماغ پر ایک خوف بن کر آسیب کی مانند طاری ہو گئی تھی۔

طارق اُس وقت باہر میدان میں کھڑا تھا جب لڑکیاں اُس کے سامنے لائی گئی تھیں۔ قیدی جو کہیں چھُپ گئے تھے، انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا جا رہا تھا۔ حرم کی لڑکیوں کے قریب سے تین چار قیدی گزارے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو مسلمان مجاہدین تھے۔ ان قیدیوں میں سے ایک لباس، شکل وصورت، ڈیل ڈول اور چال ڈھال سے دوسرے قیدیوں سے برتر اور الگ تھلگ لگتا تھا۔ وہ طارق بن زیاد کے سامنے نیم دائرے میں کھڑی لڑکیوں کو دیکھ کر رُک گیا۔

"آگے بڑھو"— ایک مسلمان مجاہد نے اُسے دھکا دے کر کہا — "مت رُکو یہاں۔"

"ان لڑکیوں میں میری چھوٹی بہن ہے"— اِس اُندلسی قیدی نے کہا — "اسے مل لینے دو۔ پھر نہ جانے کبھی مل بھی سکیں گے یا نہیں۔"

مسلمان بربر تھا جو رحم کرنا نہیں جانتا تھا۔ اُس نے اُسے دونوں ہاتھوں سے زوردار دھکا دے کر آگے چلنے کو کہا۔

"یہ میرا بڑا بھائی ہے"— ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی نے طارق اور جولین سے کہا — "کیا آپ اسے اجازت نہیں دے سکتے کہ ذرا سی دیر کے لیے میرے سامنے آجائے؟"

"اسے آنے دو"— طارق نے اپنے مجاہدین سے کہا — "اپنی بہن سے آخری بار مل لے۔"

وہ لڑکیوں کے نیم دائرے میں آگیا اور اپنی بہن کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ اُس کے ساتھ بربر مجاہد تھا تاکہ سپہ سالار کے سامنے وہ کوئی بدتمیزی نہ کر گزرے۔ اس بربر کے ہاتھ میں چھوٹی برچھی تھی جو دشمن پر پھینکی جاتی تھی۔ اندلسی قیدی کی بہن نے اس قدر تیزی سے بربر کے ہاتھ سے برچھی جھپٹ کر چھین لی اور اسی تیزی سے برچھی پوری طاقت سے اپنے بھائی کے سینے میں اتار دی۔ برچھی کھینچی اور ایک بار پھر بھائی کو مارنے کے لیے بازو پیچھے کو لمبا کیا لیکن بربر مجاہد نے اُس کا بازو پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ سے برچھی لے لی۔ برچھی کا ایک ہی وار کام کر گیا تھا۔ پوری انی سینے میں اُتر گئی تھی۔ خوبرو اور بڑے ہی دلکش جسم جثے والے اُندلسی کے پہلے گھٹنے زمین سے لگے پھر وہ ایک پہلو پر لڑھک گیا۔

"یہ تُو نے کیا کیا؟"— جولین نے اُس لڑکی سے اُندلسی زبان میں پوچھا — "اپنے

بھائی کو قتل کر دیا؟ شاید اس لیے کہ اُس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے؟"

"نہیں!"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔"میں اسے کچھ عرصہ پہلے قتل کر دیتی لیکن موقع نہیں مل رہا تھا.... اگر تم لوگ مجھے اس جرم کی سزا دینا چاہتے ہو تو دے لو۔ تمہارے پاس تلواریں ہیں، برچھیاں بھی ہیں۔ کاٹ دو میرے جسم کو۔"

طارق کو بتایا گیا کہ لڑکی کیا کہتی ہے۔

"اسے کہو کہ اسے ہم سزا نہیں دیں گے"۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔"اس سے پوچھو کہ بھائی کو اس نے کیوں قتل کیا ہے۔"

"اِس نے مجھے شہنشاہِ راڈرک کے حرم میں داخل کیا تھا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔"یہ فوج میں سپاہی بھرتی ہُوا تھا اور یہ فوج میں عہدہ اور رتبہ چاہتا تھا۔ یہ مجھے ایک روز دھوکے سے محل میں لے گیا اور اس عورت سے ملوایا۔ یہ عورت مجھے محل کی سیر کرانے کے بہانے اپنے ساتھ لے گئی اور مجھے حرم میں قید کر لیا گیا۔ بُوڑھے بادشاہ نے مجھے مٹی کا کھلونا بنا لیا۔ میں دو سال سے حرم میں ہُوں۔ میں نے اس عورت سے کئی بار کہا تھا کہ مجھے اپنے بھائی سے ملوا دو۔ عورت کہتی تھی کہ حرم کی کوئی لڑکی باہر نہیں جا سکتی اور کوئی آدمی حرم میں نہیں آ سکتا۔ اس عورت نے مجھے بتایا کہ تمہارے بھائی نے فوج میں عہدہ حاصل کرنے کے لیے تمہیں حرم میں داخل کیا ہے.... آج دو سال بعد مجھے اپنے بھائی سے حساب چکانے کا موقع ملا ہے۔"

"جس فوج میں اس قسم کے بھائی ہوں اُس فوج کا یہی انجام ہوتا ہے"۔۔۔ سالار مغیث الرومی نے کہا۔

"اگر یہ لڑکیاں اپنے گھروں کو جانا چاہیں تو انہیں جنگی قیدی نہ بنانا"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔۔۔"انہیں اپنے ساتھ رکھ لو۔ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہم آگے بڑھیں گے۔ کسی لڑکی کی بستی آ جائے تو اُسے اُس کے گھر والوں کے سپرد کر کے آؤ۔"

✤

دوسرے دن طارق بن زیاد نے اپنے امیر موسیٰ بن نصیر کے نام بڑا لمبا پیغام لکھوایا جس میں اُس نے جنگِ گادلیت کی مکمل تفصیل لکھی۔ آخر میں اُس نے لکھا:

"میں نے ابھی کوئی شہر فتح نہیں کیا اس لیے کوئی خاص تحفے نہیں بھیج رہا۔ میرا خیال ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک ان تحفوں کو زیادہ پسند کریں گے۔ تیس ہزار جنگی قیدی ہیں۔ یہ ہمیشہ آپ ہی کے پاس رہیں گے کیونکہ ان کا بادشاہ دریا میں ڈوب کر مر گیا ہے۔ ان قیدیوں کو کسی بھی شرط پر رہا کرانے والا یا ان کی رہائی کے لیے تاوان دینے والا کوئی بھی نہیں، نہ ہی ہمارا کوئی جنگی قیدی اندلسیوں کے پاس ہے جس کی رہائی کے عوض ہم ان کا کوئی قیدی رہا کریں گے.... اور امیرِ محترم! ایک اور تحفہ سفید گھوڑا ہے جو اُندلس کے بادشاہ کا محبوب گھوڑا ہے۔ اس کا نام اوریلیا ہے۔ اس بادشاہ کی تلوار بھی پیش کر رہا ہوں.... میں اب آگے

بڑھ رہا ہوں۔ میری کامیابی کے لیے مسجدوں میں دعائیں کرائی جائیں۔"

قیدیوں اور فالتو گھوڑوں کو پیچھے بھیجنے کے لیے بحری جہازوں کی ضرورت تھی۔ جولین کے چار بڑے بحری جہاز طارق بن زیاد نے جلا ڈالے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی بڑا بحری جہاز نہیں تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ابھی بحری لڑائی کی ابتدا کی تھی نہ انہیں جہاز رانی کی ضرورت پیش آئی تھی۔ آگے چل کر مسلمان جب جہاز رانی اور بحری لڑائیوں کے لیے سمندر کے سینے پر آئے تو انہوں نے اُن بادشاہوں کی جنگی طاقت کو بھی سمندر کی تہہ تک پہنچا دیا جو اپنے بحری بیڑوں کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔

اُندلس سے قیدیوں کو پیچھے لانے کے لیے اُندلس کی ہی بڑی کشتیاں لی گئیں۔ قیدیوں اور فالتو گھوڑوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ تین دن اور تین راتیں کشتیاں اُندلس کے ساحل سے لدی ہوئی اور قیروان کے ساحل پر خالی ہو کر واپس آتی رہیں۔

شمالی افریقہ کے بربر قبائل پر ہیجان و اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ ان کے آدمی قیروان کے ساحل پر کھڑے اُندلس کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ وہ محاذ کی خبر کے منتظر تھے

ان میں سے بعض سیوستہ کی بندرگاہ پر جا بیٹھے تھے۔ آخر قیروان کے پتن پر قیدیوں کی پہلی کشتیاں پہنچیں۔ بربران کے ملاحوں پر ٹوٹ پڑے۔ قیدیوں کے ساتھ بربر عسکری بھی تھے۔ انہوں نے اُندلس کی جنگ کی خبریں سنائیں تو بربروں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور اپنے اپنے قبیلوں میں پہنچے۔ ان میں بعض بہت دور صحرا میں رہتے تھے۔ جہاں جہاں طارق بن زیاد کی فتح اور اُندلس کی اتنی بڑی فوج کی تباہی کی خبر پہنچی وہاں خوشیاں رقص کرنے لگیں۔ مرد، عورتیں اور بچے پاگلوں کی طرح ناچنے لگے۔

"طارق بربر کے پاس فوج بہت کم ہے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آگے جا کر پھنس جائے۔"

"طارق بن زیاد کی مدد کو پہنچو۔"

اور ایسی ہی کچھ اور آوازیں تھیں جو ایک للکار بن کر دشت و صحرا میں پھیل گئیں۔ اس للکار پر نوجوان، جوان اور ادھیڑ عمر بربر مسلمان سیوستہ اور قیروان کے ساحل پر اکٹھے ہونے لگے۔ اُندلس کی کشتیاں تمام قیدیوں کو قیروان پہنچا کر جا چکی تھیں۔ کئی دن گزر گئے تھے۔ بربروں نے اپنے لیے کشتیوں کا انتظام کر لیا اور وہ طارق بن زیاد کی فوج میں شامل ہونے کے لیے اُندلس پہنچنے لگے۔

اُدھر ہنری ایک کشتی سے سیوستہ کے پتن پر اُترا اور جولین کے محل کی طرف دوڑ پڑا۔ یہ وہ ہنری تھا جس نے جولین کی بیٹی فلورنڈا سے وعدہ کیا تھا کہ اُندلس کے بادشاہ راڈرک کا سر کاٹ کر فلورنڈا کے قدموں میں لا رکھے گا۔ ہنری جس وقت سیوستہ پہنچا اُس وقت تک وہاں اُندلس کے محاذ کی کوئی خبر نہیں پہنچی تھی۔ وہ جب کشتی سے اُتر کر دوڑا تو تین چار بربر اُس کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔

"تم اُندلس سے آئے ہو؟" — دوڑتے ہوئے ہنری کو ایک بربر کی آواز سنائی دی۔
"ہاں!" — ہنری نے بغیر رکے جواب دیا — "میں جانتا ہوں تم کیا سننا چاہتے ہو..... بربر فاتح ہیں۔"
"رُک کر سناؤ بھائی!" — بربر اُس سے آملے۔
ہنری نے دوڑتے دوڑتے انہیں کم سے کم الفاظ میں اُندلس کی فتح اور راڈرک کی موت اور اُس کی فوج کی تباہی کی خبر سنائی۔
"قیروان چلے جاؤ" — ہنری نے کہا — "اُندلس کے ہزاروں قیدی وہاں اُتارے جائیں گے۔"
بربر مسلمان فتح و نصرت کے اپنے ہی نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے اور ہنری محل کی طرف دوڑتا گیا۔ محل قلعے کے اندر تھا اور قلعہ دور نہیں تھا۔ فلورنڈا قلعے کی دیوار پر کھڑی سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ اس کا معمول تھا کہ صبح سے شام تک کئی بار قلعے کی دیوار پر چلی جاتی اور سمندر کی وسعت پر نظریں دوڑانے لگتی۔ کوئی کشتی دکھائی دیتی تو اس کی نظریں اس کشتی پر جم جاتیں اور کشتی کے غائب ہونے تک وہ اسے دیکھتی رہتی، پھر اُس کے چہرے پر مایوسی کی پرچھائیاں آجاتیں اور دل بُجھ کے رہ جاتا۔ کتنے ہی دن گزر گئے تھے اور دن گزرتے ہی جارہے تھے۔
آخر اسے وہ کشتی نظر آہی گئی جس کا اسے انتظار تھا۔ اُس نے دُور سے پہچان لیا کہ کشتی سے جو اُترا ہے وہ ہنری ہے۔ وہ قلعے کی دیوار سے دوڑتی ہوئی اتری۔ ہنری کا رخ قلعے کے بغلی دروازے کی طرف تھا جدھر محل تھا۔ دن کا وقت ہونے کی وجہ سے یہ دروازہ کُھلا ہُوا تھا۔ ہنری دروازے میں داخل ہُوا۔ اُسے سب جانتے تھے اس لیے اُسے کسی نے نہ روکا۔ وہ محل کے اس باغیچے میں جا رُکا جو پھولدار بلند باڑ اور بیلوں کے نرغے میں تھا۔ اس میں باہر کے کسی آدمی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہنری پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ اس کے علاوہ وہ بہت بڑی اور بڑی ہی حیران کُن خبر لایا تھا۔ اس لیے اُس نے پروا نہ کی اور وہاں رُک کر ہانپتی کانپتی سانسوں کو سنبھالنے لگا۔
"ہنری!" — اُسے اپنے پیچھے آواز اور دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔
وہ پیچھے مُڑا اور فلورنڈا نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اُس کے بازو فلورنڈا کے گرد لپٹ گئے۔ ایک تو اتنے دنوں بعد ملنے کا یہ جذباتی انداز اور اس کے ساتھ ہی فلورنڈا نے اُس کے بازوؤں سے نکل کر اُسے ہلکا سا دھکا دیا اور دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر ناراضگی کے گہرے تاثرات پیدا ہوگئے۔
"تم خالی ہاتھ آئے ہو" — فلورنڈا نے کہا — "اپنا وعدہ یاد کرو۔ راڈرک کا سر کہاں ہے؟"
ہنری خاموشی سے سنتا اور مسکراتا رہا۔

"ہنری!" — فلورنڈا نے اُس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے اور اسے جھنجھوڑ کر کہا۔ "کیا مسلمان راڈرک سے شکست کھا گئے ہیں اور تم وہاں سے بھاگ آئے ہو کیا میرا باپ پکڑا گیا ہے یا مارا گیا ہے؟"

"نہیں فلورا!" — ہنری نے کہا۔ "کاؤنٹ زندہ ہیں۔ راڈرک مارا گیا ہے۔"

"اُس کا سر کیوں نہیں لائے؟"

"وہ ڈوب مرا ہے" — ہنری نے کہا اور زمین پر پڑے ہوئے شاہانہ جُوتے اٹھائے جو اس نے زمین پر رکھے تھے۔ یہ جُوتے فلورنڈا کی طرف بڑھا کر کہا — "اُس کے یہ جُوتے ہاتھ آئے ہیں۔ اُس کا سفید گھوڑا دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ گھوڑے کے قریب اُس کی تلوار اور یہ جُوتے پڑے ہوئے تھے۔ یہ چیزیں مجھے ویسے ہی نہیں مل گئی تھیں۔ میں تلوار ہاتھ میں لیے راڈرک کی فوج میں گھس گیا تھا۔ مجھے راڈرک کا جھنڈا نظر نہیں آرہا تھا۔ میں دریا تک پہنچ گیا۔ راڈرک کی فوج مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ رہی تھی۔ مجھے راڈرک کا سفید گھوڑا نظر آگیا مگر اس پر راڈرک سوار نہیں تھا۔ اُس کی تلوار اور جُوتے اٹھا کر میں اُس کے گھوڑے پر سوار ہُوا اور گھوڑا دوڑاتا سپہ سالار طارق بن زیاد کے پاس گیا اور بتایا کہ راڈرک دریا میں ڈوب گیا ہے۔ گھوڑا اور تلوار کے جس دستے میں ہیرے اور بڑے قیمتی موتی جڑے ہوتے ہیں، طارق بن زیاد نے رکھ لی۔ میں نے اُسے کہا کہ جُوتے میرے پاس رہنے دے۔ اُس نے مجھے جوتے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دی۔ میں یہ تمھارے لیے لایا ہوں۔"

فلورنڈا کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس کا انتقام پورا ہو چکا تھا۔

♣

دو مؤرخوں، پروفیسر ڈوزی اور گیانگوز نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کو طارق بن زیاد کا پیغام ملا تو اُس نے بڑی بے صبری سے پیغام پڑھا۔ اُس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ طارق نے آٹھ دنوں کی جنگ کی تفصیلات لکھی تھیں لیکن امیرِ افریقہ موسیٰ بن نصیر کی تسکین نہ ہُوئی۔

"تم اپنی زبان سے سناؤ" — موسیٰ بن نصیر نے پیغام لانے والے قاصد سے کہا — "آٹھ دنوں کی روز بروز جنگ کی ہر بات سناؤ۔ تم نے جو اپنی آنکھوں دیکھا ہے وہ سب سناؤ۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر پر نشے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور وہ جھوم جھوم کر دریائے گادلیت کی جنگ کی آنکھوں دیکھی تفصیلات سن رہا تھا۔ اُس نے خلیفہ کے نام جو پیغام لکھوایا اس کا کچھ حصہ تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ جنگ کی تفصیلات لکھ کر اُس نے آخر میں لکھا:

"....اور امیرالمومنین! یہ جنگ کوئی عام سی جنگ نہیں تھی کوئی آسان معرکہ نہیں تھا۔ یہ تو میدانِ حشر تھا۔ میں نے زبانی جو تفصیل سنی ہے اس سے

رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہماری فتح مشکوک تھی۔ بارہ ہزار ایک لاکھ کے مقابلے میں آدھا دن بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا کرشمہ ہے۔ ہم انہیں صرف خراجِ تحسین پیش کر سکتے ہیں، اجر اور صلہ تو انہیں اللہ دے گا۔"

موسیٰ بن نصیر نے راڈرک کا گھوڑا اور تلوار پیغام کے ساتھ خلیفہ کو دمشق بھیج دی۔ اس کے ساتھ تیس ہزار قیدی بھی۔ ایک عرب قلمکار ابن المنصور نے وہ منظر شاعرانہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ تیس ہزار کے اس پابجولاں ہجوم کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسلام کے مقابلے میں کفر کتنا بے بس اور مجبور ہے۔ قیدیوں کے اس ہجوم پر ترس آتا تھا۔ پہلے یہ ایک باطل عقیدے کے قیدی تھے، اپنے بادشاہ کے حکم کے پابند تھے اور اب یہ جنگی قیدی بن کر پاپیادہ جا رہے تھے۔ انہیں ابھی کسی نے نہیں بتایا تھا کہ تم اندھیرے سے نکل کر اُجالے کی طرف جا رہے ہو، باطل سے حق کی طرف جا رہے ہو۔ انہیں نہیں بتایا گیا تھا کہ اسلام میں بادشاہوں والا جبر نہیں، جور و ستم نہیں اور اسلام میں آقا اور غلام ایک ہیں۔

ایک یورپی شاعر لوک ہارٹ نے راڈرک کی شکست کا منظوم قصہ لکھا تھا جسے اُس نے "ہسپانوی منظوم ڈرامہ" کا نام دیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب راڈرک کی فوج شکست کھا چکی تو وہ ایک بلندی پر جا کر دیکھنے لگا۔ اس منظر کو لوک ہارٹ جو تاریخ دان بھی ہے، یوں بیان کرتا ہے:

"اُسے اپنے شاہی پرچم نظر آئے جو کل تک بلند تھے اور پھڑپھڑاتے تھے مگر آج وہ پھٹے ہوئے اور خون میں رنگے ہوئے زمین پر پڑے تھے.... اُس نے فتح و نصرت کے نعرے سُنے، یہ مسلمانوں کے نعرے تھے۔ اُس کی تھکی ہوئی، مایوس اور شکست کھائی ہوئی، آنکھیں میدانِ جنگ میں اپنے جرنیلوں اور کپتانوں کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر سب بھاگ گئے تھے سوائے ان کے جو مارے گئے تھے.... راڈرک نے آہ لے کر اپنے آپ سے کہا، میری فوج کی لاشوں کی گنتی کوئی نہیں کر سکتا۔ کون اتنی زیادہ لاشوں کی گنتی کر سکتا ہے؟.... اتنا وسیع و عریض میدان لہو سے لال ہو گیا۔ اُس کی نظریں اس لہو سے پھسلنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے جیسے کسی زخمی سپاہی کی شہ رگ سے خون کے آخری قطرے ٹپک رہے ہوں....

"راڈرک نے اپنے آپ سے کہا، کل تک میں اُندلس کا بادشاہ تھا، آج کچھ بھی نہیں۔ عالیشان قلعوں کے دروازے میری سواری کو دُور سے دیکھ کر ہی کھل جایا کرتے تھے مگر کوئی ایسی جگہ نہیں ملتی جہاں میں اطمینان سے بیٹھ سکوں۔ میرے لیے دنیا کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں.... او بدنصیب! تو سمجھتا تھا کہ ساری دنیا کی طاقت تیرے ہاتھ میں ہے.... ہاں، میں بدنصیب ہوں۔ میں آج آخری بار سورج کو غروب ہوتا دیکھ رہا ہوں.... اے موت! تو اتنی آہستہ آہستہ کیوں آ رہی ہے؟ مجھے اُچک

لینے سے ڈر کیوں رہی ہے؟ آ.... جلدی آ۔"

فرزندانِ توحید نے تاریخ اسلام کا ایک اور درخشاں باب لکھ ڈالا بلکہ یہ باب کفار کے ہاتھوں کفار کے خون سے لکھوا دیا۔

♣

طارق بن زیاد نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ جولین اور اوپاس اُس کے ساتھ تھے۔

"ہم یہاں اور زیادہ نہیں رُک سکتے"۔۔۔ طارق نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "اس میدان سے جو اُندلسی بھاگ گئے ہیں۔ انہیں کہیں آرام کی اور سنبھلنے کی مہلت نہیں ملنی چاہیے ان کے تعاقب میں رہو اور کوچ کی تیاری فوراً کرو۔"

جولین اور اوپاس کی رہنمائی میں مسلمانوں کا لشکر کوچ کرنے لگا تو طارق کو اطلاع ملی کہ بیشمار بربر مسلمان لشکر میں شامل ہونے کے لیے آئے ہیں۔ بربر قبائل کو جوں جوں فتح کی خبر ملتی گئی وہ قیروان اور سیوستہ کے تاجروں سے کرائے کی کشتیوں میں اُندلس پہنچنا شروع ہو گئے۔ طارق بن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں فوج میں شامل کر لیا جائے اور انہیں ذہن نشین کرا دیا جائے کہ یہاں لڑنا ہے اور لوٹ مار کو دل سے نکال دیں۔

آگے شدونہ نام کا ایک قلعہ تھا۔ شہر پناہ کے اندر یہ ایک چھوٹا قصبہ تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کو دُور سے آتا دیکھ کر اس قلعے میں جتنے فوجی تھے وہ سب بھاگ گئے۔ شہری بھی وہاں سے نکل رہے تھے۔ طارق بن زیاد نے محافظ گھوڑ سوار دستے کے کماندار سے کہا کہ وہ چند ایک سواروں کو دوڑا دے کہ ان شہریوں کو روک لیں اور انہیں یقین دلائیں کہ ان کے مال و اموال جان اور آبرو کی پوری طرح حفاظت ہو گی۔

گھوڑ سواروں نے جا کر شہریوں کو روک لیا اور انہیں گھروں کو واپس بھیج دیا۔ شہریوں کا ایک وفد طارق بن زیاد کے پاس آیا۔

"ہم نہتے ہیں"۔۔۔ وفد میں جو سب سے زیادہ بوڑھا تھا، اُس نے کہا۔۔۔ "ہم کمزور ہیں۔ کمزور کو حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ طاقتور پر اپنی کوئی شرط عائد کرے۔ یہ حق بادشاہوں کو حاصل ہے کہ فوجوں کی طاقت سے کمزور ملکوں پر قبضہ کریں اور فوجیوں کو لوگوں کے گھر لوٹ لینے کی اور اُن کی بیٹیوں کو بے آبرو کرنے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے بھی یہی کچھ کرنا ہے۔ اس بستی میں آپ کا ہاتھ اور آپ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے والا کوئی نہیں۔ ہمیں جانے دیں، سب کی تلاشی لے لیں۔ ہم اپنی جوان لڑکیوں کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جا رہے۔ آپ بستی میں داخل ہو جائیں۔ ہم آپ کا استقبال کریں گے۔"

طارق کو بتایا گیا کہ بوڑھا کیا کہہ رہا ہے۔

"اسے کہو"۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔ "اِن سب سے کہو کہ ہم وہ مذہب ساتھ لائے ہیں جو کمزوروں کو طاقتوروں سے محفوظ رکھتا ہے اور جو کسی کو بادشاہ بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ ہمارے مذہب

یں کسی کو لوٹنے کی اجازت ہے اور کسی عورت کو بے آبرو کرنے کی سزا یہ ہے کہ اس جرم
مجرم کو اتنے پتھر مارے جاتے ہیں کہ وہ مر جاتا ہے.... انہیں بتاؤ کہ ہم اس ملک پر نہیں
اس ملک کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنے آئے ہیں لیکن جبر سے نہیں، پیار اور محبت
اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور اپنے قیمتی مال و اموال کو مت چھپاؤ۔ جو چیز جس کی
وہ اسی کی ہے۔"

وفد کو جب طارق کی باتیں ان کی زبان میں سنائی گئیں تو وفد کے ہر شخص کے چہرے پر
اور بے یقینی کا تاثر تھا۔ وہ کچھ اور کہے بغیر طارق بن زیاد کے گھوڑے کے ساتھ چل پڑے۔
مجاہدین کا لشکر جا رہا تھا۔ اس طرح شدونہ کا قلعہ بند قصبہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغ
مل گیا۔

طارق نے یہاں کے شہری انتظامات کے لیے جو حاکم اور اہل کار مقرر کیے وہ گوتھ ا
دیگر عیسائی تھے۔ ان پر حاکم اعلیٰ مسلمان تھے۔ شہر کے لوگوں کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر
نہ دیکھا۔ اگلے دن تک شہریوں کے دلوں سے خوف و ہراس نکل گیا۔

☘

اس سے آگے ایک چھوٹا شہر قرمونہ تھا۔ طارق نے آٹھ دس دن وہیں گزارے۔
قبائل کے جوان شمالی افریقہ سے چلے آرہے تھے۔ بعض مؤرخوں نے ان کی تعداد بارہ ہزار لکھ
ہے اور بعض نے پچاس ہزار۔ ان بربروں کی تعداد بیس اور پچیس ہزار کے درمیان تھی۔ طار
نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں نظم و نسق سے لڑنے کی تربیت دیتے رہیں۔

طارق بن زیاد جب اپنی فوج کے ساتھ قرمونہ کو روانہ ہونے لگا تو شہر کے دو بڑ
معزز اور معمر آدمی اس کے پاس آئے۔

"پہلے روز ہم نے آپ کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا تھا"—— ان میں سے ایک نے کہا۔

"لیکن آپ نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا مذہب انسان کو انسانیت کا درجہ دیتا ہے
رعایا پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس بستی کا بچہ بچہ آپ کے کردار کو سلام کرتا ہے
ہم آپ کے احسان کا بدلہ اس طرح چکا سکتے ہیں کہ آپ کو آگے کے خطروں سے آگ
کر دیں....

"آپ کو یہ بستی جس طرح آسانی سے مل گئی ہے اس طرح آپ کو آگے کوئی شہر نہیں
گا۔ یہاں سے جو فوج بھاگ گئی تھی وہ آپ کے ڈر سے نہیں بھاگی تھی۔ ان کے کماندار اور شہر
قلعہ دار نے پہلے شہریوں سے کہا تھا کہ وہ بھی مسلمانوں کے خلاف لڑیں اور قلعے کا محاصرہ
نہ ہونے دیں۔ ہم دونوں وہاں موجود تھے۔ ہم نے کہا تھا کہ فوج تھوڑی ہے اور شہریوں
قلعے کا محاصرہ توڑنے کا تجربہ نہیں....

"ایک فوجی حاکم نے کہا کہ یہاں لڑنے کا خطرہ مول ہی نہ لیا جائے۔ یہ بستی حملہ آور دا

دے دی جائے اور اگلے قلعوں میں اکٹھے ہو کر حملہ آوروں کی طاقت کمزور کی جائے۔ حاکم کہتے تھے کہ راڈرک کی نالائقی کی وجہ سے ہمیں شکست ہوئی ہے اور شکست کی دوسری وجہ گوتھوں کی غداری ہے۔ ایک کماندار نے کہا کہ ہم راڈرک سے آزاد ہوں گے اس لیے بہتر طریقے سے لڑسکیں گے.... آخر سب اس فیصلے پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں کا لشکر دور سے آتا نظر آئے تو قلعے کی فوج قلعے سے بھاگ جائے اور اگلے شہر میں چلی جائے۔"

"کیا تمہارے فوجی ڈرے ہوئے نہیں تھے؟"

"وہ جو دریائے گادلیت کی لڑائی سے بچ کر آئے تھے، بہت ڈرے ہوئے تھے" ــــ ایک معمر شہری نے جواب دیا ــــ "لیکن قلعے کے فوجیوں اور شہریوں نے انہیں اتنا شرمسار کیا کہ وہ شکست کا انتقام لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے دلوں میں اب خوف نہیں انتقام کا جذبہ ہے۔ ہم آپ کو خبردار کرنے آئے ہیں کہ اس سے آگے مقابلہ بڑا سخت ہوگا۔"

♣

طارق بن زیاد نے جب قرمونہ پہنچ کر قلعے کو محاصرے میں لیا تو تھوڑی ہی دیر بعد اُسے پتہ چل گیا کہ اس قلعے کو وہ آسانی سے نہیں لے سکے گا اور محاصرہ طول پکڑ جائے گا۔ دیوار دیوار پر تیر انداز اور برچھی انداز سینے تانے کھڑے تھے۔ طارق نے قلعے کے اردگرد گھوم پھر کر دیوار کو دیکھا کہ کہیں سے دیوار کمزور ہو تو وہاں سے توڑی جائے لیکن دیوار مضبوط تھی۔ دروازوں پر دھاوا بولا گیا لیکن اوپر سے تیروں اور برچھیوں کی بارش نے کئی مسلمانوں کو زخمی اور شہید کر دیا۔

چند دن یہ طریقہ بار بار آزمایا جاتا رہا۔ دیواروں کے اوپر سے تیروں اور برچھیوں کے ساتھ طعنوں کے تیر بھی برستے رہے۔

"یہ شدونہ نہیں بربرو! قرمونہ ہے۔"

"واپس چلے جاؤ جنگلیو! ہمارے ہاتھوں کیوں مرنے آ گئے ہو!"

"ڈاکوؤ! لٹیرو! ہم سونے چاندی کے کچھ ٹکڑے پھینک دیتے ہیں انہیں اُٹھاؤ اور واپس چلے جاؤ۔"

"کالے چہروں والو! شکست کھانے والا راڈرک مر گیا ہے۔"

محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ بعض مؤرخوں نے ایک مہینہ اور بعض نے دو مہینے لکھے ہیں۔

اور ایک رات محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ دیوار پر اُندلس کے فوجی ناچنے لگے۔ وہ دشنام طرازی کر رہے تھے۔ شہر کے لوگ بھی دیوار پر آ گئے۔ مشعلوں نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ سارے شہر میں جشن کا سماں تھا۔

آدھی رات کے بعد لوگ دیواروں سے اُتر گئے اور گھروں میں جا کر سو گئے۔ اتنے لمبے محاصرے کے تھکے ہوئے سپاہی اور ان کے کمانڈر بھی سو گئے۔ قلعے کے دروازوں کے اوپر برجوں میں اور دروازوں کے پیچھے ڈیوٹی والے سنتری جاگ رہے تھے۔ دو اڑھائی

یہ آدمی قلعے کے بڑے دروازے کے باہر آر کے۔ ان میں سے ایک نے بلند آواز سے سنتریوں کو پکارا۔ وہ اُندلس کی زبان بول رہا تھا۔

"کون ہو تم لوگ؟" ــــ سنتریوں کے کمانڈر نے ایک برج سے جُھک کر پوچھا۔

"میں سیوستہ کا والی کاؤنٹ جولین ہُوں" ــــ دروازے کے باہر سے آواز بلند ہوئی ــــ "مشعلیں نیچے کرو اور مجھے پہچانو۔"

کاؤنٹ جولین کے نام سے فوجی افسر واقف تھے اور اسے پہچانتے بھی تھے۔ وہ جولین ہی تھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" ــــ کمانڈر نے پوچھا۔

"دروازہ کھولو اور ہمیں پناہ میں لے لو" ــــ جولین نے کہا ــــ "یہ میرے محافظ دستے کے آدمی ہیں۔ میرے سات آٹھ سو محافظ مارے گئے ہیں۔ ہم گادلیت کی لڑائی سے زندہ نکلے ہیں۔ جنگلوں میں بھٹک بھٹک کر یہاں پہنچے ہیں۔ قلعہ محاصرے میں تھا اس لیے ہم دُور چُھپے رہے۔ آج محاصرہ اُٹھا ہے اور ہم پناہ لینے آ گئے ہیں۔ میں زخمی ہُوں۔ میرے محافظوں میں سے بھی بیس پچیس زخمی ہیں بھوک اور تھکن نے ہمیں مُردہ کر دیا ہے...... دروازہ کھولو۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جولین کے کپڑوں کی حالت اور حلیہ بتا رہا تھا کہ اُس نے بہت مصائب جھیلے ہیں۔ اُس کے ساتھ جو دو اڑھائی سو آدمی تھے اُن کی حالت بھی بہت بُری تھی۔ اُوپر سے متعدد مشعلوں کی روشنی میں دیکھا گیا کہ وہ جولین ہی ہے۔ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ قلعہ دار کو جگانے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔

جولین دو اڑھائی سو آدمیوں کے ساتھ قلعے میں گیا اور اُس کے اشارے پر اُس کے آدمی سنتریوں پر ٹوٹ پڑے اور سب کو ہلاک کر ڈالا۔ ان میں سے بہت سے آدمی دوسرے دروازوں تک گئے۔ پیشتر اس کے سنتریوں کو پتہ چلتا کہ یہ کون ہیں، سنتری ان کی تلواروں سے کٹ چکے تھے۔ تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ قلعے کی فوج محاصرہ اُٹھ جانے کی خوشی میں شراب پی پی کر بیہوش پڑی تھی۔ مسلمان محاصرہ اُٹھا کر کہیں دُور نہیں گئے تھے۔ وہ جولین کے اشارے کے انتظار میں قریب ہی کہیں بیٹھ گئے اور رات کی تاریکی نے انہیں چھپا لیا تھا۔

یہ جولین کی سکیم تھی جو اُس نے طارق بن زیاد کے ساتھ بنائی تھی۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جولین کے ساتھ جو دو اڑھائی سو آدمی تھے وہ سب یونانی تھے اور جولین کی اپنی فوج کے تھے لیکن دوسرے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ سب مسلمان تھے اور اُنھوں نے اپنے لباس بدل لیے تھے۔ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ جولین کے ساتھ اپنی فوج نہیں تھی۔

سنتریوں کو قتل کر کے اور دروازے کھول کر جولین خود مشعل ہاتھ میں لے کر قلعے کی دیوار پر گیا اور مشعل بلند کر کے دائیں بائیں ہلانے لگا۔ طارق بن زیاد اسی اشارے کا منتظر تھا۔ اُس کی فوج تیار تھی۔ طارق نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو اُس کی فوج سیلاب کی طرح قلعے کی طرف گئی اور کھلے ہُوئے دروازوں سے قلعے میں داخل ہو گئی۔ قلعے میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ قلعے کی

فوج بیدار ہوئی تو اُسے پتہ چلا کہ وہ تو اب قیدی ہے۔
مجاہدین کا لشکر قلعے میں داخل ہو چکا تو قلعے کی فوج کے بہت سے افسروں اور سپاہیوں کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ پچیس تیس میل آگے ایک اور قلعہ بند شہر الیسجا تھا۔ یہ شہر خاصا بڑا تھا جس کے اردگرد بڑی مضبوط شہر پناہ تھی۔ تمام کا تمام شہر بڑے ہی مضبوط قلعے جیسا تھا۔ الیسجا کو اس لیے بھی شہرت حاصل تھی کہ یہ عیسائیت کا مذہبی مرکز تھا۔ ایک بڑا گرجا تھا اور اس کے ساتھ درس گاہ تھی۔ اس کے علاوہ یہاں کئی اور چھوٹے گرجے اور خانقاہیں تھیں۔
یہ وہ دور تھا جب بڑے پادریوں نے عیسائیت کے اصل مسلک سے ہٹ کر خانقاہی نظام جاری کر رکھا تھا اور مذہب میں وہ من مانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مذہبی امور میں طوائف الملوکی چلا رکھی تھی۔ انہیں روکنے ٹوکنے کی جرآت بادشاہ بھی نہیں کرتے تھے۔ عوام پر انہوں نے تقدس طاری کر رکھا تھا۔ عوام کو انہوں نے بالکل ویسے ہی اپنی مریدی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا جیسے آج کل پاکستان میں پیروں، شاہ صاحبوں اور مولویوں نے لوگوں کو اپنے جال میں لے رکھا ہے۔ خود عیسائی تاریخ نویس، وقائع نگار اور مبصر لکھتے ہیں کہ پادریوں اور راہبوں نے گرجوں اور خانقاہوں جیسی عبادت گاہوں کو عیش و عشرت کے اڈے بنا رکھا تھا۔ وہاں جنسیّت اور شراب کا راج تھا۔ اس کے باوجود لوگ الیسجا کو مقدس شہر سمجھتے تھے۔

♣

طارق بن زیاد کے لیے اب اگلا شہر یہی الیسجا تھا۔ جولیَن اور اوپاس نے اُسے بتا دیا تھا کہ الیسجا عیسائیوں کے لیے اتنا مقدس شہر ہے کہ اسے آسانی سے نہیں لیا جا سکے گا۔ شہری بھی لڑیں گے، عورتیں بھی لڑیں گی خواہ ناخنوں سے ہی لڑیں۔
جولیَن طارق کو جو باتیں زبانی بتا رہا تھا۔ وہ عملی طور پر الیسجا میں ہو رہی تھیں۔ دریائے گادلیت کی جنگ سے بھاگے ہوئے اُندلسی فوجی شدونہ اور قرمونہ کے قلعوں میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ وہاں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہاں سے بھاگے اور الیسجا پہنچ گئے۔ اس شہر میں خبریں پہنچ گئی تھیں کہ مسلمان فتح پہ فتح حاصل کرتے آ رہے ہیں۔ لوگوں میں خوف کی لہر تو آئی لیکن ان میں مقابلے کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ ان کے ملک پر یہ کوئی فوج حملہ آور نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک ایسے مذہب کی یلغار ہے جو عیسائیت جیسے سچّے مذہب کو ختم کر دے گا۔
پچھلے محاذوں اور قلعوں سے بھاگے ہوئے اُندلسی فوجی جب الیسجا میں داخل ہوتے تو اس شہر کے لوگوں نے انہیں روک روک کر طعنے دینے شروع کر دیئے۔
"اِن بُزدلوں کو شہر سے نکال دو۔"
"آؤ بے غیرتو، آؤ۔ شدونہ اور قرمونہ کی بیٹیاں دشمن کو دے آئے ہو۔"
"اپنی بیٹیوں کی ہم خود حفاظت کریں گے۔"
"ان بُزدلوں کو زندہ نہ چھوڑو۔"

"ان کے کپڑے اتار کر انہیں عورتوں کے فراک پہنا دو۔"
"ایسیجا کی عورتیں لڑیں گی"— یہ گھروں سے باہر کھڑی عورتوں کی آوازیں تھیں۔
"انہیں پانی کا ایک گھونٹ نہ دینا۔ انہیں پیاسا مرنے دو۔"
"بھوکا مار دو۔"
"سنگسار کر دو۔"

اور ایسے ہی بیشمار طعنے تھے جو تیروں کی طرح ان شکست خوردہ اور بھگوڑے فوجیوں پر برس رہے تھے۔ وہ تو پناہ لینے آئے تھے لیکن اُن کے لیے یہاں پناہ نہیں تھی۔ قرمُونہ میں جو فوجی مقیم تھے وہ بھی ان سے مُنہ نہیں لگاتے تھے لیکن وہ آخر فوجی تھے۔ انہیں لڑانا تھا اس لیے انہیں کھانا پانی دیا گیا۔ ان کے افسروں نے ان سے پوچھا کہ حملہ آوروں کے لڑنے کے طریقے اور انداز کیسے ہیں۔

اس سوال کا جواب کوئی بھی فوجی نہ دے سکا۔ کسی نے جواب دیا تو یہ دیا کہ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ چند ہزار نے کس طرح ایک لاکھ سے زیادہ فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ شہنشاہ راڈرک بھی اُن کی چالوں کو نہ سمجھ سکے اور مارے گئے۔

شام کے بعد شہر کے بڑے پادری نے ایک جلسۂ عام کا اعلان کیا تھا جس میں قلعے کی فوج کو اور بھاگ کر آنے والے فوجیوں کو بھی بلایا گیا تھا۔ شہر کے تمام لوگ اور فوجی جلسے میں آئے ہُوئے تھے۔ پادری نے وعظ کے انداز سے تقریر شروع کی جس سے لوگوں پر مذہب کا تقدّس طاری ہو گیا پھر وہ اصل بات پر آیا۔

"....اور یہ حملہ تمھارے ملک پر نہیں تمہارے مذہب پر ہے۔ یہ حملہ تمھاری عزت اور تمہاری غیرت پر ہے۔ اس شہر کی اہمیت کو اور اس کے تقدّس کو تم اچھی طرح سمجھتے ہو۔ اگر تم نے یہ شہر اپنے دشمن کو دے دیا تو سمجھو کہ تم نے کنواری مریم کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ سمجھو کہ تم نے صلیب دشمن کے قدموں میں رکھ دی۔ یسوع مسیح کی بادشاہی کی جڑیں کاٹ دی ہیں۔ سمجھو کہ تم نے اپنی کنواری بیٹیاں ایک غیر مذہب کے آدمیوں کو دے دیں۔ حملہ آور ڈاکو اور قزاق ہیں۔ عصمتوں کے لٹیرے ہیں۔ غلاموں کے تاجر ہیں۔ تمھاری بیٹیوں کے ساتھ تمہیں بھی لے جائیں گے اور غلاموں کی طرح تمہیں امیروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔ تمہارے ان گرجوں کو، خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو یہ حملہ آور اصطبل بنائیں گے۔ کہو تمہیں منظور ہے؟"

"نہیں فادر! نہیں"— لوگوں کے ہجوم نے گرج کر جواب دیا —"ہم اس شہر کی عظمت پر مر مٹیں گے۔"

"اور اب میں ان فوجیوں سے دو چار باتیں کر دوں گا"— بڑے پادری نے کہا —"یہ

لڑائی سے بھاگ آئے ہیں۔ تم لوگوں نے انہیں بہت شرمسار کیا ہے اور یہ شرمسار ہوئے ہیں۔ لڑائی سے بھاگنا گناہ ہے۔ اگر انہوں نے اب دشمن کو بھگا دیا یا اسے تباہ کر دیا تو ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جو اس مقدس شہر پر اپنی جانیں قربان کریں گے وہ سیدھے بہشت میں جائیں گے۔"

پادری نے فوجیوں اور شہریوں میں لڑنے کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے بڑی جوشیلی اور اشتعال انگیز تقریر کی۔ سننے والوں نے جوشیلے نعرے لگائے اور کیا فوجی کیا شہری، سب لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

♣

اس کے بعد پادری اس عمارت میں گیا جہاں وہ لڑکیاں رہتی تھیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اپنی جوانیاں اور اپنے پُرشباب جذبات مذہب کے لیے وقف کر دیئے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کے حسن کے چرچے دور دور تک ہوتے تھے۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین تھی اور یہ سب ساری عمر کنواری رہتی تھیں۔ ہر لڑکی راہبہ کہلاتی تھی۔ ان کے ساتھ پادری اور راہب رہتے تھے، وہ بھی ساری عمر کنوارے رہتے تھے۔

بڑے پادری نے ان تمام راہباؤں کو ہال میں اکٹھا کیا اور انہیں بھی وہی وعظ سنایا جو وہ جلسہ عام میں سنا چکا تھا۔ مسلمانوں کو ڈاکو، قزاق اور لٹیرے کہا اور یہ بھی کہا کہ حملہ آور مسلمان وحشی اور جنگلی ہیں۔

"وہ تم جیسی حسین لڑکیوں کو مخمل اور ریشم میں لپیٹ کر نہیں رکھیں گے"۔۔۔ پادری نے کہا ۔۔۔"تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کر کے جان سے مار دیں گے یا تمہیں نیم جان کر کے ساتھ لے جائیں گے اور صحراؤں میں رہنے والے قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ ہمیں اس شہر کا یا اپنی جانیں جانے کا غم نہیں۔ ہمیں تمہارا غم ہے۔ تم ان کے ہاتھ لگ گئیں تو بڑے ہی بھیانک انجام کو پہنچو گی۔"

"کیا ہم قرطبہ یا طلیطلہ نہ چلی جائیں فادر؟"۔۔۔ ایک نوجوان راہبہ نے پوچھا۔

"نہیں!"۔۔۔ پادری نے جواب دیا ۔۔۔"تمہارے لیے کوئی جگہ محفوظ نہیں۔ ایک طریقہ ہے جس سے اس خطرے کو ٹالا جا سکتا ہے یا کمزور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے پانچ چھ لڑکیوں کی ضرورت ہے لیکن لڑکیاں ایسی ہوں جو آگے جا کر ڈر نہ جائیں۔"

"کرنا کیا ہے؟"۔۔۔ ایک لڑکی نے پوچھا۔

"حملہ آوروں کے سب سے بڑے کمانڈر کو جس کا نام طارق بن زیاد ہے، قتل کرنا ہے"۔۔۔ پادری نے کہا ۔۔۔"اور اس کے ساتھ جو تین چار جرنیل ہیں انہیں بھی قتل کرنا ہے۔"

لڑکیوں پر سناٹا طاری ہو گیا جیسے ہال میں کوئی ذی روح موجود ہی نہیں۔

"کام مشکل نہیں"۔۔۔ پادری نے کہا ۔۔۔"وہ آ رہے ہیں اور وہ اس شہر پر قبضہ کر لیں گے۔ اور وہ تم سب کو اپنے ساتھ رکھ لیں گے۔ یہ بھی سوچ لو کہ ایسا نہیں ہو گا کہ ایک ایک آدمی تم

میں سے ایک ایک لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ لے گا۔ وہ فوج ہے لشکر ہے۔ تم میں سے ہر ایک کی حالت اُس خرگوش جیسی ہو گی جو بہت سے بھیڑیوں کے نرغے میں آجاتا ہے۔ اس انجام کو پہنچنے سے پہلے کیوں نہ تم ان کو راستے میں ختم کر دو؟.... تم میں کوئی ایک بھی کنواری نہیں ہے۔ مسلمانوں کی فوج قرمونہ سے چل کر راستے میں ایک پڑاؤ کرے گی۔ جو لڑکیاں جانا چاہتی ہیں انہیں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ پڑاؤ میں چلی جائیں گی اور کہیں گی کہ ہم طارق بن زیاد کے پاس جانا چاہتی ہیں۔ انہیں کوئی نہیں روکے گا۔ ہر لڑکی کے کپڑوں میں ایک ایک خنجر چھپا ہُوا ہو گا۔ طارق بن زیاد ایک لڑکی کو اپنے خیمے میں رکھ لے گا اور باقی لڑکیوں کو اُس کے جرنیل لے جائیں گے۔ پھر تم خود سمجھ سکتی ہو کہ خنجر کا وار کس طرح کرنا ہے.... اس کام کے لیے پانچ چھ لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ کون کون تیار ہے؟"

لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور پھر ایک اور لڑکی اٹھی۔ دونوں نے اس خطرناک مشن پر جانے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ ان دونوں کے اُکسانے پر ایک اور لڑکی تیار ہو گئی۔

"تین ہی کافی ہیں"۔۔۔ ان کے فادر نے کہا۔۔۔ "میرے ساتھ آؤ"۔

وہ انہیں قلعہ دار کے پاس لے گیا جو ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس جرنیل نے ان لڑکیوں کو بتانا تھا کہ جس مشن پر انہیں بھیجا جا رہا ہے وہ کس طرح پورا کرنا ہے۔

♣

قرمونہ سے طارق بن زیاد نے اپنی فوج کے ساتھ اسیجا کی طرف کوچ کیا۔ پچیس تیس میل فاصلہ مسلمان ایک ہی دن میں طے کر لیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی تیز پیشقدمی اس زمانے میں مشہور تھی۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں لڑے، وہاں انہوں نے پیشقدمی سے دشمن کو حیران کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمود غزنوی کی پیش قدمی کو یورپی تاریخ نویسوں نے دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ طارق بن زیاد اپنی فوج سے پچیس تیس میل فاصلہ ایک دن میں طے کرایا کرتا تھا لیکن قرمونہ اور اسیجا کے درمیان اُس نے اس خیال سے پڑاؤ کیا کہ اسیجا پہنچتے ہی شہر کو محاصرے میں لینا اور اس قلعہ بند شہر کو کم سے کم وقت میں لینا تھا۔ مجاہدین کو کم از کم ایک رات آرام دینا ضروری تھا۔

پڑاؤ کیا گیا۔ شام گہری ہو گئی۔ طارق بن زیاد اپنے خیمے میں تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک اُندلسی بُوڑھا اُسے ملنا چاہتا ہے اور اُس کے ساتھ تین جوان لڑکیاں ہیں۔ طارق نے ان سب کو اندر بلا لیا اور دربان سے کہا کہ ترجمان کو لے آئے۔ دربان کے جانے کے بعد طارق کی نظریں ان لڑکیوں پر رُک کے رہ گئیں۔ اُس کے چہرے پر ایسا تاثر آ گیا جیسے اُس نے اتنی حسین لڑکیاں پہلے کبھی نہ دیکھی ہوں۔ لڑکیاں طارق کو غور سے دیکھ رہی تھیں اور تینوں کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

ترجمان آ گیا۔ طارق نے اُسے کہا کہ ان سے یہاں آنے کی وجہ پُوچھے۔ بوڑھے نے

اپنے ملک کی زبان میں وجہ بتاتی پھر لڑکیوں نے بھی باری باری کچھ کہا۔
"یہ شخص کہتا ہے" ــــ ترجمان نے بربر زبان میں طارق کو بتایا ـــ "کہ یہ ایسیجا سے قرمونہ کو جارہا تھا۔ ان لڑکیوں میں ایک اس کی بھانجی اور دو بھتیجیاں ہیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ قرمونہ میں امن وامان ہو گیا ہے اور اب ایسیجا پر حملہ ہو گا اور حملہ آور فوج لڑکیوں کو اٹھا کر لے جائے گی اور صبح کو لڑکیاں مری ہوئی ملیں گی۔ اس ڈر سے یہ تینوں لڑکیوں کو قرمونہ لے جارہا تھا۔"
"یہ انہیں میرے پاس کیوں لایا ہے؟" ـــ طارق نے پوچھا۔
"انہیں بھوک یہاں لے آئی ہے" ـــ ترجمان نے جواب دیا ـــ "یہ شخص کہتا ہے کہ یہ ہمارے آدمیوں سے کھانا مانگ سکتا تھا لیکن اسے خدشہ محسوس ہوا کہ سپاہی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کریں گے۔ اس نے آپ کے پاس آنا بہتر سمجھا.... اور یہ لڑکیاں آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہیں۔ یہ درمیان والی لڑکی کہتی ہے کہ یہ جرنیل (طارق) بہت بہادر ہے جس نے راڈرک کو قتل کر دیا ہے۔"
طارق نے دربان کو آواز دی۔ دربان خیمے میں آیا۔
"ان چاروں کے لیے خیمے لگواؤ" ـــ طارق نے دربان سے کہا ـــ "اور ان کے لیے بستر بچھاؤ۔ انہیں کھانا کھلاؤ.... لے جاؤ انہیں" ـــ ترجمان سے طارق نے کہا ـــ "انہیں بتا دو کہ یہاں لڑکیاں محفوظ رہیں گی اور یہ صبح سویرے قرمونہ کو روانہ ہو جائیں۔"
دربان اور ترجمان انہیں طارق کے خیمے سے لے گئے۔ ایک لڑکی واپس آگئی اور طارق کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ اشاروں میں اسے کہہ رہی تھی کہ وہ رات اس خیمے میں گزارنا چاہتی ہے۔ طارق نے ترجمان کو پھر بلایا کہ لڑکی سے پوچھے کہ یہ کیا چاہتی ہے۔ ترجمان نے پوچھا تو لڑکی نے کہا کہ وہ طارق بن زیاد کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہے۔
"اسے سمجھاؤ" ـــ طارق نے ترجمان سے کہا ـــ "کہ ہم اس مذہب کے پیروکار ہیں جو کسی غیر عورت کو کسی شخص کے ساتھ تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسے سمجھانے کی کوشش کرو کہ میں اس فوج کا سپہ سالار ہی نہیں بلکہ ان کا امام بھی ہوں۔ میں کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا جس سے دوسرے بھی حوصلہ پا کر کسی غلط راستے پر چل پڑیں۔"

لڑکی طارق بن زیاد کے منہ کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ وہ طارق سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن طارق اس کی اور وہ طارق کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ وہ اتنا تو ضرور سمجھتی ہو گی کہ گناہ کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ پھر اس شخص نے درمیان میں ایک اور آدمی کو کیوں کھڑا کر لیا ہے جو ایک دوسرے کی ترجمانی کر رہا ہے۔ لڑکی کو ترجمان نے ذہن نشین کرانے کی بہت کوشش کی کہ اس کا سپہ سالار اس کی یہاں موجودگی کو ذرا سا بھی پسند نہیں کرتا اور وہ چلی جائے لیکن لڑکی اپنی ضد پر قائم رہی۔
"اس سے کہو یہاں سے نکل جائے" ـــ طارق نے غصیلی آواز میں کہا ـــ "اگر اس نے

میری بات نہ مانی تو میں تینوں لڑکیوں کو یہاں سے نکال دوں گا۔"
ترجمان نے لڑکی کو بتایا کہ سپہ سالار بہت غصے میں ہے اور وہ یہاں سے چلی جائے ورنہ سب کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔
لڑکی نے اب اور زیادہ حیرت سے طارق بن زیاد کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ طارق کی طرف بڑھی۔ اُس نے آگے سے اپنا فراک ذرا سا اُٹھا کر دایاں ہاتھ فراک کے نیچے کیا۔ جب یہ ہاتھ باہر آیا تو اس ہاتھ میں خنجر تھا۔ لڑکی طارق کے قریب جا کر دوزانو ہو گئی اور خنجر اُس کے قدموں میں رکھ دیا۔ طارق نے ترجمان کی طرف دیکھا۔ ترجمان نے لڑکی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟
"میں نے جو سنا تھا وہ غلط نکلا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔"میں نے پہلا آدمی دیکھا ہے جس نے مجھ جیسی خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو ٹھکرا دیا ہے۔ میں اس سالار کو قتل کرنے آئی تھی اور میرے ساتھ جو دو لڑکیاں ہیں وہ بھی اسی مقصد کے لیے آئی ہیں۔ یہ بوڑھا آدمی جو ہمارے ساتھ ہے، یہ ہمارا کچھ بھی نہیں لگتا۔ اسے ہمارے سب سے بڑے پادری اور ایسیجا کے قلعہ دار نے بھیجا ہے۔ انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ تم اس طرح مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچنا اور وہ تمہارے حسن و جوانی کو دیکھ کر تمہیں اپنے خیمے میں رکھ لے گا اور تم موقع دیکھ کر اس کے پہلو میں دل کے مقام پر خنجر گھونپ دینا اور اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اُس کی شہ رگ بھی کاٹ دینا۔ پھر خیمے سے آرام آرام سے نکل آنا۔ دوسری دو لڑکیوں نے دو سالاروں کو اسی طرح اپنے حُسن و جوانی کے پھندے میں لا کر قتل کرنا تھا.... اپنے اس سپہ سالار سے کہو کہ مجھے جو سزا دینا چاہتا ہے میں اس کے لیے تیار ہوں"۔
"میں اس کو کوئی سزا نہیں دوں گا"۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔"یہ لڑکی آئی نہیں بلکہ اسے بھیجا گیا ہے۔ البتہ جو آدمی انہیں لایا ہے اُسے صبح فجر کی نماز کے بعد قتل کر دیا جائے گا"۔

لڑکی نے جب طارق بن زیاد کا فیصلہ سُنا تو کہنے لگی کہ وہ کچھ اور باتیں بتانا چاہتی ہے۔
"سپہ سالار شاید حیران ہو رہا ہو گا کہ یہ لڑکی کتنی دلیر ہے جو ایک فاتح فوج کے سب سے بڑے جرنیل کو قتل کرنے کے لیے آئی ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔"میں اتنی دلیر بالکل نہیں۔ میں تو اس زندگی سے اُکتا گئی ہوں جو ہمیں مجبوراً گزارنی پڑ رہی ہے۔ میرے مذہب کے لوگ مجھے اور میری ساتھی لڑکیوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہم راہبائیں ہیں اور ہمارے شب و روز عبادت گاہوں میں گزرتے ہیں۔ ہمیں کنواریاں سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہ ہر راہبہ ساری عمر کنواری رہتی ہے اور تمام راہب بھی ساری عمر کنوارے رہتے ہیں لیکن نہ تو کوئی راہبہ کنواری ہوتی ہے نہ کوئی راہب۔ ہماری عبادت گاہوں سے ملحق ہماری رہائش گاہیں ہیں۔ ان رہائش گاہوں میں دن رات بدکاری ہوتی ہے۔ فوج کے بڑے افسر بھی وہاں آتے ہیں، شراب میں بدمست ہو کر ہمارے ساتھ راتیں گزارتے ہیں لیکن دن کی روشنی میں گرجوں اور دوسری عبادت گاہوں میں وعظ اور عبادت کے ذریعے لوگوں کو خدا سے ڈرایا جاتا ہے اور یہ تاثر

دیا جاتا ہے جیسے راہب، پادری اور راہبائیں آسمان سے اُترے ہُوئے فرشتے ہوں۔ ان مذہبی پیشواؤں نے طلیطلہ کے شاہی محل کو بھی اپنے زیرِاثر لے رکھا ہے۔ شہنشاہ راڈرک جیسا جابر اور ظالم بادشاہ بھی کلیسا سے ڈرتا تھا۔"

"ڈرتا نہیں تھا"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔۔۔ "وہ کلیسا اور مذہبی پیشواؤں کے آگے صرف اس لیے سر جھکا کے رکھتا تھا کہ راہب اُسے تم جیسی دلکش راہبائیں پیش کرتے تھے"

طارق نے ترجمان سے کہا۔۔۔ "اس لڑکی کی باتیں دلچسپ ہیں۔ اسے کہو کہ ہمیں اور باتیں سنائے۔"

"ألیسیجا عیسائیوں کا ایک مقدس شہر ہے"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "لیکن عبادت گاہوں میں جو راہبائیں ہیں وہ زیادہ تر یہودیوں کی بیٹیاں ہیں۔ میں بھی یہودی ہوں۔ میرا باپ تاجر ہے میں تیرہ چودہ سال کی تھی جب مجھے زبردستی ایک گرجے میں لے گئے اور راہبہ بنا دیا گیا تھا۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور گھر تو مجھ سے چھین ہی لیے گئے تھے لیکن راہبوں نے مجھے جس سب سے قیمتی چیز سے محروم کیا وہ میری دوشیزگی تھی۔ مگر لوگوں نے اپنے دلوں میں میرا احترام پیدا کر لیا کہ میں کنواری راہبہ ہُوں۔ میں نے اپنی جو کہانی سنائی ہے۔ یہ ہر راہبہ کی آپ بیتی ہے ....میں سپہ سالار سے درخواست کرتی ہوں کہ اس شہر کو جسے عیسائی اپنا مقدس شہر کہتے ہیں آگ لگا دی جائے اور گناہوں میں ڈوبے ہُوئے اس شہر کا نام ونشان مٹا دیا جائے....

"میں مسلمانوں کے سپہ سالار کو اپنے اس جسم کے سوا اور کوئی تحفہ یا انعام نہیں دے سکتی۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ میں سپہ سالار کا مذہب قبول کر لیتی ہوں اور یہ مجھ سے شادی کر لے لیکن میں اپنی اس خواہش کو پورا نہیں ہونے دوں گی کیونکہ میں ایک ناپاک لڑکی ہوں اور سپہ سالار خدا کا پیارا اور بہت بڑی عظمت والا انسان ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ فتح تمہاری ہوگی۔ شکست اُن بدکاروں کو ہوتی ہے جو مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اندر سے گناہوں میں ڈوبے ہُوتے ہوتے ہیں۔"

"اس لڑکی کو دوسرے خیمے میں لے جاؤ جہاں دوسری دو لڑکیاں ہیں"۔۔۔ طارق نے ترجمان سے کہا۔۔۔ "اور ان کے ساتھ جو آدمی آیا ہے اُسے یہاں لے آؤ۔"

لڑکی چلی گئی اور وہ بوڑھا جو ان لڑکیوں کے ساتھ آیا تھا۔ طارق بن زیاد کے خیمے میں داخل ہُوا۔ طارق کے ہاتھ میں وہ خنجر تھا جو لڑکی نے اُس کے قدموں میں رکھا تھا۔

"کیا تم مجھے اس خنجر سے قتل کرنا چاہتے تھے؟"۔۔۔ طارق بن زیاد نے خنجر بوڑھے کو دکھا کر پوچھا۔

بوڑھے کی آنکھیں حیرت اور خوف سے اس طرح پھیل گئیں جیسے اُس کی آنکھوں کے ڈھیلے باہر آ جائیں گے۔ اُس کا بوڑھا سراپا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"جو مرد اپنی عورتوں کو میدان میں اتار دیتے ہیں اُن کا یہی حال ہوتا ہے جو تمہارا ہو رہا ہے"

—— طارق نے ترجمان کی معرفت بوڑھے سے کہا —— "ہم باطل اور بدی کو ختم کرنے آتے ہیں۔ ہم اللہ کی اس زمین کو گناہوں سے پاک کرنے آئے ہیں اور تمہارے مذہبی پیشوا اور تمہاری فوج کے سالار اسی بدی کا سہارا لے کر حق کا راستہ روک رہے ہیں.... میں میدانِ جنگ میں تیر یا تلوار سے مروں گا۔ میں جس اللہ کا پیغام لے کر کفر کے اِس دیار میں آیا ہوں وہ اللہ مجھے ایک لڑکی کے ہاتھوں گناہ کے ارتکاب کی حالت میں نہیں مروائے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ایسیجا میں کتنی فوج ہے اور قلعے کی دیوار کیسی ہے اور کیا کوئی راستہ یا ذریعہ ہے جو مجھے قلعے کے اندر پہنچا دے؟"

"قلعہ بہت مضبوط ہے" —— بوڑھے نے کہا —— "شہر پناہ اتنی مضبوط ہے کہ آپ کہیں سے بھی اسے نہیں توڑ سکیں گے۔ آپ کے سپاہی دیوار کے قریب جا ہی نہیں سکیں گے کیونکہ شہر کا بچہ بچہ تیر کمان، برچھیاں، پتھر اور جلتی ہوئی لکڑیاں لیے دیوار پر موجود ہوگا۔ اس شہر کے دفاع میں عورتیں بھی لڑیں گی۔ بڑے پادری نے فوجیوں اور شہریوں کو پوری طرح مشتعل کر رکھا ہے ہمارے وہ فوجی جو پہلی لڑائیوں سے بھاگ کر ایسیجا میں پہنچے ہیں وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے جانوں کی بازی لگانے پر تیار ہیں۔"

"تم کون ہو؟" —— طارق نے اس سے پوچھا۔

"میں راہب ہوں" —— بوڑھے نے جواب دیا۔

"کیا تم ان لڑکیوں سے مجھے اور میرے دو سالاروں کو قتل کروانے کے ارادے سے یہاں آئے تھے؟" —— طارق نے پوچھا۔

"ہاں سپہ سالار!" —— بوڑھے نے جواب دیا —— "میں اسی ارادے سے آیا تھا مگر اب یہ ارادہ دل سے نکال دیا ہے۔ مجھے بخش دیں۔"

طارق کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بوڑھے کے قریب پہنچا اور پوری طاقت سے خنجر بوڑھے کے سینے میں اس جگہ اتار دیا جہاں دل ہوتا ہے۔

"سانپ کے دل سے ڈسنے کا ارادہ کبھی نہیں نکل سکتا" —— طارق نے خنجر بوڑھے کے سینے سے نکالتے ہوئے کہا۔

بوڑھے کے دونوں ہاتھ سینے پر گئے اور وہ گر پڑا۔ طارق نے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ یہ لاش پڑاؤ سے دُور پھینک دی جائے۔ تینوں لڑکیوں کے متعلق طارق نے یہ حکم دیا کہ انہیں الگ تھلگ اور حفاظت میں رکھا جائے۔ پھر اس نے جولین، ادپاس اور دوسرے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔

♣

فجر کی نماز کے فوراً بعد ایسیجا کی طرف کوچ ہوا۔ نماز کی امامت طارق بن زیاد نے کی تھی۔ یہ اس وقت کا رواج تھا کہ امامت کے فرائض سپہ سالار ادا کیا کرتا تھا۔ نماز کے بعد طارق نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ اگلے شہر کو آسانی سے نہیں لیا جا سکے گا اور وہاں مقابلہ بڑا

ہی سخت ہو گا۔ اُس نے بڑا ہی جوشیلا خطبہ دیا تھا۔

ایسیجا کا بڑا راہب اور کئی لڑائیوں کا تجربہ کار قلعہ دار اس خبر کے منتظر تھے کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور دو اور سالار قتل ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے ان کی فوج نے پیشقدمی ملتوی کر دی ہے۔ وہ صبح سویرے ہی قلعے کی دیوار پر جا کھڑے ہوتے تھے اور قرمونہ کی طرف سے آنے والے راستے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ اُن کا آدمی تین لڑکیوں کے ساتھ گھوڑا گاڑی پر آتا نظر آئے گا لیکن انہیں کوئی گھوڑا گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سورج اُوپر ہی اُوپر اُٹھتا آ رہا تھا۔

دُور افق پر انہیں گرد اُٹھتی دکھائی دینے لگی۔ یہ نشانی تھی ایک لشکر کی جو آگے بڑھتا آ رہا تھا۔ اتنی گرد کوئی قافلہ نہیں اُڑا سکتا۔ وہ اس گرد کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد انہیں گھوڑوں کے سائے سے نظر آنے لگے۔

"دشمن آ رہا ہے" ـــــ قلعہ دار نے دیوار سے بڑی ہی بلند آواز میں اعلان کیا۔

قلعے کی فوج تیار تھی۔ اس فوج کے کمانڈروں نے گذشتہ رات فیصلہ کیا تھا کہ قلعے میں محصور ہو کر لڑنے کی بجائے کھُلے میدان میں حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے۔ انہیں یہ توقع تو تھی کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور دو سالار قتل ہو چکے ہوں گے اور پیش قدمی رک جائے گی لیکن انہوں نے اپنی فوج کو تیار کر لیا تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ مسلمانوں نے اپنے سالاروں کے بغیر حملہ کیا تو وہ جلدی مار کھا جائیں گے۔ ان کے ذہن اس حقیقت کو قبول کرتے ہی نہیں تھے کہ مسلمانوں کے سالار اتنی خوبصورت لڑکیوں کو ٹھکرا دیں گے اور ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں گے۔

قلعہ دار کے اعلان پر شہر کے تمام دروازے کھُل گئے اور قلعے کی فوج نہایت تیزی سے قلعے سے باہر آ گئی۔ فوج میں جواں سال اور ادھیڑ عمر شہری بھی تھے جو لڑنے کا کچھ تجربہ رکھتے تھے۔ جنگی دف بڑی زور سے بجنے لگے۔ فوجیوں اور شہریوں میں جوش و خروش صاف نظر آ رہا تھا۔

☙

طارق بن زیاد کے مجاہدین بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ہراول دستہ خاصا آگے آ رہا تھا۔ اس دستے کے کماندار نے قلعے سے فوج کو باہر آتے دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ یہ فوج ایک میدان میں صف بندی کر رہی ہے۔ کماندار نے اپنے ہراول دستے کو وہیں روک لیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر طارق بن زیاد کے پاس پہنچا اور اُسے بتایا کہ قلعے کی فوج قلعے سے باہر لڑے گی۔

طارق نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصّے کا سالار مغیث الرومی اور دوسرے کا زید بن کسادہ، تیسرے حصّے کو طارق نے اپنے ساتھ رکھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے ان سالاروں کو ہدایات دیں۔ مغیث الرومی کو طارق نے شہر کی دوسری طرف بھیج دیا۔ اس حصے کو شہر کی

اوٹ میں رک جانا تھا۔

زید بن کسادہ کو طارق نے وہیں سے دائیں طرف اس ہدایت کے ساتھ موڑ دیا کہ دشمن کو نظر آئے بغیر دُور نکل جائے اور بائیں کو دشمن کے پہلو پر ہو جائے اور حملے کے حکم کا رک کر انتظار کرے۔ طارق خود سیدھا اس طرف گیا جس طرف قلعے کی فوج صف بند ہو چکی تھی۔ وہ جب دشمن کے قریب پہنچا تو دشمن کے درمیان کے حصے نے حملہ کر دیا۔

مؤرخ لین پول لکھتا ہے کہ ایسیجا کی فوج کا یہ حملہ غیر معمولی طور پر شدید تھا اور فوج کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس میں لڑنے کا جذبہ بھی ہے اور اس شہر کی آن پر کٹ مرنے کا عزم بھی ہے۔ دوسرے مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ عیسائی فوج میں پہلی بار اتنا شدید جذبہ دیکھا گیا۔ پروفیسر ڈوزی نے تو خاص طور پر عیسائی فوج کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ طارق کے لیے ایسا شدید اور تیز حملہ روکنا محال ہو گیا۔ یہ طارق کی خوش نصیبی تھی کہ کئی ہزار بربر اُس سے آملے تھے اور اس کی نفری کئی ہزار بڑھ گئی تھی ورنہ ایسیجا کی فوج اس کے پاؤں اکھاڑ دیتی۔ بربر پیدائشی جنگجو قوم تھی۔ جنگ و جدل اور قتل و غارت ان کا فطری شغل تھا۔ وہ اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں تھے۔ انہوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن ان کا جانی نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔

ایسیجا کی فوج کے جرنیل نے اپنے بائیں پہلو کے حصے کو اس طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کیا کہ اسے اور زیادہ بائیں کو اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ چکر کاٹ کر مسلمانوں کے پیچھے جائے اور عقب سے حملہ کرے۔ اُس کے اس پہلو کے دستے جب بائیں کو جا رہے تھے تو انہیں معلوم نہ تھا کہ اُس طرف مسلمانوں کے کچھ دستے موجود ہیں۔ اُن دستوں کے سالار زید بن کسادہ نے عیسائیوں کے دستوں کو آتا دیکھ لیا اور اُس نے اپنے دستوں کو اور پیچھے ہٹا لیا تاکہ دشمن انہیں دیکھ نہ لے۔

عیسائی دستے جب کچھ اور آگے جا کر دائیں کو مڑے اور مڑ کر کچھ آگے گئے تو اُن پر عقب سے زید بن کسادہ نے حملہ کر دیا۔ دشمن کی فوج کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس سے طارق بن زیاد کا عقب محفوظ ہو گیا۔

میدانِ جنگ بہت پھیل گیا۔ شہر کی دیوار پر شہر کے لوگ اس خونریز جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے مغیث الرومی کے دستوں کو دیکھ لیا جو بائیں پہلو پر شہر سے کچھ دور طارق بن زیاد کے اشارے کے منتظر تھے۔ کسی شہری نے اپنے جرنیل کو جا کر بتا دیا۔ جرنیل نے اپنے دائیں پہلو کے دستوں کو مغیث الرومی کی طرف بھیج دیا۔

مغیث الرومی پوری طرح چوکس اور بیدار تھا۔ اُس نے اپنے دو چار آدمی دور آگے بھیج رکھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی دوڑتا آیا اور مغیث الرومی کو بتایا کہ دشمن کے کچھ دستے اس طرف آ رہے ہیں۔ مغیث الرومی نے طارق کے حکم کا انتظار نہ کیا اور اپنے دستوں کو آگے بڑھا دیا۔ عیسائی دستے ابھی اس طرف مڑے نہیں تھے۔ مغیث الرومی کے پاس گھوڑ سوار زیادہ تھے۔ طارق بن زیاد کو یہ سہولت حاصل ہو گئی تھی کہ اسے پہلی فتوحات میں خصوصاً جنگ گادلیت سے بے اندازہ گھوڑے ہاتھ لگ گئے تھے۔

مغیث الرومی نے اپنی طرف آنے والے دستوں سے آمنے سامنے کی ٹکر نہ لی بلکہ اپنے دستوں کو اور آگے لے جاکر دشمن کے پہلو سے حملہ کیا۔ اس کا حملہ اتنا شدید اور تیز تھا کہ دشمن پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے پیچھے شہر کی دیوار تھی۔ ایسیجا کے یہ دستے بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن مغیث الرومی کے دستوں نے اُن پر اتنا دباؤ ڈالا کہ وہ لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے گئے اور پیچھے سے انہیں دیوار نے روک لیا۔ انہوں نے آگے آنے کی بہت کوشش کی لیکن مسلمانوں نے انہیں دبائے رکھا۔ یہاں بربروں کو اپنی شجاعت کے اور جنگ و جدل کی مہارت کے جوہر دکھانے پڑے۔ ایسیجا کے فوجی بھی سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔

یہ لڑائی تین حصّوں میں بٹ گئی تھی۔ طارق بن زیاد سب سے زیادہ مشکل میں تھا۔ اُس کے دونوں پہلوؤں کے دستے الگ الگ لڑائی میں اُلجھے ہوئے تھے۔ طارق کوئی چال چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اُس کا ہر آدمی اپنی اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ اُس نے محفوظہ (ریزرو) کے دستے بھی نہیں رکھے تھے۔ وہ خود سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا اور اُس کے مجاہدین کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔

زید بن کسادہ نے چونکہ عقب سے حملہ کیا تھا اس لیے دشمن کا نقصان زیادہ ہُوا۔ زید بن کسادہ اتنا بیدار مغز سالار تھا کہ اُس نے دُور سے دیکھ لیا کہ طارق مشکل میں پھنسا ہُوا ہے۔ اُس نے اپنے دستوں کا چوتھائی حصّہ طارق کی مدد کو دوڑایا۔ اس سے طارق کی مشکل کچھ آسان ہو گئی لیکن (پروفیسر ڈوزی اور لین پول کی تحریروں کے مطابق) عیسائیوں نے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ تو اپنے اس مقدس شہر کو بچانے کے لیے باؤلے ہو گئے تھے۔ وادئ لکہ اور دوسرے محاذوں اور قلعوں سے بھاگے ہُوئے فوجی زخمی شیروں کی طرح مسلمانوں کو چیر نے پھاڑنے پر اترے ہُوئے تھے اور وہ چیر پھاڑ رہے تھے۔

مغیث الرومی نے عیسائیوں کو جس پھندے میں پھانس لیا تھا وہ ان کا بہت نقصان کر رہا تھا۔ پیادے گھوڑوں اور دیوار کے درمیان آکر پس گئے۔ کچھ گرے اور گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ گھوڑے اتنے زیادہ آپس میں جُڑ گئے کہ سواروں کے لیے تلواریں، برچھیاں اور کلہاڑے چلانے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ ان کے ہتھیار آپس میں ٹکرانے لگے۔ اس حالت میں عیسائیوں کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔

طارق بن زیاد کا ایک مستقل حکم یہ تھا کہ دشمن کے گھوڑوں کو زخمی نہ کیا جائے تاکہ یہ اپنے کام آئیں لیکن مغیث الرومی نے اس صُورتِ حال میں دشمن کے گھوڑوں کی پرواہ نہ کی۔ حکم دیا کہ ان کے گھوڑوں کو گراؤ۔ اس حکم پر بربروں نے سواروں کے ساتھ ساتھ گھوڑوں کے جسموں میں بھی برچھیاں اور تلواریں اُتارنی شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جو گھوڑا زخمی ہوتا تھا وہ اپنے سوار کے قابو سے نکل جاتا تھا۔ بعض گھوڑے اور ان کے سوار گر کر دوسرے گھوڑے کے قدموں تلے کچلے جاتے تھے۔

یہاں سے عیسائیوں نے نکلنا شروع کر دیا لیکن بہت تھوڑے نکل سکے۔ مغیث الرومی نے اپنی کچھ نفری طارق بن زیاد کی مدد کے لیے بھیج دی۔ اس سے طارق کو مزید سہولت حاصل ہو

گئی اور جنگ کا پانسہ جو عیسائیوں کے حق میں جا رہا تھا پلٹنے لگا۔ تاریخ نے اسپجا کے عیسائیوں کو بجا طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ وہ بے خوفی اور بے جگری سے لڑے اور انہوں نے جو نقصان مسلمانوں کو پہنچایا وہ غیر معمولی تھا۔ مسلمان ذہنی طور پر اتنے زیادہ جانی نقصان کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان پر پہلی فتوحات کا خمار طاری تھا۔ عیسائیوں نے ان کا یہ خمار جلدی اُتار دیا۔ ایک پرتگالی مؤرخ نے لکھا کہ مسلمان اتنا کچھ کھو بیٹھے جس کی انہیں توقع نہیں تھی۔ عیسائی شام تک ہار تو گئے لیکن مسلمانوں کے دماغوں سے یہ خوش فہمی نکال گئے کہ وہ جدھر جائیں گے اُدھر فتح اور کامرانی ہی اُن کا استقبال کرے گی۔

♣

اُدھر سورج غروب ہو رہا تھا اِدھر عیسائیوں کی شجاعت کا سورج غروب ہو گیا۔ ان کا قلعہ دار مارا گیا۔ تمام جرنیل اور ان سے چھوٹے افسر مارے گئے۔ سپاہیوں میں بہت تھوڑے زندہ رہے۔ طارق بن زیاد کو جب اس کی فوج کا نقصان بتایا گیا تو اس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ طارق کی جسمانی حالت یہ تھی جیسے اُس کی ہڈیاں جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی ہوں۔ وہ دن بھر سپاہیوں کی طرح لڑتا رہا تھا۔

بچے کھچے عیسائی فوجی تو تھکن سے چلنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ وہ جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ وہ اب جنگی قیدی تھے۔ ان میں سے جو بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے انہیں پکڑ پکڑ کر لایا جا رہا تھا۔ شہر میں منادی کرا دی گئی کہ کسی نے کسی فوجی کو پناہ دی تو اسے سزائے موت دی جائے گی۔

طارق نے ایک حکم یہ دیا کہ زخمیوں کو مسلمان اُٹھائیں اور شہر کے لوگ ان کی مدد کریں گے۔ طارق نے اس حکم میں کہا کہ زخمی اُندلسی ہو یا مسلمان، سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے گا اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزائے موت دی جائے گی۔

طارق نے ان تینوں لڑکیوں کو اپنے پاس بلایا جو اُس کے قتل کے لیے بھیجی گئی تھیں پھر اُس نے بڑے پادری کو بلایا جس نے انہیں بھیجا تھا۔ طارق نے لڑکیوں سے پوچھا کہ اسی نے انہیں بھیجا تھا۔

"ہاں سپہ سالار!"— ایک نے کہا —"اسی نے بھیجا تھا اور قتل کا طریقہ بھی اسی نے ہمیں بتایا تھا۔"

"میری فوج کا کوئی آدمی تمہاری کسی بھی عبادت گاہ کی دہلیز پر قدم نہیں رکھے گا"— طارق نے پادری سے کہا —"عبادت گاہ کسی بھی مذہب کی ہو۔ ہم پر اس کا احترام فرض ہے۔ ہم کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیں گے۔ ہر مذہب کے لوگ اپنی اپنی عبادت میں اور مذہبی فرائض میں آزاد ہیں لیکن جس طرح اپنے مذہب کے فرائض کو تم پامال کر رہے ہو، میں تمہارے یہ گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں ایسی اجازت موجود ہے کہ تم کنواری راہباؤں کو داشتہ بنا کر رکھ سکتے ہو؟ .... نہیں .... تم واجب القتل ہو۔"

پادری بہت تڑپا۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس نے بہت کچھ کہا لیکن طارق نے اسے حراست میں لینے اور علی الصبح قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔
دوسرے مذہبی پیشواؤں کو بلا کر طارق بن زیاد نے حکم دیا کہ تمام نوجوان اور جواں سال راہباؤں کو ان کے والدین کے حوالے کر دیا جائے۔ جو جس بستی کی ہے اسے اس کی بستی میں پہنچایا جائے۔
شہر کے لوگوں پر طارق نے خاصا زیادہ تاوان عائد کیا کیونکہ اس کی فوج کا بہت ہی زیادہ نقصان ہوا تھا اور شہری اپنی فوج کے دوش بدوش لڑے تھے۔ تاوان کے علاوہ شہریوں پر جزیہ بھی عائد کیا گیا۔
یہاں ایک عیسائی تاریخ دان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام ایس پی سکاٹ تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد نے ایسجا کو فتح کر لیا تو پادریوں اور راہبوں نے راہباؤں سے کہا کہ مسلمان وحشی اور درندہ صفت قوم ہے جو تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی۔ نوجوان راہباؤں نے اپنے چہروں کو زخمی کر کے اپنے آپ کو بدصورت بنا لیا لیکن مسلمانوں نے پھر بھی ان پر رحم نہ کیا اور ان کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر کے انہیں جان سے ہی مار ڈالا۔
ایس پی سکاٹ متعصب مؤرخ تھا جس کی تردید اس کے اپنے ہم مذہب مؤرخوں نے کی ہے۔ مؤرخ گیانگوز نے تو یہ واقعات اور زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس نے لکھا کہ راہبائیں مسلمانوں کے کردار سے اتنا متاثر ہوئیں کہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی فوج کے عہدیداروں سے شادیاں کر لی تھیں۔
دوسرے یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ تاریخ میں مسلمانوں کے ہاتھوں کسی غیر مسلم عبادت گاہ کی بے حرمتی کی شہادت نہیں ملتی۔ طارق بن زیاد نے شہر کی انتظامیہ عیسائی عمال کے سپرد کر دی تھی البتہ ان پر اعلیٰ حاکم مسلمان تھے۔

☘

اگلی صبح وہ منظر رقت انگیز اور ولولہ انگیز تھا جب شہیدوں کی لاشیں پانچ قطاروں میں زمین پر رکھی ہوئی تھیں اور طارق بن زیاد نمازِ جنازہ کی امامت کر رہا تھا۔ شہیدوں کے لیے کفن شہر کے لوگوں نے دیئے تھے اور شہر کے لوگ شہر پناہ پر کھڑے شہیدوں کی تدفین کا منظر دیکھ رہے تھے۔
ایک ہی بار سینکڑوں قبریں بن گئیں اور ایک وسیع و عریض قبرستان وجود میں آ گیا۔ یہ ان اوّلین مجاہدین کی آخری آرام گاہ تھی جنہوں نے اللہ کی وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پیغام یورپ تک پہنچا دیا تھا۔
طارق بن زیاد کی آنکھوں میں آنسو تھے اور مجاہدین کا لشکر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہا تھا۔
شہیدوں کو دفن کیا جا چکا تو طارق بن زیاد فاتحہ پڑھ کر قبرستان سے نکل رہا تھا جب

اُسے بتایا گیا کہ قیروان سے امیرِ مصر و افریقہ موسیٰ بن نصیر کا قاصد آیا ہے۔ طارق نے قاصد سے پیغام لیا اور پڑھنے لگا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ تاثر بدل گیا۔ اُس کے سالار اُس کے ساتھ تھے۔ جولیَن بھی اُس کے ساتھ تھا۔

"کیا تم میں سے کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ اس حکم میں کیا دانشمندی ہے؟" ــــ طارق بدلے ہوئے لہجے میں اپنے سالاروں سے پوچھا اور انہیں موسیٰ بن نصیر کا پیغام پڑھ کر سنانے لگا۔

موسیٰ بن نصیر نے طارق کو یہ حکم بھیجا تھا کہ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ تم جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فوج پے بہ پے فتوحات کے نشے میں کہیں شکست کھا بیٹھے۔ مزید پیش قدمی نہ کرنا۔ میں اگلا حکم بھیجوں گا یا خود کمک لے کر آؤں گا۔

کسی بھی مؤرخ نے موسیٰ بن نصیر کا یہ پیغام نہیں لکھا۔ سب نے اپنے اپنے الفاظ میں یہی لکھا ہے کہ موسیٰ نے طارق کو پابند ہی نہیں بلکہ مجبور کر دیا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے وہاں سے آگے نہ بڑھے۔ عیسائی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ موسیٰ نے دیکھا کہ طارق جو اُس کا غلام تھا، اتنے بڑے ملک کا فاتح بنتا جا رہا ہے اور اُس نے بارہ ہزار مجاہدین سے ایک لاکھ نفری کی فوج کو، جسے ہر طرح کی برتری حاصل تھی، صرف شکست ہی نہیں دی بلکہ اسے تباہ و برباد کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں بڑا اونچا مقام حاصل کر لیا ہے اور خلیفہ کے دل میں بھی اُس نے عظمت پیدا کر لی ہے تو موسیٰ کے دل میں حسد پیدا ہو گیا، لہٰذا موسیٰ کے اس حکم کے پیچھے حسد تھا اور وہ طارق کو روک کر اس کے آگے خود فاتح بننا چاہتا تھا۔

غیر متعصّب تاریخ نویسوں خصوصاً مسلم مؤرخوں نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کا یہ حکم ٹھیک تھا۔ اُسے فکر یہ تھی کہ طارق جوشیلا جوان ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جوش و خروش میں کہیں پھنس جائے اور جو علاقے فتح کیے جا چکے ہیں وہ بھی ہاتھ سے نکل جائیں۔

جانبدارانہ اور غیر جانبدارانہ آراء سے قطع نظر، موسیٰ بن نصیر کا یہ حکم کہ پیش قدمی روک دو جنگی نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں تھا۔ ہم اپنی رائے دینے کی بجائے طارق بن زیاد اور اُس کے سالاروں کی آراء اور فیصلہ پیش کرتے ہیں جو ہر صفِ اوّل کے مستند مؤرخ نے ریکارڈ کیا ہے۔ اُس نے سالاروں کو وہیں قبرستان کے قریب روک لیا۔ جولیَن کو بھی اُس نے اس گفت و شنید میں شامل رکھا۔ ایک تو جولیَن دیانتداری اور وفاداری سے طارق کی مدد اور راہنمائی کر رہا تھا یہاں تک کہ اُس نے عیسائی ہوتے ہوئے قرمونہ کا قلعہ بند شہر اپنے عیسائی بھائیوں کو دھوکہ دے کر طارق کو لے دیا تھا اور دوسری وجہ جولیَن کو اس اہم مسئلے پر بات چیت کرنے کے لیے ساتھ رکھنے کی یہ تھی کہ جولیَن جہاندیدہ آدمی تھا اور فنِ حرب و ضرب میں تجربہ اور خاصی مہارت رکھتا تھا۔

"مجھے مشورہ دو میرے رفیقو!" ــــ طارق بن زیاد نے کہا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ اس حکم میں کیا دانشمندی ہے۔ ایک طرف اسلام کا حکم ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو اور اُس

حکم عدولی نہ کرو۔ دوسری طرف مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ ہم اس شہر میں جم کر بیٹھ گئے تو اُندلسی سمجھیں گے کہ اتنے زیادہ جانی نقصان کو ہم برداشت نہیں کر سکے اس لیے آگے بڑھنے سے ڈر گئے ہیں۔"

"ابنِ زیاد!" — مغیث الرومی نے کہا — "اُندلسی جو سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اُندلسیوں کے سر پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اگر ہم اُتر گئے تو اُندلسی اپنی بکھری ہوئی جنگی طاقت کو یکجا کر لیں گے اور ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ہم اُندلس کی فوج پر دہشت بن کر غالب آچکے ہیں۔ مجھے اس میں کوئی دانشمندی نظر نہیں آتی کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع دیدیں۔"

"غور کرو طارق!" — جولین نے کہا — "آپ کے مذہب میں امیر کی اطاعت کا جو حکم ہے میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا۔ میرے مذہب کے احکام بھی ایسے ہی ہیں لیکن امیر ایسا حکم دے جو مذہب اور مذہب کے پیروکاروں کے نقصان کا باعث بنے، اس حکم کے ماننے کو میں گناہ سمجھتا ہوں۔ غور کرو طارق! تم وادی لکہ فتح کر چکے، تم نے گادلیت کی جنگ میں راڈرک کے ساتھ چیدہ چیدہ امراء اور تجربہ کار جرنیلوں کو ہلاک کر دیا اور اُندلس کی اصل فوج کو برباد کر دیا اور فوجی جو بھاگ گئے ہیں وہ لوگوں پر تمہارا خوف پیدا کرتے جا رہے ہیں اور وہ کچھ وقت مقابلہ کر کے دل چھوڑ بیٹھتے ہیں تو کیا تم انہیں مہلت دے دو گے کہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر تمہارے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں یا تم ان کے تعاقب میں لگے رہو گے کہ انہیں ذرا سا دم لینے کا موقع نہ ملے؟"

"میں انہیں کہیں آرام سے بیٹھنے کی فرصت نہیں دوں گا" — طارق نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"امیر موسیٰ بن نصیر یہاں سے بہت دُور ہے" — زید بن کسادہ نے کہا — "اُسے یہاں کی صُورتِ حال کا اُندلس کی فوج کی کیفیت کا علم نہیں۔"

"اور اس شہر اسیجا کو دیکھو" — جولین نے کہا — "یہ اُندلس کا چوراہا ہے۔ ایک راستہ قرطبہ کو، دوسرا غرناطہ کو، تیسرا ملاغہ کو اور چوتھا راستہ اُندلس کی بادشاہت کی گدّی طلیطلہ کو جاتا ہے۔ اگر تم نے یہ چاروں شہر لے لیے تو سمجھ لو کہ پورا اُندلس لے لیا۔ تم آگے بڑھو، امیر ناراض ہُوا تو میں اُس سے بات کر لوں گا۔"

"میں خود اُس سے بات کر سکتا ہوں" — طارق نے کہا — "لیکن باتیں بعد میں ہوں گی، میں آگے بڑھوں گا۔"

♣

اپنے امیر کے حکم کو نظر انداز کر کے طارق بن زیاد نے دوسرے شہروں کی طرف پیشقدمی کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی فوج کو اُس نے دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک سالار زید بن کسادہ تھا جسے کچھ مؤرخوں نے زید بن قیصری لکھا ہے۔ اسے ایک حصّے کی کمان دے کر طارق نے ایک شہر ملقون کی طرف روانہ کیا اور دوسرے حصّے کو وہ اپنی کمان میں قرطبہ کی طرف لے گیا۔

کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ اسیجا میں کتنے مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں تھی لیکن کئی ہزار تازہ دم بربر فتوحات کی خبریں ملنے پر طارق کے پاس آگئے تھے۔

طارق نے قرطبہ کا محاصرہ کر لیا لیکن پہلے روز ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ اس شہر میں داخل ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ دیوار اور دروازوں کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ بھی کہ قلعے کے اِردگرد خندق تھی۔ طارق نے ہر طریقہ آزما لیا لیکن یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا کہ محاصرے کو طول دیا جائے۔ نو دن گزر گئے۔

"مغیث!" ___ طارق نے اپنے سالار مغیث الرومی سے کہا ___ "تم یہیں رہو، میں جاتا ہوں۔ ہم نے امیر کے حکم کو اس لیے نظر انداز کیا ہے کہ اندلسی فوج کو آرام کی مہلت نہ ملے اور ادھر اُدھر بکھرے ہوئے دستے اکٹھے نہ ہو جائیں۔ میں محاصرہ کر کے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ یہاں تو کئی چاند طلوع و غروب ہو جائیں گے۔ میں ان کے دارالحکومت طلیطلہ کو جاتا ہوں۔ اس لشکر کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔"

"زیادہ نفری تم اپنے ساتھ رکھو ابنِ زیاد!" ___ مغیث الرومی نے کہا ___ "مجھے صرف سات سو سوار دے دو۔"

"صرف سات سو؟" ___ طارق بن زیاد نے حیران سا ہو کے پوچھا ___ "کیا تم یہ قلعہ سات سو سواروں سے لے لو گے؟"

"مغیث سات سو سواروں سے قلعہ لے سکے گا یا نہیں" ___ جولین نے کہا ___ "میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں طارق! طلیطلہ کو تم تھوڑی نفری سے فتح نہیں کر سکو گے۔ وہ بادشاہوں کی گدی ہے طلیطلہ اندلس کا دل ہے۔ اس کا دفاع بہت مضبوط ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم زیادہ فوج اپنے ساتھ رکھو اور طلیطلہ کی طرف کوچ کرو۔"

"میرے لیے اللہ کی طاقت بہت ہے" ___ مغیث الرومی نے کہا ___ "میں اس شہر میں داخل ہو جاؤں گا۔"

"خواب و خیال کی باتیں نہ کرو مغیث!" ___ طارق نے کہا ___ "اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو حقیقت کو سامنے رکھ کر کچھ کرتے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں سات سو سوار جنہیں میں منتخب کروں گا، میرے پاس چھوڑ دو اور تم جاؤ" ___ مغیث نے کہا ___ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں فتح کی بشارت دی ہے تو ہمارا پروردگار فتح کے اسباب بھی پیدا کر دے گا۔ ہم اس خندق کے اِس طرف بیٹھے تو نہیں رہیں گے۔"

طارق مغیث الرومی کی پسند کے سات سو سوار چھوڑ کر اور باقی فوج کو ساتھ لے کر طلیطلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جولین اور اوپاس اُس کے ساتھ تھے۔

♣

قرطبہ کی دیوار پر انسانوں کی جو دیوار کمانیں اور پھینکنے والی برچھیاں اٹھائے کھڑی تھی وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی لیکن اس سے آگ نہیں نعرے نکل رہے تھے.... فلک شگاف فاتحانہ نعرے:

"وہ گئے.... وہ چلے۔"

"اتنی جلدی کیوں چل پڑے ہو مسلمانو!"

"ہمارے مہمان جا رہے ہیں"

"رک جاؤ اسلامیو! ہم دروازے کھول دیتے ہیں"

قہقہے، طعنوں کے تیر... قرطبہ کے عیسائی برچھیاں اور کمانیں لہرا لہرا کر نعرے لگا رہے تھے۔ طارق فوج لے کر جا رہا تھا۔ محاصرہ اُٹھ گیا تھا۔ مغیث الرومی اپنے سات سو سواروں کو خندق سے دُور پیچھے لے گیا تھا۔ قرطبہ والے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ مسلمانوں نے مایوس ہو کر محاصرہ اُٹھا لیا ہے۔

رات کو شہر میں جشن منایا جا رہا تھا۔ گرجوں میں راہب اور راہبائیں اپنے رنگ ڈھنگ کا جشن منا رہی تھیں۔ استجا سے بھاگے ہوئے کچھ فوجی اور شہری قرطبہ میں پہنچے تھے اور انہوں نے استجا کی لڑائی کی بڑی ہولناک باتیں سنائی تھیں۔ لوگ خوش تھے کہ قرطبہ سے یہ قیامت ٹل گئی ہے۔ ان کے لیے بجا طور پر یہ رات جشن کی رات تھی۔

قرطبہ کے قریبی جنگل میں جہاں چھوٹی بڑی سرسبز ٹیکریاں تھیں، مغیث الرومی اپنے سواروں سے ذرا ہٹ کر زمین پر کچھ بچھائے نفل پڑھ رہا تھا۔ اُس نے نفل پڑھ کر دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کے حضور گڑگڑایا ——— "تو وحدہٗ لاشریک ہے ربّ العزت! تو جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میں نے تیرے آسرے پر سات سو سواروں سے یہ شہر فتح کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے اس شہر کا بادشاہ نہیں بننا، تیری بادشاہی کو اس شہر میں پہنچانا ہے۔ میرے اللہ مجھے ہمت اور استقلال دے کہ تیری وحدت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت لے کر اس قلعے میں داخل ہو جاؤں اور باطل کی تاریکیوں میں حق کا اُجالا پھیلا دوں۔ مجھے اپنے حضور اور میرے ساتھیوں کے سامنے شرمسار نہ کرنا باری تعالیٰ!"

اُس کی آواز میں رقت آ گئی تھی۔ اُس نے اللہ کے حضور پھیلاتے ہوئے ہاتھ اپنے مُنہ پر پھیرے اور اپنی ہاتھوں سے آنسو پونچھ ڈالے۔ وہ اٹھا اور اپنے سواروں کے پاس گیا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام سوار اُس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔

"میرے عزیزو!" ——— مغیث الرومی نے بلند آواز سے کہا ——— "میں نے سپہ سالار سے کہا تھا کہ مجھے صرف سات سو سوار دے دو اور میں تمہیں یہ شہر دوں گا۔ میں نے اپنا دعویٰ اور وعدہ پورا کرنے کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے۔ میں نے یہ وعدہ سپہ سالار سے نہیں بلکہ اللہ سے کیا ہے اور یہ وعدہ تمہاری شجاعت کے بھروسے پر کیا ہے۔ عہد کرو اپنے اللہ سے کہ ہم نے اس قلعے کا سینہ چیر کر اس میں داخل ہونا ہے۔ نہیں تو ہم نے یہیں جانیں دے دینی ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم اللہ کا ساتھ نہ چھوڑ جانا"

"ہم تمہارے ساتھ ہیں" ——— سواروں کی آوازیں بلند ہونے لگیں ——— "ہم عہد کرتے ہیں

کہ یہ شہر لیں گے یا جانیں دے دیں گے۔"

✧

صبح طلوع ہوئی۔ مغیث الرومی اکیلا چل پڑا۔ وہ قلعے اور شہر پناہ کو ایک بار پھر دیکھنا چاہتا تھا۔ شاید اوپر جانے یا دیوار توڑنے کے لیے کوئی موزوں جگہ نظر آ جائے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک گڈریا کچھ بھیڑ بکریوں کو لیے آ رہا تھا۔ اس نے مغیث کو سلام کیا۔ مغیث اُندلسی زبان سمجھ اور بول لیتا تھا۔

"کیا آپ اس فوج کے آدمی ہیں جس نے ہمارے بادشاہ کی فوج کو میدان سے بھگایا ہے؟" ۔۔۔ گڈریے نے پوچھا۔

"ہاں دوست!" ۔۔۔ مغیث نے جواب دیا ۔۔۔ "کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو؟"

"نہیں" ۔۔۔ گڈریئے نے کہا ۔۔۔ "ہم بہت غریب لوگ ہیں۔ ہم کسی کو دشمن بنانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

مغیث الرومی نے اس کے ساتھ دوستانہ باتیں کیں اور آگے چل پڑا۔

"ٹھہرو!" ۔۔۔ گڈریئے نے اُسے روک کر کہا ۔۔۔ "تم اگر شہر کے اندر جانا چاہتے ہو تو پیچھے چلے جاؤ۔ اُدھر دریا ہے اور خندق بھی ہے۔ ایک جگہ سے دیوار تھوڑی سی ٹوٹی ہوئی ہے لیکن ذرا اونچی جگہ سے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ وہاں ایک درخت ہے جس کے ٹہن دیوار کے قریب تک گئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے تم دیوار توڑ سکتے ہو۔ خود جا کر دیکھ لو کہ یہ کام کر سکتے ہو یا نہیں۔"

مغیث الرومی اپنے اصل لباس میں نہیں تھا۔ وہ دور سے ہوتا ہوا دریا کی طرف گیا۔ اُسے وہ جگہ نظر آ گئی جہاں سے دیوار ذرا سی ٹوٹی ہوئی تھی لیکن اس میں سے اندر جانا آسان نہیں تھا۔ اسے مزید توڑنا تھا۔ دیوار کے اوپر سنتری ٹہل رہے تھے۔ مغیث چھپتا چھپاتا واپس آ گیا اور اپنے عہدیداروں کو بتایا۔ باری باری چار پانچ عہدیدار گئے اور دیوار کا وہ کمزور مقام دیکھا۔

"دیوار کے اس چھوٹے سے شگاف کی نسبت وہ درخت زیادہ کارآمد ہے جو دیوار کے قریب ہے" ۔۔۔ ایک شامی عہدیدار ابو عتیق نے کہا ۔۔۔ "رات کو اس پر چڑھ کر دیوار پر جا سکتے ہیں۔ لیکن سنتریوں کی موجودگی بہت بڑا خطرہ ہے۔"

مغیث الرومی نے بھی یہ طریقہ سوچا تھا لیکن اُسے خطرہ زیادہ اور کامیابی مشکوک نظر آتی تھی۔

✧

مؤرخ لین پول مستند مؤرخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ مسلمان جنگی قابلیت اور شجاعت میں بے مثال تھے اور ان کی فتوحات کی وجہ بھی یہی تھی۔ وہ سخت جان بھی تھے لیکن قدرت بھی انہی کے حق میں تھی۔ ایسے حالات پیدا ہو جاتے تھے جو طارق بن زیاد کے لیے سود مند ثابت ہوتے تھے۔ مغیث الرومی کو دیوار کا ایک کمزور مقام اور دیوار کے قریب ایک درخت

تو نظر آ گیا تھا لیکن اس شگاف اور درخت کا استعمال بہت ہی خطرناک تھا۔ اس دن کا سورج غروب ہو گیا پھر رات تاریک ہو گئی اور اُفق سے گھٹائیں اُٹھیں جو گرجتی چمکتی قرطبہ کی طرف بڑھی آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد بڑا ہی تیز و تند طوفان باد و باراں آیا۔ سیاہ کالی رات طوفان کی چیخوں سے کانپ رہی تھی۔ بارش اتنی تیز تھی جیسے کنکریوں کی بوچھاڑ پڑ رہی ہو۔ درخت جیسے جڑوں سے اُکھڑ رہے ہوں۔ طوفان بہت ہی ہولناک تھا۔ مغیث الرومی اور اُس کے مجاہدین کے لیے اس طوفان سے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ اُن کے پاس خیمے نہیں تھے۔ ہوتے بھی تو اُڑ جاتے۔ گھوڑے بدکتے اور ہنہناتے تھے۔ انہیں ٹیکریوں کی اوٹ میں کر لیا گیا۔

"اب وقت ہے" ـــــ مغیث الرومی نے چلّا کر کہا ـــــ "یہ طوفان اللہ کی نعمت ہے۔ گھوڑوں پر زینیں کس لو اور بہت جلدی شہر کی دریا والی طرف پہنچو۔ اس طوفان میں دیوار پر کوئی سنتری نہیں ہوگا۔ کدالیں ساتھ لے چلو۔"

ایسے خوفناک اور شدید طوفان باد و باراں میں مغیث الرومی سات سو گھوڑسواروں کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ بجلی کڑکتی اور چمکتی تھی تو گھوڑے بدکتے اور بے لگام ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ سواروں کا کمال تھا کہ گھوڑوں کو قابو میں رکھے ہوئے تھے۔ کنکریوں کی بوچھاڑ جیسی بدرش سواروں کے مُنہ نوچ رہی تھی۔

قرطبہ کے قریب دریائے اشبیلیہ گزرتا تھا جو اب بھی موجود ہے۔ مسلمانوں نے اس کا نام نہرِ قرطبہ رکھا تھا لیکن یہ نہرِ اعظم کے نام سے مشہور ہوا۔ گھوڑسواروں کو دیوار سے دُور رکھنا تھا اس لیے انہیں دریا میں کھڑا کیا گیا جہاں پانی گھوڑوں کی ٹانگوں کو ہی ڈبوتا تھا۔ دریا میں گھوڑوں کا کھڑے رہنا کوئی مشکل نہیں تھا، اصل اور ناقابلِ برداشت مشکل تیز و تند جھکڑ اور موسلادھار مینہ پیدا کر رہے تھے۔

دیوار پر گشت کرنے والے سنتری بُرجوں میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

مغیث الرومی چار آدمیوں کے ساتھ دیوار کے قریب اُس جگہ گیا جہاں ذرا سا شگاف اور درخت کا ٹہن تھا۔

"سالار!" ـــــ ابو عتیق نے کہا ـــــ "دیوار نہیں توڑیں گے۔ میں رسہ ساتھ لایا ہوں مجھے درخت پر چڑھنے دیں۔"

ابو عتیق رسہ اپنے ارد گرد لپیٹ کر درخت پر چڑھ گیا اور اُس ٹہن پر گیا جو دیوار کے قریب جاتا تھا لیکن طوفانی جھکڑ ٹہن کو اتنی زور سے دائیں بائیں ہلا رہے تھے کہ ابو عتیق کا ٹہن پر موجود رہنا محال ہو رہا تھا۔ بارش سے ٹہن گیلا ہو گیا تھا اس لیے اس سے پاؤں پھسلتے تھے۔ ٹہن سے کُود کر دیوار پر جانا تھا۔

ابو عتیق ٹہن کے سرے پر پہنچ گیا۔ ٹہن تیز جھکڑ سے ایک طرف ہو گیا۔ جب ٹہن واپس آ رہا تھا تو ابو عتیق نے خودکشی کا کارنامہ کر دکھایا۔ وہ دیوار کی طرف کُودا اور دیوار کے اُوپر گرا۔ اُس

نے زور لگایا کہ اپنا پورا جسم آگے لے جائے۔ بارش بہت تیز تھی۔ ابو عتیق آگے کو ہو ہی گیا اور دیوار کے پرے چلا گیا۔ اس نے اپنے جسم سے رسہ کھولا اور اس کا ایک سرا تیر اندازوں کے مورچے کے ساتھ باندھ کر رسہ نیچے لٹکا دیا۔

آٹھ آدمی رسے کے ذریعے اوپر چلے گئے۔ انہوں نے دریا کی طرف والا دروازہ کھولنا تھا۔ انہوں نے تلواریں نکالیں اور اتنے زبردست طوفان میں ایک بُرج تک پہنچے۔ اندر مشعل کی روشنی تھی۔ چار سنتری بڑے مزے سے گپ شپ لگا رہے تھے۔ انہیں سنبھلنے کی مہلت دیئے بغیر کاٹ دیا گیا۔

اس طرح چار اور بُرجوں میں دبکے ہوئے سنتریوں کو ہلاک کر کے یہ نو مجاہد ان سیڑھیوں سے نیچے چلے گئے جو دروازے کے اوپر والے بُرج سے نیچے جاتی تھیں۔ دروازے کی گارد بیدار تھی اور اس کی تعداد بھی ذرا زیادہ تھی جس نے مقابلہ کیا لیکن مجاہدین نے انہیں بھی خون میں نہلا دیا اور دروازہ کھول دیا۔ ابو عتیق نے باہر جا کر ایک مشعل بلند کر کے ہلائی۔ سات سو سواروں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں۔ گھوڑے دریا سے نکلے اور جس طرح طوفانِ بادوباراں تُند و تیز تھا ایسی تُندی و تیزی سے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گئے۔

دو تین اُندلسی سپاہیوں کو پکڑ کر گائیڈ بنا لیا گیا۔ فوجی سوئے ہوئے تھے۔ مشعلوں کی روشنی میں انہیں ہمیشہ کی نیند سُلا دیا گیا۔ زندہ اسی کو چھوڑا گیا جس نے جنگی قید قبول کر لی۔ شہریوں نے کیا مقابلہ کرنا تھا۔

مؤرخ ایس پی سکاٹ نے لکھا ہے کہ صبح طلوع ہوئی۔ طوفان ختم ہو چکا تھا۔ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن قلعے کے اندر ایک اور قلعہ تھا جسے سر کرنا ابھی باقی تھا۔ یہ عیسائی مبلغوں کا مرکز تھا جس کے اندر بہت بڑا گرجا تھا۔ ساتھ راہبوں اور راہباؤں کے رہائشی کمرے تھے اور درسگاہ بھی تھی۔ اس وسیع و عریض جگہ کے اردگرد بہت اونچی اور مضبوط دیوار تھی۔ دروازہ لوہے کا تھا۔ دیوار پر چاروں طرف تیر اندازوں نے مورچے قائم کر رکھے تھے۔

سکاٹ لکھتا ہے کہ قرطبہ کا گورنر رات کو اپنے چالیس محافظوں کے ساتھ اس گرجے میں پناہ لینے چلا گیا اور اس کے ساتھ چار سو فوجی بھی تھے۔ مغیث نے اعلان کرایا کہ باہر آ جاؤ تو امان میں لیے جاؤ گے۔ مقابلہ کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

"دروازے اور دیوار کے قریب آؤ" — گورنر نے دیوار پر کھڑے ہو کر جواب دیا — "سزا تم پاؤ گے۔ اس شہر سے نکل جاؤ۔"

مغیث الرومی نے بہت کوشش کی کہ اس جگہ کے اندر جا سکے لیکن کوئی ذریعہ کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ مغیث کو بتایا گیا کہ اس مذہبی مرکز کی دیواروں کے اندر اناج اور اجناس خورونوش کا اتنا ذخیرہ ہے جو کئی مہینے ختم نہیں ہو سکتا۔

تقریباً ایک مہینے بعد مغیث کو پتہ چلا کہ شہر کے اندر جو چشمہ ہے، اس کا پانی مذہبی مرکز کے اندر جاتا ہے اور اندر یہی پانی پینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اندر پانی زمین دوز پختہ

نالی کے ذریعے جاتا تھا۔ مغیث نے یہ نالی بند کروادی۔ تین چار دنوں بعد دروازہ کھل گیا۔
مغیث الرومی نے پہلا کام یہ کیا کہ گورنر کا سر تن سے اڑا دیا اور اندر جو فوجی افسر تھے انہیں بھی قتل کروادیا۔ ان کے حکم سے جو تیر انداز دیوار پر کھڑے تھے انہیں جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ شہریوں سے کوئی باز پرس نہ ہوئی۔ راہبادل کو آزاد کر دیا گیا۔
شمالی افریقہ کے دارالامارت قیروان میں امیر موسیٰ بن نصیر نے اٹھارہ ہزار فوج اکٹھی کر لی۔ اس نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اندلس کی جنگ میں شامل ہونے کی اجازت لے لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ طارق بن زیاد نے اس کے حکم کے مطابق پیش قدمی روک دی ہو گی اور وہ اس کے انتظار میں ہو گا۔ موسیٰ اگلی فتوحات میں شامل ہونا چاہتا تھا۔
طارق بن زیاد اور اس کے سالار امیر موسیٰ بن نصیر کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے تھے اور یہ خلاف ورزی تاریخ اندلس کا ایک اور ہی باب لکھنے والی تھی۔

زید بن کسادہ

کو طارق بن زیاد نے جس طرف بھیجا تھا، اُدھر اُندلس کا ایک اور بڑا شہر غرناطہ تھا۔ اُندلس کا نامور جرنیل تھیوڈومیر جو وادیٔ لکہ میں دریائے گادلیت کے کنارے طارق سے شکست کھا کر بھاگا تھا، اب غرناطہ میں تھا۔ اُسے مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں مل رہی تھیں اور وہ پریشانی کے عالم میں غرناطہ کا دفاع مضبوط کر رہا تھا۔

قلعے کو وہ اور کتنا مضبوط کر سکتا تھا۔ شہر پناہ کہیں سے ٹوٹی ہوئی نہیں تھی۔ فوج کی بھی کمی نہیں تھی۔ صرف ایک کمی تھی جو اسے پریشان کر رہی تھی۔ یہ تھی فوج میں لڑنے کے جذبے اور عزم کی کمی۔ مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے اُندلس کی فوج کا مورال تباہ کر دیا تھا۔ اس فوج کے مورال پر وہ فوجی اور شہری بھی اثر انداز ہو رہے تھے جو دوسری جنگوں سے بھاگ بھاگ کر آرہے تھے۔ مسلمانوں کی باتیں وہ اس طرح کرتے تھے جیسے مسلمان انسان نہیں جن بھوت ہوں۔

شہنشاہ راڈرک کی موت کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ راڈرک کو تو لوگ بہت ہی بہادر اور نڈر جنگجو سمجھا کرتے تھے۔ اس کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ وہ محل میں ظالم بادشاہ اور میدانِ جنگ میں بہادر جنگجو تھا اور اسے کوئی بادشاہ شکست دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے مشہور ہو گیا تھا کہ راڈرک زندہ ہے اور واپس آجائے گا۔ بعض نے تو یہ بھی کہا تھا کہ وہ مر گیا ہے تو بھی واپس آئے گا۔ یہ عقیدہ ہر کسی کا نہیں تھا۔ وہ لوگ جو اس عقیدے کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ مسلمان بہت ہی زبردست لڑاکے ہیں جنہوں نے راڈرک کو شکست ہی نہیں دی بلکہ اسے جان سے ہی مار ڈالا ہے۔

تھیوڈومیر کے لیے اپنی فوج کی یہ ذہنی کیفیت بہت خطرناک تھی۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں شکست خوردہ جرنیل تھا۔ اپنی شکست کو وہ فتح میں بدلنے کو بیتاب تھا۔ اس کے علاوہ وہ اُندلس کا بادشاہ بننے کے خواب بھی دیکھ رہا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُس نے اپنے ماتحت فوجی افسروں کو انہی خوابوں کے زیرِ اثر لالچ دے رکھے تھے۔

"اس وقت ملک میں کسی کی بھی حکومت نہیں"— اُس نے اپنے فوجی افسروں سے کہا— "حکومت اُس کی ہوگی جو فاتح ہوگا۔ افریقہ کے بربر لوٹ مار کے لیے آئے ہیں۔ انہیں صرف ایک جگہ بھی شکست ہو گئی تو یہ بھاگ جائیں گے پھر حکومت اپنی ہے۔ میری جگہ تم ہو گے اور میں راڈرک کی جگہ ہوں گا۔ تم سب کو فوج کے اعلیٰ افسر بناؤں گا۔ راڈرک بھی ایسے ہی بادشاہ بنا تھا لیکن پہلی شرط یہ ہے کہ حملہ آوروں کو اس ملک سے نکالو۔"

فوجی افسروں کے لیے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔ وہ حملہ آوروں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے

لیے تیار ہو گئے۔

"تم سب کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہ غرناطہ کی طرف آ رہے ہیں" ــــ تھیوڈومیر نے کہا ــــ "اُنھوں نے اپنے لیے کمزوری یہ پیدا کر لی ہے کہ تین حصّوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور تین مختلف سمتوں کو چلے گئے۔ ایک حصّہ غرناطہ کی طرف آ رہا ہے۔ اسے تباہ و برباد کرنا ہے اگر ہم نے یہ کر لیا تو یہاں سے ہم کوچ کر کے اُن کے اُس حصّے پر حملہ کریں گے جو قرطبہ کی طرف گیا ہے، پھر ہم طلیطلہ کی طرف جانے والے حصّے کو ختم کریں گے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ غرناطہ کی طرف آنے والی مسلمان فوج کو راستے میں جگہ جگہ اتنی مزاحمت دی جائے کہ غرناطہ تک پہنچ ہی نہ سکے۔ اگر پہنچ جائے تو اس کی نفری بہت ہی تھوڑی اور تھکی ہوئی رہ جائے جس سے ہم فوراً ہتھیار ڈلوالیں گے۔"

"آپ کی تجویز بہت اچھی ہے" ــــ ایک اعلیٰ افسر نے کہا ــــ "ہم بربروں کو غرناطہ کا محاصرہ کرنے ہی نہیں دیں گے۔ غرناطہ سے کچھ دُور کھلی جنگ لڑیں گے .... آپ نے راڈرک کی جگہ تخت نشین ہونے کی بات کی ہے۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ اُس کا ایک جوان بیٹا رچمانڈ بھی ہے؟ اُس کی موجودگی میں آپ اپنے سر پر اُندلس کا تاج کس طرح رکھیں گے؟"

"رچمانڈ پگلا ہے" ــــ تھیوڈومیر نے کہا۔

"اُس کی ماں تو پاگل نہیں" ــــ فوجی افسر نے کہا ــــ "یوگو بیلیجی آپ جیسا جرنیل ہے اور وہ ہمیشہ طلیطلہ میں رہا ہے۔ راڈرک کی ملکہ اُسے ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہتی تھی۔ یوگو بیلیجی فوج میں بہت مقبول ہے۔ وہ فوج کو آپ کے خلاف اور ملکہ کی حمایت میں کر دے گا۔ وہ رچمانڈ کو ہی تخت پر بٹھائے گا۔ اگر آپ اُس کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو آپ کو خاموشی سے قتل کر دیا جائے گا یا خانہ جنگی ہو گی۔ ان حالات میں جب بربر فتح پہ فتح حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں، کیا آپ خانہ جنگی کو بہتر سمجھیں گے؟ .... جنرل تھیوڈومیر! آپ دشمن کے لیے پورے ملک کی فتح آسان بنا دیں گے۔"

تھیوڈومیر ایسے انداز سے ہنسا جیسے اُس کے اس اعلیٰ فوجی افسر نے احمقانہ بات کی ہے اور وہ جواب ہی نہ دینا چاہتا ہو۔

"یہ بعد کا مسئلہ ہے" ــــ تھیوڈومیر نے کہا ــــ "پہلا مسئلہ فوج کی تقسیم کا ہے۔ آؤ پہلے غرناطہ تک آنے والے قلعوں اور قصبوں کے متعلق سوچیں کہ کہاں کتنی فوج بھیجیں۔"

غرناطہ تک چار بڑے اہم مقام آتے تھے ــــ آرچیڈونا، مالاکا، مُورشیا اور ایلویرا ــــ ایلویرا غرناطہ کے نواح میں تھا۔ تھیوڈومیر نے ان مقامات کا طوفانی دورہ کیا۔ وہاں کی فوج کا جائزہ لیا اور ہر جگہ ایک ہی لیکچر دیا:

"وہ شہنشاہ راڈرک مر گیا ہے جو اُندلس کو اپنی جاگیر اور تمہیں اپنے غلام سمجھا کرتا تھا۔ اُندلس تمہارا ملک ہے۔ اُندلس کی کھیتیوں کا ایک ایک دانہ تمہارا ہے۔ تمہارے خُون اور پسینے کی کمائی کا ایک ایک پیسہ تمہارا ہے۔ اب ایسا

نہیں ہوگا کہ تمھاری کھیتیوں کا آدھا فصل کوئی اور اُٹھا کر لے جائے گا تمھارے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ہر چیز کی پوری قیمت تمھاری ہوگی۔ تم لوگ جو فوج میں ہو، تمھارے باپوں اور تمھارے سگے بھائیوں سے اور بیٹوں سے کوئی محصول وصول نہیں کیا جائے گا۔ جو فوجی لڑائی میں معذور ہو جائے گا اُسے ساری عمر کے لیے موجودہ تنخواہ جتنا معاوضہ ماہوار دیا جائے گا، اور جو مارا جائے گا اُس کے باپ یا بیوی یا اولاد کو اکٹھی رقم ادا کی جائے گی۔"

فوجی تھیوڈومیر کا اعلان یہاں تک سنتے ہی "تھیوڈومیر زندہ باد" اور "سرزمینِ اُندلس زندہ باد" کے نعرے لگانے لگتے تھے۔ تھیوڈومیر نعرے خاموش ہونے کے بعد اپنا لیکچر آگے چلاتا:

"افریقہ کے یہ بربر مسلمان تمھارے ملک کو اور تمھارے گھروں کو لُوٹنے آئے ہیں۔ وہ تمھاری بیٹیوں، بہنوں اور جوان بیویوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ انہیں تمھارے گھروں میں بے آبرو کریں گے۔ یہ ڈاکو گیارہ بارہ سال کی عمر کی بچیوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اپنے مال و متاع اور اپنی عزت کو بچانا چاہتے ہو تو جانیں لڑا دو۔ اس دشمن کی دہشت اپنے دلوں سے اتار دو۔ خوف و ہراس سے بچو۔ وہ اتنے بہادر نہیں جتنا تمہیں بتایا گیا ہے۔ وہ سپاہی جوان سے شکست کھا کر بھاگ آئے ہیں وہ تو یہی کہیں گے کہ مسلمان جنّوں اور بھوتوں جیسی کوئی مخلوق ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ تم جیسے انسان ہیں اگر کوئی بہادر ہے تو وہ تم ہو۔"

ان فوجیوں کو معلوم نہیں تھا کہ تھیوڈومیر نے ان بربر مسلمانوں سے پہلی ٹکر لی تھی اور ایسی شکست کھائی تھی کہ اُس کے لیے وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلنا محال ہو گیا تھا۔ وہ اپنی فوج کو بربروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب وہ اپنی فوج سے کہہ رہا تھا کہ مسلمان جنّوں بھوتوں جیسی کوئی مخلوق نہیں۔ ان فوجیوں کو معلوم نہیں تھا کہ تھیوڈومیر نے بھاگ کر طلیطلہ جا دم لیا اور شہنشاہ راڈرک کو جو اُس وقت پمپلونہ میں تھا، یہ پیغام بھیجا تھا ۔۔۔۔۔۔ "یہ کوئی جن اور بھوت تھے جنہوں نے میری آدھی سے زیادہ فوج ہلاک کر ڈالی اور باقی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔"

وہ اب غرناطہ سے نکل کر اپنی فوج کے جذبے اور حوصلے میں الفاظ سے نئی روح پھونکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

٭

تھیوڈومیر واپس غرناطہ پہنچا ہی تھا کہ زید بن کسادہ غرناطہ کے راستے میں پہلے قلعہ بند قصبے آرچیڈونا تک پہنچ گیا اور اپنے مجاہدین کے لشکر کو ذرا سا بھی آرام نہ دیا اور طوفان کی

طرح قصبے کو محاصرے میں لے لیا۔ دیوار پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے موجود تھے اُنہوں نے تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا لیکن بربروں کی کمانیں زیادہ مضبوط اور دُور مار تھیں۔ قلعے والوں کے تیر ان تک نہیں پہنچتے تھے لیکن ان کے تیر دیوار کے اوپر تک پہنچ جاتے اور اپنا پورا کام کرتے تھے۔

مسلمانوں کے نعروں اور للکار سے اُندلسیوں پر خوف طاری ہُوا جا رہا تھا۔ مسلمان چار چار چھ چھ کی ٹولیوں میں دوڑ دوڑ کر دیوار تک پہنچتے تھے اُوپر سے کوئی تیر انداز ذرا جھک کر اُن پر تیر چلانے لگتا تو بربروں کے تیر اسے سیدھا نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ وہیں دیوار پر گرا دیتے یا وہ دیوار کے اوپر سے نیچے آگرتا تھا۔ مسلمانوں کی کوشش یہ تھی کہ کمندیں پھینک کر دیوار پر چڑھ جائیں یا دیوار توڑنے کا موقع مل جائے۔

مسلمانوں کی ٹولیاں دروازوں تک بھی پہنچ گئی تھیں اور یہ مجاہدین دروازے توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

مجاہدین کی یہ بے جگری اور اُن کا جوش و خروش ظاہر کرتا تھا جیسے وہ قلعے کو بنیادوں سے اُکھاڑ پھینکیں گے۔ اُندلس کے فوجیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت پہلے سے طاری تھی اور جسے تھیوڈومیر نے الفاظ میں رفع کرنے کی بہت کوشش کی تھی، وہ دہشت کام کرنے لگی۔ قلعے والوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ مجاہدین جو تیر دیوار پر چلا رہے تھے وہ اُوپر جا کر قصبے کے اندر گرتے تھے جس سے لوگوں پر دہشت طاری ہو رہی تھی۔ قصبے میں شہریوں نے ایسی فضا پیدا کر دی کہ فوجیوں کے حوصلے بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ گئے۔ قلعہ دار نے دروازہ کھول دینے کا حکم دے دیا۔

مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے اور یہ مقام مزید خونریزی کے بغیر قبضے میں آگیا۔

★

اس سے آگے دو اور ذرا بڑے قصبے ——— مالاکا اور موشیا ——— آتے تھے۔ مالاکا کی فوج نے یہ بہادری دکھائی کہ جب مسلمان وہاں پہنچے تو انہوں نے اُندلس کی فوج کو قلعے کے باہر صف آرا دیکھا۔ اُن کا یہ طریقہ جنگ جنرل تھیوڈومیر کی ہدایت کے مطابق تھا اور تھیوڈومیر نے جو اعلان کیے تھے، اُن کا بھی اثر تھا کہ یہ لوگ محاصرے کی جنگ لڑنے کی بجائے کھلے میدان میں نکل آتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کا مقابلہ ایسے مسلمانوں سے ہے جو جنگ و جدل کے شوقین ہیں اور بچپن سے ہی انہیں خونریزی اور لڑنے کے انداز سکھا دیئے جاتے ہیں۔ زید بن کسادہ عربی سالار تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب عربوں کی جارحانہ قیادت کی دھاک بیٹھی ہُوئی تھی۔

سالار زید نے طارق بن زیاد کی مخصوص چال چلتے ہوئے اُندلسیوں کو اس طرح پیچھے دھکیلا کہ اُن کی پیٹھیں شہر کی دیوار سے جا لگیں۔ گھوڑے اپنے پیادوں کو کچل رہے تھے اور

مسلمان انہیں کاٹ رہے تھے۔ سالار زید نے دشمن کو لڑائی میں اُلجھالیا اور اپنی کچھ جانباز نفری دروازے توڑنے کے لیے بھیج دی۔

اُندلسیوں نے باہر نکل کر بے خوفی اور جانبازی کا مظاہرہ تو کیا تھا لیکن وہ قلعے کے دفاع کا کوئی اور انتظام کرنا بھول گئے تھے۔ قلعے کے باہر اُندلسی مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ رہے تھے۔ اُدھر جانبازوں نے قلعے کے دو دروازے توڑ دیئے اور قلعے میں داخل ہو گئے۔ اُندلسیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہاں ان کے جرنیل تھیوڈومیر کے جوشیلے الفاظ کوئی کام نہ کر سکے۔ جہاں تلوار اور تیر چلا کرتے ہیں وہاں الفاظ کے تیر ہوا میں ہی غائب ہو جاتے ہیں۔

اب آگے اُندلس کا ایک مشہور شہر غرناطہ تھا۔ جنرل تھیوڈومیر خود اس قلعہ بند شہر میں موجود تھا۔ توقع یہی تھی کہ وہ جم کر مقابلہ کرے گا۔ ایک تو وہ اپنی شکست کو فتح میں بدلنا چاہتا تھا اور دوسرے یہ کہ اُس کی نظریں اُندلس کے تخت و تاج پر لگی ہوئی تھیں۔ اُس نے مسلمانوں کو شکست دینے کی مکمل تیاری کر رکھی تھی۔ اُس نے بھی محصور ہو کر لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اُس نے اپنی فوج کو غرناطہ سے نکال کر کچھ دور البیرا کے مقام پر صف آرا کر لیا تھا۔

کسی بھی مورخ نے تھیوڈومیر اور زید بن کسادہ کی فوجوں کی تعداد نہیں لکھی سوائے اس کے کہ مسلمان اُندلسیوں کے مقابلے میں تعداد میں بہت کم تھے۔ اُندلس کی فوج کے ساتھ شہری بھی لڑنے کے لیے خاصی تعداد میں موجود تھے۔ مسلمانوں کی تعداد کی کمی کے علاوہ ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ وہ مسلسل کوچ اور معرکہ آرائی میں یہاں تک پہنچے تھے۔ اُن کے جسم لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ یہ اُن کی روحانی قوت تھی کہ وہ غرناطہ کے گرد و نواح تک پہنچے اور دشمن کو سامنے کھڑا دیکھ کر بغیر آرام کے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے مقابلے میں اُندلسی تازہ دم تھے۔

زید بن کسادہ نے جب دشمن کو اپنے سامنے لڑائی کی ترتیب میں کھڑے دیکھا تو اُس نے اپنے لشکر کو روک لیا اور ذرا بلند جگہ کھڑے ہو کر تھیوڈومیر کی فوج کی تعداد اور ترتیب کا جائزہ لیا۔

تھیوڈومیر کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے نعرے اور اُن کی للکار اُس کے سپاہیوں کو ڈرا دیتی ہے۔ اس کا علاج اُس نے یہ کیا کہ اپنی فوج سے نعرے لگوانے شروع کر دیئے اور اس کے ساتھ ہی اُس کے جونیئر کمانڈروں نے مسلمانوں کو للکارنا شروع کر دیا۔ سالار زید جان گیا کہ دشمن پُرعزم ہے اور اُس کا جوش و خروش بتاتا ہے کہ وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہیں۔ زید کو یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ اُس کا لشکر تھکا ہوا ہے لیکن اس صورتِ حال سے بھاگا تو نہیں جا سکتا تھا۔ اُس نے بلندی سے ہی جس پر وہ کھڑا تھا اپنے لشکر کو للکارا:

"بربرو! تمہارے جذبے اور ایمان کا وقت اب آیا ہے۔ مَیں عربی ہوں۔ آج تم نے ثابت کرنا ہے کہ میدانِ جنگ میں بربر عربوں سے برتر اور بڑھ کر جاں نثار ہیں۔ یاد کر لو کہ تمہارے ساتھی دوسرے شہروں کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اُن سے تمہیں یہ طعنہ سننا پڑے کہ جو غرناطہ کو فتح کرنے گئے تھے وہ بزدل اور بے ایمان تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ

تم ہار گئے تو اپنے اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے"۔

زیدبن کسادہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ بربروں نے بڑی بلند آواز سے اپنے مخصوص نعرے لگانے شروع کر دیئے ___ "ہم تمہارے ساتھ ہیں ..... زید، ہم تم سے آگے ہوں گے ..... ہم پیٹھ نہیں دکھائیں گے"۔

اس لڑائی کا حال واحوال تفصیل سے لکھنے والے مؤرخ پروفیسر ڈوزی نے لکھا ہے کہ زیدبن کسادہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کا رخ قبلہ کی طرف کیا، سر جھکا لیا اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ معلوم نہیں اُس نے کن الفاظ میں اللہ سے فتح مانگی۔ اُس کا سر آہستہ آہستہ اوپر اُٹھنے لگا یہاں تک کہ اُس کا منہ آسمان کی طرف ہو گیا اور دونوں ہاتھ پھیلتے ہوئے اوپر کو اُٹھتے گئے۔ ذرا ہی دیر بعد اُس کا سر اور ہاتھ ایک جھٹکے سے نیچے کو آگئے۔

"اسلام کے پاسبانو!___ اُس نے منہ پر ہاتھ پھیرے بغیر بڑی ہی بلند آواز میں اپنے لشکر سے کہا ___ "اللہ نے مجھے فتح کی بشارت دی ہے"۔

زیدبن کسادہ بلندی سے اُترا اور تقریباً ایک سو جانباز قسم کے بربروں کو الگ کیا اور انہیں کچھ ہدایات دیں۔ ان کے مطابق یہ جانباز اُس راستے پر واپس چلے گئے جس راستے سے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ کچھ دُور جاکر وہ ایک طرف کو مُڑ گئے اور اونچی نیچی ٹیکریوں کی اوٹ میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

جنرل تھیوڈومیر نے مسلمانوں سے ایک لڑائی لڑی تھی۔ طارق بن زیاد کی جس چال نے اُس کی فوج کو بے ترتیب اور منتشر کر کے مارا تھا، وہ چال اُس کے سینے پر لکھی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے جونیئر کمانڈروں کو سختی سے بتا دیا تھا کہ مسلمان حملہ کر کے پیچھے ہٹنے لگیں تو اُن کے تعاقب میں نہ جائیں بلکہ اور پیچھے ہٹ جائیں۔ ایسی ہی کچھ اور ہدایات تھیں جو اُس نے اپنے کمانڈروں کو اور اپنی فوج کو بھی دیں۔

ادھر سالار زید اپنے لشکر سے کہہ رہا تھا کہ وہ یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ تھکے ہوئے ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ دشمن کی اس فوج میں تقریباً آدھے وہ سپاہی ہیں جو دوسری جنگوں سے شکست کھا کر اور بھاگ کر یہاں پہنچے ہیں۔ زید نے مجاہدین کو بتایا کہ اُندلسیوں پر بربروں کا خوف طاری ہے، اس خوف میں اضافہ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ یہ خوف ہم اپنے اوپر طاری کر لیں۔

مؤرخ لین پول اور سب سے زیادہ متعصب مؤرخ ولیم سکاٹ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ دونوں فوجوں کی کیفیت دیکھ کر لڑائی کا نتیجہ یہی نظر آتا تھا کہ مُور (بربر مسلمان) بہت بُری شکست کھائیں گے۔ مسلمانوں کی فتح کا انحصار صرف اس پر تھا کہ اُن کا سالار کوئی ایسی چال چل سکتا ہے جو تھیوڈومیر کے قدم اکھاڑ دے؟ ..... ایسا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ تھیوڈومیر کو اپنی فتح کا سو فیصد یقین تھا۔

جنرل تھیوڈومیر نے اپنی فوج کو ایسی جگہ پر ترتیب میں رکھا ہوا تھا کہ اُس کے دائیں اور بائیں ٹیکریاں اور چٹانیں تھیں۔ اس طرح اُس کے پہلو محفوظ تھے۔ زید بن کسادہ نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے درمیان والے حصے کو آگے بڑھایا اور خود پیچھے رہا۔ اُدھر سے غرناطہ کی فوج کی دُگنی نفری آگے بڑھی۔ تھیوڈومیر دُور پیچھے رہا۔

مسلمان نعرے لگاتے ہُوئے اپنی رفتار تیز کر کے آگے بڑھے اور بڑا سخت تصادم ہُوا۔ اُندلسی سمجھ نہ سکے کہ مسلمان آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اُندلس کی فوج اُن کے ساتھ ساتھ آگے آرہی تھی۔ تھیوڈومیر دُور پیچھے کھڑا چلاّ رہا تھا اور قاصدوں کے ذریعے اپنی فوج کو پیغام دے رہا تھا کہ آگے نہ جائیں۔

اچانک دائیں اور بائیں طرف کی ٹیکریوں اور چٹانوں سے تھیوڈومیر کی فوج پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برس پڑا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹیکریاں اور چٹانیں آتش فشاں پہاڑ کی طرح تیر اور برچھیاں اُگل رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انہی ٹیکریوں کی اوٹ سے بربر گھوڑ سوار گھوڑے سرپٹ دوڑاتے نکلے اور اُندلسیوں کے عقب میں چلے گئے۔ وہاں سے اُنہوں نے بڑا ہی دلیرانہ حملہ کیا۔ زیادہ تر تیروں اور برچھیوں کی وجہ سے اُندلسی بے ترتیب ہو گئے۔ باقی کسر گھوڑ سواروں کے حملے نے پوری کر دی

لین پول اور ولیم سکاٹ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی وہ دہشت جو اس فوج پر طاری تھی وہ تیروں اور برچھیوں سے زیادہ نقصان پہنچا رہی تھی۔ دوسری لڑائیوں سے بھاگے ہوئے سپاہی ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔

زید بن کسادہ نے تقریباً ایک سو جانبازوں کو لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی غائب کر دیا تھا۔ وہ جانباز دُور کا چکر کاٹ کر شہر کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شہر پناہ پر اور قلعے کے بُرجوں میں کوئی ایک بھی سپاہی موجود نہیں۔ سالار زید نے انہیں اس مشن پر بھیجا تھا کہ غرناطہ کی فوج باہر نکل آئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے اندر کوئی فوج نہیں، اور اگر ہے تو بہت تھوڑی ہے۔ جانبازوں کو بتایا گیا تھا کہ وہ قلعے کے دروازے توڑنے کی کوشش کریں یا رسّے ساتھ لے جائیں اور کمندیں ڈال کر دیوار پر چڑھ جائیں۔

جانبازوں کا یہ جیش شہر کے عقب میں پہنچ گیا۔ دیوار پر کوئی شہری یا فوجی کھڑا تھا، اُس نے دیکھ لیا۔ وہ دوڑتا ہُوا اُترا، گھوڑے پر سوار ہُوا اور کوئی دروازہ کھلوا کر گھوڑا سرپٹ دوڑاتا نکلا اور جنرل تھیوڈومیر کو جا اطلاع دی کہ تقریباً اتنی تعداد میں مسلمان فلاں طرف سے شہر کی طرف آرہے ہیں۔ تھیوڈومیر نے کم و بیش تین سو گھوڑ سواروں کو شہر کے عقب کی طرف دوڑا دیا اور اُس کے جو دستے ابھی لڑائی میں شامل نہیں ہوئے تھے، ان دستوں کو اُس نے حکم دیا کہ شہر کے اندر چلے جائیں۔

جونہی یہ دستے پیچھے کو مُڑے، زید بن کسادہ نے اپنے لشکر کے اس حصے سے جو اُس نے اپنی کمانڈ میں محفوظہ کے طور پر رکھا ہُوا تھا غرناطہ کی طرف جانے والے اُندلسیوں پر حملہ کر

دیا۔ چونکہ یہ حملہ عقب سے ہُوا تھا اس لیے اُندلسیوں کا نقصان بہت ہی زیادہ ہُوا۔

لین پول اور ولیم سکاٹ لکھتے ہیں کہ عیسائی فوج پوری طرح کٹ گئی۔ ایسا جانی نقصان مسلمانوں اور عیسائیوں کی کسی بھی لڑائی میں نہیں ہُوا تھا۔ تھیوڈومیر نے جن تین سو آدمیوں کو شہر کے عقب میں بھیجا تھا، انہیں بربر جانبازوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ اگر اُندلسی فوج کا کوئی سپاہی بچا بھی تو وہ قلعے کی طرف نہیں گیا بلکہ کہیں جنگل کی طرف بھاگا اور رُوپوش ہو گیا۔

★

تھیوڈومیر میدانِ جنگ سے لاپتہ ہو گیا۔ قلعے کا جو دروازہ کُھلا تھا، بند ہو گیا اُندلسی فوج کے پرچم کبھی کے گر چکے تھے۔ مسلمان ابھی تک لڑائی میں مصروف تھے۔ لڑائی ختم ہو چکی تھی لیکن زید بن کسادہ کا حکم تھا کہ کسی کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

غرناطہ وہاں سے کچھ دُور تھا۔ عیسائی فوج کا صفایا کر کے سالار زید نے غرناطہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اُس نے اپنی فوج کو یہ مژدہ سنایا تھا کہ اللہ نے انہیں فتح سے نوازا ہے اور اب قلعے میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کرنا ہے اور یہ بھی کہ شہر میں کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہو گا۔

جب انہیں قلعہ نظر آنے لگا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دیواروں پر انسانوں کی ایک دیوار کھڑی تھی۔ محاصرے کے وقت ہر قلعے پر سپاہی موجود ہُوتے تھے لیکن اتنے نہیں کہ اُن کے کندھے ایک دوسرے سے ملے ہُوئے ہوں۔ ان کے سروں پر جنگی خودیں تھیں اور اُن کے جسموں کے بالائی حصے زرہ پوش تھے۔

"نہیں.... ابھی نہیں!"۔۔۔ سالار زید نے اپنے نائب سالار سے کہا۔ "ہم تو سمجھے تھے کہ غرناطہ کی فوج کو ہم نے ختم کر دیا ہے لیکن شہر کے دفاع میں تو اس سے کہیں زیادہ فوج نظر آ رہی ہے۔"

مذکورہ بالا مؤرخ لکھتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے لیے اُفق کے قریب پہنچ گیا تھا۔ زید بن کسادہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا لیکن اب اُس کی فوج اور کم ہو گئی تھی کیونکہ کچھ مجاہدین شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی بھی ہُوتے تھے۔ کیفیت مایوسی والی ہو گئی تھی پھر بھی دیوار کے قریب جا کر سالار زید نے اعلان کروایا کہ اپنی فوج کا انجام دیکھ لو، اگر بغیر لڑے شہر کے دروازے کھول دو گے تو امن و امان میں رہو گے ورنہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس اعلان کا کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ عموماً یوں ہوتا تھا کہ محاصرہ کرنے والے ایسا ہی الٹی میٹم دیا کرتے تھے اور محصورین کی طرف سے طنزیہ اور دھمکی آمیز جواب ملا کرتا تھا لیکن زید بن کسادہ کے اعلان کے جواب میں دیوار سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

خلافِ توقع دروازہ کُھلا اور تھیوڈومیر ہاتھ میں سفید جھنڈا لیے باہر آیا۔ پہلی حیرت ناک بات یہ تھی کہ تھیوڈومیر صلح کا جھنڈا اُٹھائے خود باہر آیا تھا، اور زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہُوا کہ اُس کے ساتھ صرف ایک محافظ تھا۔ کوئی جرنیل یا بادشاہ محافظوں کے پورے دستے کے بغیر اِدھر اُدھر نہیں جاتا تھا۔ تھیوڈومیر کے ساتھ جو محافظ تھا وہ قریب آنے پر پتا چلا کہ محافظ نہیں بلکہ وہ ایک نوجوان

ملازم ہے۔عیسائی بادشاہ اور بڑے جرنیل محافظوں کے علاوہ اس قسم کے ایک دو ملازم اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔زید بن کسادہ تھیوڈومیر کے استقبال کے لیے ذرا آگے چلا گیا پھر دونوں کمانڈروں کا آمنا سامنا ہوا۔

"میں اپنے سے بڑے جرنیل کے حکم سے آیا ہوں" ___ تھیوڈومیر نے کہا ___ "یہ جرنیل اس علاقے کی تمام فوج کا کمانڈر ہے۔اُس نے آپ کے لیے پیغام بھیجا ہے کہ قلعے کے اندر اتنی زیادہ فوج ہے کہ آپ محاصرہ کریں گے تو کم از کم ایک سال محاصرے میں بیٹھے رہیں گے ..... شہر کی دیواروں پر دیکھ لیں۔اسی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ شہر میں کتنی زیادہ فوج ہو گی۔"

"اگر اتنی زیادہ فوج موجود ہے تو پھر صُلح کی کیا ضرورت ہے؟" ___ زید بن کسادہ نے اپنے ترجمان کی معرفت تھیوڈومیر کی بات سُنی اور جواب دیا ___ "تم میری فوج کو دیکھ رہے ہو کہ پہلے سے بھی کم رہ گئی ہے۔"

"ہمارا جرنیل رحمدل انسان ہے" ___ تھیوڈومیر نے کہا ___ "اُسے پتہ چل گیا ہے کہ آپ کی فوج کس بُری طرح کٹ گئی ہے اور آپ کا بھی نقصان ہوا ہے۔وہ کہتا ہے کہ مزید خونریزی اُس کی برداشت سے باہر ہے اس لیے وہ صُلح کرنا چاہتا ہے ..... اگر آپ صُلح نہیں کرنا چاہتے تو میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہمارے پاس بہت زیادہ فوج ہے جس سے آپ قلعہ نہیں لے سکیں گے۔"

زید بن کسادہ کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ یہ دھوکا ہو سکتا ہے لیکن تھیوڈومیر جس انداز سے بات کر رہا تھا، اس سے متاثر ہو کر زید بن کسادہ صُلح پر راضی ہو گیا۔

"لیکن صُلح کی شرائط ہماری ہوں گی" ___ تھیوڈومیر نے کہا ___ "سب سے بڑی شرط یہ ہو گی کہ شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت آپ کی ذمہ داری ہو گی اور آپ کا کوئی سپاہی کسی شہری کے گھر میں داخل نہیں ہو گا۔دوسری شرط یہ ہے کہ خزانے میں جو کچھ بھی ہے وہ ہم خود آپ کے حوالے کریں گے اور تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے آپ جنگی قیدی نہیں بنائیں گے بلکہ میں قلعے میں رہوں گا اور میں آپ کی طرف سے اس صوبے کا گورنر ہوں گا۔میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں اور آپ کے احکام کا پابند اور آپ کا وفادار رہوں گا۔"

صُلح کی یہ شرائط تحریر کی گئیں اور زید بن کسادہ نے اس دستاویز پر اپنے دستخط کر کے اپنی مُہر بھی لگا دی۔

"علی الصبح آپ کو شہر کے دروازے کھلے ہوئے ملیں گے" ___ تھیوڈومیر نے کہا اور چلا گیا۔

"ابن کسادہ!" ___ سالار زید کے ایک نائب سالار نے اُسے غصیلی سی آواز میں کہا ___ "تم نے اپنی اور ہم سب کی موت کے پروانے پر اپنی مُہر لگا دی ہے۔"

"ہاں ابنِ کسادہ!" ـــــ ایک اور عہدیدار نے کہا ـــــ "معلوم ہوتا ہے تم بہت زیادہ تھک گئے ہو اس لیے تمھارا دماغ کام نہیں کر رہا۔"

"مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے" ـــــ زید بن کسادہ نے کہا ـــــ "تمھیں یہ خطرہ نظر آرہا ہے کہ تھیوڈومیر ہمیں اپنے پھندے میں لے جا رہا ہے۔ ہم اندر جائیں گے تو شہر کی فوج اور تمام شہری ہم پر ٹوٹ پڑیں گے اور ہمارا نام و نشان مٹا دیں گے۔"

"ہاں!" ـــــ عہدیدار نے کہا ـــــ "یہی ہوگا۔"

"تم میں عقل کی کمی ہے" ـــــ سالار زید نے کہا ـــــ "کوئی قلعہ دار دشمن کے چند آدمیوں کو بھی قلعے میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ ہماری تو فوج ہے جس کے لیے وہ صبح دروازے کھول رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے، اور یہ دیکھ چکے ہیں کہ بربر مسلمان کم تعداد میں ہوں تو بھی ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔"

☆

رات اضطراب میں گزر رہی تھی۔ ادھر ادھر لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی کربناک آہ و زاری سنائی دے رہی تھی۔ بربر اُندلس کے مرے ہوئے فوجیوں کے ہتھیار اکٹھے کر رہے تھے۔ اُن کی جامہ تلاشی لے رہے تھے۔ گیدڑ، بھیڑیئے اور اُودبلاؤ وغیرہ بھی پہنچ گئے تھے۔

زید بن کسادہ رات بھر سو نہ سکا۔ اُس کی اور بربروں کی یہ پریشانی بالکل قدرتی تھی کہ انہیں کسی پھندے میں پھانسنے کی ترکیب کی جا رہی ہے۔ زید نے اپنے عہدیداروں سے کہہ دیا تھا کہ وہ رات کو بیدار اور چوکس رہیں اور صبح قلعے میں داخل ہوتے وقت آنکھیں گھما گھما کر ہر طرف دیکھتے رہیں۔

رات گزر گئی۔ ایک مجاہد نے اذان دی لشکر نے زید بن کسادہ کی امامت میں فجر کی نماز پڑھی۔ سالار زید نے ایک بار اپنے عہدیداروں سے کہا کہ قلعے میں داخل ہوتے وقت ہوشیار رہیں۔

صبح کا اُجالا سفید ہُوا ہی تھا کہ قلعے سے ایک آدمی آیا اور سالار زید بن کسادہ سے کہا کہ جنرل تھیوڈومیر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ سالار زید نے اپنے لشکر کو اس کے پیچھے آنے کو کہا۔ لشکر تیار تھا۔ پیادے اور گھوڑسوار اُس کے پیچھے چل پڑے۔ توقع تھی کہ غرناطہ کی شہر پناہ پر فوج پہلے کی طرح کھڑی ہوگی لیکن دیوار پر ایک آدمی بھی نہ تھا۔

تھیوڈو قلعے کے بڑے دروازے سے باہر کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ وہی ایک آدمی تھا جو پہلے بھی اُس کے ساتھ دیکھا گیا۔ اُس نے زید بن کسادہ کا استقبال بڑے تپاک طریقے سے کیا اور اُسے قلعے کے اندر لے گیا۔

"کیا میری فوج بھی قلعے میں آسکتی ہے؟" ـــــ سالار زید نے پُوچھا۔

"ہاں" ـــــ تھیوڈومیر نے کہا ـــــ "کیا میں نے معاہدے میں یہ نہیں لکھوایا کہ ہم قلعہ آپ کے حوالے کر رہے ہیں؟"

مجاہدین کا لشکر زید بن کسادہ کے اشارے پر قلعے میں داخل ہو گیا۔ مجاہدین کو جس طرح سالار زید نے ہدایات دی تھیں، اُس کے مطابق ہر مجاہد چوکس اور تیار تھا۔ بر ہر طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ قلعے میں جہاں تک نظر جاتی تھی کوئی فوجی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مکانوں کی چھتوں پر عورتیں اور بچے کھڑے تھے۔ باہر بھی عورتیں، بچے اور بوڑھے آدمی خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ اس سے سالار زید کا شک اور پختہ ہو گیا کہ یہ کوئی پھندہ ہے۔

"آپ کی فوج کہاں ہے؟" ـــــ سالار زید نے پوچھا ـــــ "اور قلعہ دار کہاں ہے؟"

"یہاں کوئی فوج نہیں" ـــــ یھیوڈومیر نے جواب دیا ـــــ "یہاں آپ کو فوج کا ایک سپاہی بھی نہیں ملے گا.... یہاں صرف میں ہوں۔ کوئی قلعہ دار نہیں۔ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ مجھ سے بڑے جرنیل نے مجھے صلح کے لیے بھیجا ہے۔ میرا حفاظتی دستہ بھی نہیں۔ یہ جو ایک آدمی یہاں نظر آتا ہے، یہ میرا ذاتی ملازم ہے۔ یہ واحد شخص ہے جس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔"

"میں آپ کی اس بات پر کس طرح یقین کر لوں؟" ـــــ زید بن کسادہ نے کہا۔

"فوج کوئی اتنی چھوٹی سی چیز نہیں جسے چھپایا جا سکے" ـــــ یھیوڈومیر نے کہا ـــــ "میں نے یہ سارا شہر آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ کے پاس فوج ہے۔ سارے شہر کی تلاشی لے لیں۔ میرے سوا آپ کو یہاں کوئی فوجی نظر نہیں آئے گا۔ میری فوج آپ کی فوج کے ہاتھوں کٹ چکی ہے اور کوئی زندہ بچا ہے تو وہ بھاگ گیا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں" ـــــ زید بن کسادہ نے کہا ـــــ "میں اُس فوج کو دیکھنا چاہتا ہوں جسے میں نے شہر کی دیواروں پر کندھے سے کندھا ملائے کھڑے دیکھا تھا۔"

یھیوڈومیر ہنس پڑا اور اُس نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی طرف اپنا ہاتھ گھما کر اشارہ کیا۔

"یہ ہے وہ فوج جسے آپ نے شہر پناہ پر کھڑے دیکھا تھا" ـــــ یھیوڈومیر نے کہا ـــــ "اگر آپ چاہیں تو میں اس فوج کو ایک بار پھر شہر پناہ پر کھڑا کر سکتا ہوں۔ میں نے آپ کو دھوکا دے کر صلح نامے پر دستخط کروائے ہیں۔ میرے پاس کوئی فوج نہ رہی تو میں نے بھاگنے کی بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عورتوں، کمسن لڑکوں اور بوڑھوں کو فوجی کپڑے پہنا کر اور ان کے سروں پر خود رکھ کر انہیں دیوار پر کھڑا کر دیا۔ آپ سمجھے کہ قلعے میں بہت زیادہ فوج موجود ہے۔"

"یہ دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی؟" ـــــ زید بن کسادہ نے پوچھا ـــــ "کیا آپ ان عورتوں اور بچوں کو ہمارے ہاتھوں مروانا چاہتے تھے؟.... اگر میں قلعہ سر کرنے کا ارادہ کر لیتا تو یہ معصوم جانیں ہمارے تیروں سے چھلنی ہو جاتیں تو میں باقی عمر اللہ سے اس گناہ کی بخشش مانگتے گزار دیتا۔ آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ میں شہر پناہ پر اتنی زیادہ فوج کو کھڑے دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اس ڈر سے صلح نامے پر آپ کی شرائط پر اپنی مہر لگا دی۔"

"میں یہ جانتا تھا" ـــــ یھیوڈومیر نے کہا ـــــ "میں آپ کو ڈرا نہیں رہا تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ آپ قلعہ لے لیں اور مزید خونریزی نہ ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے یہ ان فوجی معاہدوں جیسا نہیں ہوگا جو فوجوں کے درمیان ہوتے ہی رہتے ہیں۔ میں سچے دل سے

آپ کی اطاعت قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنی کوئی فوج نہیں بناؤں گا بلکہ میں آپ کا ماتحت رہوں گا۔"

مؤرخوں نے یہ واقعہ بیان کر کے لکھا ہے کہ زید بن کسادہ تھیوڈومیر کی دانشمندی سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے اپنے سپہ سالار طارق بن زیاد سے پوچھے بغیر تھیوڈومیر کو اس صوبے کا گورنر مقرر کر دیا لیکن اُسے ایک عرب حاکم کے ماتحت رکھا۔ غرناطہ کی آبادی میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ چونکہ یہودی اُندلس کے بادشاہ راڈرک سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے وفادار ہو گئے۔ غرناطہ میں شہری انتظامات اور امور کو چلانے کے لیے سالار زید نے مسلمانوں کے ساتھ یہودی اور عیسائی بھی مقرر کیے۔

مسلمانوں کی یہ کمزوری تھی کہ اُن کے پاس ایسے آدمیوں کی کمی تھی جو امورِ سلطنت چلانے کے اہل ہوتے۔ اس کمی کو عیسائیوں اور یہودیوں سے پورا کیا گیا۔ آگے چل کر یہ یہودی اور عیسائی بغاوتوں کا باعث بنے اور انہوں نے سلطنتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

★

اس دوران جب مغیث الرومی اور زید بن کسادہ اپنے اپنے ہدف کی طرف جا رہے تھے، طارق بن زیاد طلیطلہ کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا۔ جولیَن اور اوپاس اُس کے ساتھ تھے۔ انہیں طارق کے ساتھ ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ طلیطلہ اُندلس کا دارالحکومت تھا۔ یہ بادشاہوں کی گدی تھی۔ اس کا دفاع بہت مضبوط تھا۔

جولیَن اور اوپاس نے طلیطلہ اور اس کے دفاع کے متعلق طارق کو جو تفصیلات سنائی تھیں، ان سے اس شہر کی تصویر یہ بنتی تھی کہ یہ شہر دریائے ٹیگس کے کنارے پر ہی آباد نہیں تھا۔ بلکہ یہ دریا اس شہر کے اِرد گرد گھوم کر آگے جاتا تھا۔ دریا کے ساتھ ہی ایک وسیع اور گہری جھیل تھی جس میں دریا کا پانی گرتا تھا۔ ایک لمبی چوڑی چٹان میں سے سرنگ نکالی گئی تھی اس سرنگ سے دریا کا پانی جھیل میں جاتا تھا۔

یہی وہ جھیل تھی جس پر اوپاس اور مرینا کی ملاقات ہوئی تھی۔ اوپاس مجذوب اور مجنوں فقیر کے بہروپ میں تھا۔

طلیطلہ کو ایک تو دریائے ٹیگس دفاع مہیا کرتا تھا، دوسرے یہ کہ قلعہ بند شہر خاصی بلندی پر آباد کیا گیا تھا۔ قلعے اور شہر کی دیواریں بہت وزنی اور زیادہ حجم والے پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ بعض پتھر اتنے بڑے تھے جیسے پوری چٹان اُٹھا کر وہاں رکھ دی گئی ہو۔

شہر کے ارد گرد دیوار کے ساتھ ساتھ بہت چوڑی اور خاصی گہری خندق تھی۔ اس میں لکڑی کے نوکیلے کیل گڑھے ہوئے تھے جو خندق میں اُترنے والے کو بُری طرح زخمی کرتے اور اسے باہر نکلنے کے قابل نہیں رہنے دیتے تھے۔

جو بادشاہ تخت نشین ہوا اُس نے طلیطلہ کی مضبوطی میں اضافہ کیا۔ جب گوتھ آئے تو انہوں نے اس شہر کو اتنا زیادہ مضبوط بنا دیا کہ اسے ناقابلِ تسخیر شہر کہا جانے لگا۔

طارق بن زیاد نے میدانوں اور پہاڑی علاقوں میں آمنے سامنے لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُس

نے بارہ ہزار مجاہدین سے اُندلس کی ایک لاکھ فوج کو شکست دی تھی لیکن قلعہ سر کرنا بالکل ہی مختلف مہم تھی۔ اس کے طور طریقے کچھ اور تھے، پھر طلیطلہ جیسے ناقابلِ تسخیر قلعے کو سر کرنا تو ناممکن کی حد تک محال تھا۔

طارق اللہ کے بھروسے جا رہا تھا۔

*

طلیطلہ میں اُندلس کے بادشاہ راڈرک کا ماتم ہو رہا تھا۔ محل کا ماحول ہی اُداس نہیں بلکہ سارے شہر پر اُداسی طاری تھی۔ اس اُداسی میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔ راڈرک کی ایک لاکھ فوج کے کچھ بچے کھچے فوجی طلیطلہ پہنچے تھے۔ ان میں وہ غیر فوجی رضا کار بھی تھے جو راڈرک کے اعلان پر فوج کے ساتھ دریائے گادلیت کی جنگ لڑنے کے لیے چلے گئے تھے۔ ان کے علاوہ دوسری جگہوں سے بھاگے ہوئے لوگ بھی طلیطلہ چلے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں جاکر مسلمانوں کے متعلق ایسی باتیں لوگوں کو سنائی تھیں جیسے مسلمان شیروں، چیتوں اور بھیڑیوں کی طرح اپنے مقابلے میں آنے والی فوج کو چیر پھاڑ دیتے ہوں۔

طلیطلہ جنگِ گادلیت سے پہلے بھی افواہوں کا شہر بن چکا تھا۔ یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جب راڈرک نے اعلان کیا تھا کہ شہری فوج میں شامل ہو جائیں۔ راڈرک طارق بن زیاد کو اُندلس سے نکالنے کے لیے پمپلونہ سے گادلیت کی طرف جا رہا تھا۔ اوپاس بہروپ میں طلیطلہ گیا اور میر بیتا سے مل کر وہ شہر کے لوگوں پر مسلمانوں کی دہشت طاری کرنے کا انتظام کر آیا تھا۔ طلیطلہ کے گوتھوں نے شہریوں میں ایسی افواہیں پھیلا دی تھیں جنہوں نے شہریوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد طلیطلہ والوں کو خبر ملی کہ ان کا اتنا بہادر اور جابر بادشاہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے اور اس کا ایک لاکھ نفری کا لشکر صرف بارہ ہزار مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گیا ہے تو طلیطلہ کے لوگوں میں خوف دہراس پھیل گیا۔

پھر ہارے ہوئے فوجی اور رضا کار طلیطلہ پہنچے تو اُنہوں نے مسلمانوں کی ایسی دہشتناک باتیں سنائیں جنہوں نے گوتھوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں کی تصدیق کر دی:

"وہ مسلمان یا جو کوئی بھی ہیں، وہ انسان نہیں کوئی اور ہی مخلوق ہیں۔"

"ہاں، ہاں، ایک انسان دو کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن وہ تو بیس بیس کو تلوار کے ایک ہی وار سے کاٹ دیتے ہیں۔"

"درندے ہیں.... اژدہا ہیں.... پھنکارتے اور کاٹتے چلے جاتے ہیں۔"

"لوگ ٹھیک کہتے تھے کہ وہ سمندر اور دریا میں تیرتے نہیں، پانی پر چلتے ہیں، ڈوبتے نہیں۔"

"شہنشاہ راڈرک کی تو لاش بھی نہیں ملی۔"

"اُس کا گھوڑا اور بلیا حملہ آور لے گئے ہیں۔"

"کہتے ہیں انہوں نے ہمارے بادشاہ کو پکا کر کھا لیا ہے۔"

"یہ اُن کا دستور ہوگا کہ جس بادشاہ کو شکست دو اُس کا گوشت کھا جاؤ۔"

"وہ ادھر آرہے ہیں.... بہت لُوٹ مار کریں گے"

"لڑکیوں کو تو وہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں"

اور یہ افواہیں ڈراؤنے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے اضافوں کے ساتھ طلیطلہ کے لوگوں میں پھیلتی اور انہیں خوفزدہ کرتی گئیں۔ گھر گھر میں کمسن اور جوان لڑکیاں تھیں۔ لوگوں کے گھروں میں مال و دولت بھی تھی۔ سب سے زیادہ قیمتی چیز جو ہر ایک کے پاس تھی وہ اس کی جان تھی۔ کوئی امیر تھا یا غریب وہ اپنی جان نہیں دینا چاہتا تھا۔ افواہوں میں یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ مسلمان، لڑکوں اور جوان آدمیوں کو غلام بنا کر لے جاتے ہیں اور ان پر بہت ظلم کرتے ہیں۔

یہ تو اس زمانے کا دستور تھا کہ فاتح فوج مفتوحہ آبادیوں میں لُوٹ مار اور آبروریزی کرتی تھی۔ لوگ بھاگ جاتے تھے۔ طلیطلہ والوں کے لیے یہ افواہیں کوئی عجوبہ نہیں تھیں۔ ایسی باتوں کو لوگ مصدقہ سمجھا کرتے تھے۔ طلیطلہ سے بھی لوگ نکلنے لگے اور چند دنوں میں شہر میں اُلّو بولنے لگے۔ صرف فوجی رہ گئے لیکن جذبے کے لحاظ سے وہ نیم مُردہ تھے۔

فوجیوں کے علاوہ جو لوگ شہر میں رہ گئے وہ گوتھ قوم کے لوگ تھے اور یہودی۔ یہ دونوں قومیں مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ افواہوں کو زیادہ دہشت ناک بنانے والے یہی لوگ تھے۔

★

طلیطلہ میں گرجے کئی ایک تھے جن میں ایک سب سے بڑا تھا۔ گرجوں میں راہبائیں تھیں اور خزانہ بیشمار تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ گرجوں کے پادری جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہلاتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تارک الدنیا ہیں، در اصل دنیا کی حرص و ہوا اور عیش و عشرت کے پجاری تھے۔ بادشاہوں سے وہ زمینیں لے کر جاگیردار بنے ہوئے تھے۔ ان جاگیروں کی آمدنی کے علاوہ انہوں نے گرجوں کے نام پر لوگوں سے رقمیں بٹور بٹور کر خزانے جمع کیے ہوئے تھے۔

تمام پادری بڑے پادری کے پاس گئے اور یہ مسئلہ پیش کیا کہ اتنے زیادہ سونے، جواہرات اور رقموں کی تھیلیوں کو کہاں چھپایا جائے۔

"کہیں چھپانا ہی پڑے گا" — بڑے پادری نے کہا — "اتنا زیادہ مال ساتھ تو نہیں لے جایا جا سکتا۔ ساتھ لے گئے تو اپنے ہی لوگ لُوٹ لیں گے.... تمام زر و جواہرات بکسوں میں بند کر کے یہاں لے آؤ۔ رقموں کی تھیلیاں بھی لے آؤ۔ تہ خانے میں ایک اور تہ خانہ کھودو اور تمام مال اس میں رکھ کر اوپر مٹی ڈال دو۔"

رات کو خزانے کے بکس سب سے بڑے گرجے کے تہ خانے میں پہنچنے لگے۔ فرش کھودا گیا، بکس وہاں رکھ کر مٹی ڈال دی گئی۔ صرف ایک گڑھا جو کم و بیش چھ فٹ لمبا، اڑھائی تین فٹ گہرا اور اتنا ہی چوڑا تھا، خالی رہنے دیا گیا۔ گڑھے کھودنے والے تین آدمی تھے۔ وہ اپنا کام کر چکے تو بڑے پادری کے اشارے پر تین اور آدمی تہ خانے میں آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔

"بچی ہوئی مٹی باہر پھینک دو" ——— بڑے پادری نے گڑھے کھودنے والے آدمیوں سے کہا۔
وہ آدمی بیلچے لے کر مٹی ٹوکریوں میں ڈالنے کے لیے جھکے تو اُن تین آدمیوں نے بڑی تیزی سے اپنی نیاموں سے تلواریں نکالیں اور جھکے ہوئے آدمیوں کی گردنوں پر اوپر سے وار کر کے تینوں کے سر اُڑا دیئے۔ انہوں نے تینوں کی لاشیں اور سر اُس گڑھے میں پھینک دیئے جو خالی رکھا گیا۔ وہ انہی کی قبر بنانے کے لیے خالی رکھا گیا تھا۔
"مٹی ڈال دو" ——— بڑے پادری نے کہا ——— "اب اس خزانے کا کسی اور کو راز اور سراغ نہیں ملے گا۔"
انہیں قتل کرنے والے پادری تھے۔
تہ خانے کا دروازہ دیواروں والے دروازوں جیسا نہیں بلکہ یہ فرش کے ساتھ ملا ہوا دروازہ تھا جیسے بکس کا ڈھکنا ہوتا ہے۔ یہ بند ہو کر فرش کے ساتھ مل جاتا اور اس پر کچھ سامان رکھ دیا جاتا تھا۔ بڑے پادری نے خزانے کے بکس اور تین لاشیں دفن کر کے تہ خانے کا ڈھکنا نما دروازہ بند کر دیا اور تین پادریوں کے ساتھ مل کر اوپر گرجے کا قالین بچھا دیا۔ قالین پر دروازے کے عین اوپر ایک چھوٹی میز رکھی اور میز پر ایک بڑی صلیب کھڑی کر دی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب حالت میں بنائے گئے تھے۔ یہ سب لکڑی کا کام تھا۔
"اب ہمیں اس شہر سے نکل جانا چاہیئے" ——— بڑے پادری نے کہا ——— "نئے فاتح کو آنے دو۔ حالات معمول پر آجائیں گے تو ہم بھی آجائیں گے۔ مال محفوظ رہے گا.... اور سنو.... کوئی ایک بھی نوجوان راہبہ پیچھے نہ رہے ورنہ مسلمان اُسے اپنی لونڈی بنا لیں گے۔"

☆

سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا۔ طارق بن زیاد طلیطلہ سے کم و بیش تیس میل دُور رہ گیا تھا۔ اُس کی فوج پڑاؤ میں تھی۔ اُسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ اُس کے ساتھی مغیث الرومی اور زید بن کسادہ کس حال میں ہیں۔
طلیطلہ سے بارہ چودہ میل دُور شمال کی طرف ایک اور پڑاؤ تھا لیکن وہ فوج نہیں ایک قافلہ تھا جس میں اڑھائی سو کے قریب آدمی اور اس سے کچھ زیادہ عورتیں اور بچے تھے۔ بڑا پادری چھ سات پادریوں کے ساتھ اس قافلے میں شامل تھا۔ قافلہ آسمان تلے گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اُن کے گھوڑے، خچریں اور گدھے الگ بندھے ہوئے تھے۔
نصف شب کے لگ بھگ کا عمل ہو گا۔ پڑاؤ سے ذرا ہی پرے ایک درخت کے چوڑے تنے کی اوٹ میں ایک نوجوان لڑکی جس کا نام اینا میری ہلدا تھا، کھڑی سوئے ہوئے قافلے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ راہبہ تھی۔ اُسے تیرہ چودہ سال کی عمر میں کلیسا میں لے گئے تھے اور اب اُس کی عمر بائیس تئیس سال تھی۔ ظاہری طور پر تو اُسے تارک الدنیا نن بنایا گیا تھا لیکن پادری نے اُسے اپنی داشتہ بنا رکھا تھا، اور یہ کوئی راز نہیں تھا۔ یہ تو پادری اپنا حق سمجھتے تھے جو

انہیں کلیسا نے دے رکھا تھا۔
سوئے ہوئے قافلے کی طرف سے ایک سیاہ سایہ اُس کی طرف چلا اور آہستہ آہستہ رینگتا سرکتا اُس تک پہنچا۔
"اتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں" ــــ اینا میری نے کہا ــــ "تم اس طرح کیوں آ گئے ہو جمی! گھوڑے کہاں ہیں؟ فوراً گھوڑے لاؤ۔ ہمیں یہاں سے واپس جانا ہے۔"
"پوری بات تو بتاؤ" ــــ جمی نے کہا ــــ "دن کو تم نے اتنا ہی بتایا تھا کہ رات کو دو گھوڑے لے کر آ جانا۔ تم نے اس درخت کی طرف اشارہ کیا تھا۔"
جمی جس کا پورا نام جم سیبرین تھا، اس گرجے میں ملازم تھا جس میں اینا میری راہبہ تھی۔ اُس کی عمر پچیس چھبیس سال تھی۔ اینا میری اُسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ جم سیبرین تقریباً چھ مہینے گزرے اس گرجے میں ملازم ہوا تھا۔ اس کی رہائش کا انتظام گرجے میں ہی تھا۔ اینا میری اُسے دیکھتے ہی اُس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ اس گرجے میں تین چار اور راہبائیں بھی تھیں لیکن اینا میری کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ ان سب سے زیادہ پُرکشش تھی۔ ادھیڑ عمر پادری نے اُسے اپنی منظورِ نظر داشتہ بنا رکھا تھا۔
جم سیبرین کے ساتھ اینا میری کی پہلی ملاقات ہوئی تو اُس نے محسوس کیا کہ جس طرح اُس کے دل میں جم کی محبت پیدا ہو گئی ہے اسی طرح جم بھی اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہے۔ اینا میری نے اس پہلی ملاقات میں ہی جم کو اپنے دل کے زخم دکھا دیئے۔ اُسے بتایا کہ اُسے کس طرح تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی زبردستی گھر سے گرجے میں لے آئے تھے اور اُسے یہ ذہن نشین کرایا جانے لگا تھا کہ اُسے خدا نے اپنی عبادت کے لیے منتخب کیا ہے اور اب دنیا سے اس کا تعلق ٹوٹ گیا ہے۔
"لیکن پادری نے میرے ساتھ جو تعلق پیدا کر لیا اُس نے مجھے مذہب سے متنفر کر دیا" ــــ اینا میری نے پہلی ملاقات میں ہی جم سیبرین کو بتایا تھا ــــ "یسوع مسیح کو تو ایک بار صلیب پر لٹکایا گیا تھا، میں ہر روز، ہر رات مصلوب ہوتی ہوں۔ یسوع مسیح کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل ٹھونکے گئے تھے۔ میرے دل اور میری روح میں کیل ٹھونکے جاتے ہیں.... ہر روز ہر رات.... میں پل پل مرتی ہوں۔ مر مر کر جیتی ہوں۔ میں تو اپنی پسند کے ایک خاوند کے خواب دیکھا کرتی تھی....

مجھے خدا کی محبت نہیں چاہیئے۔ میں ایک انسان کی محبت کو ترس گئی ہوں، لیکن کون ہے جو مجھے چاہے گا؟ مجھے خود اپنے جسم سے بدبو آتی ہے۔ تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے جمی!"
"مجھے تمہارے جسم کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں اینی!" ــــ جم نے کہا تھا ــــ "میری دلچسپی تمہارے دل اور تمہاری روح کے ساتھ ہے۔"
جم نے اُسے پہلی ملاقات میں اُسے اُس محبت کا یقین دلا دیا تھا جس کا تعلق جسم سے نہیں دل سے ہوتا ہے۔ اینا میری کو وہ محبت مل گئی جس کے لیے وہ ترس گئی تھی۔ دونوں نے

وہاں سے بھاگ جانے کا عہد کر لیا تھا لیکن کسی راہبہ کا گرجے سے نکلنا ممکن ہی نہیں تھا۔ یہ لڑکیاں گرجوں اور مذہبی اداروں کی قیدی ہوا کرتی تھیں۔ ان کا لباس ایسا الگ تھلگ ہوتا تھا کہ کوئی راہبہ باہر نکل کر اپنے آپ کو چھپا ہی نہیں سکتی تھی۔ ان پر پہرے بھی لگے رہتے تھے۔

جم دُور کا رہنے والا تھا۔ وہ نوکری کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ اس شہر میں اُس کی کسی کے ساتھ جان پہچان بھی نہیں تھی کہ اُینا میری کو بھگا کر کہیں چھپا لیتا تھا پھر موقع دیکھ کر شہر سے نکل جاتا، پھر بھی اُس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اس لڑکی کو وہ اس جہنّم سے نکال لے جائے گا۔

چھ مہینوں تک اُن کی محبت ایسے مقام پر پہنچ گئی جہاں سے واپسی ناممکن ہو گئی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر اپنی جانیں بھی قربان کر دینے کو معمولی سی قربانی سمجھنے لگے تھے۔

پھر طلیطلہ میں مسلمانوں کے خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔

کچھ دنوں بعد لوگ شہر سے نکلنے لگے۔

"اُینی!— ایک روز جم نے اُینا میری سے کہا —"اب وقت آگیا ہے۔ شہر کے دروازے کھُلے رہتے ہیں۔ لوگ قافلہ در قافلہ اور کنبہ کنبہ بھی جا رہے ہیں۔ ہم بھیس بدل کر بھاگ سکتے ہیں۔"

"اب یہ شخص مجھ پر اور زیادہ کڑی نظر رکھتا ہے"— اُینا میری نے کہا —"میں ذرا ادھر اُدھر ہو جاتی ہوں تو اس کی حالت پاگلوں جیسی ہو جاتی ہے۔"

"کسی اور راہبہ کو اس کے کمرے میں بھیج دیا کرو"— جم نے کہا۔

"وہ کسی دوسری لڑکی کی طرف دیکھتا ہی نہیں"— اُینا میری نے کہا —"میرے بغیر اُس کی حالت ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی تمہاری یا تمہارے بغیر میری ہو جاتی ہے۔ کبھی تو وہ بالکل بچّہ بن جاتا ہے اور میرے ساتھ ایسی حرکتیں کرتا ہے جیسے میں اُس کی ماں ہوں۔"

"اگر تم اجازت دو تو میں اسے قتل کر سکتا ہوں"— جم نے کہا —"اور ہم دونوں آسانی سے شہر سے نکل جائیں گے۔"

"نہیں جم!— اُینا میری نے کہا —"تم پکڑے جاؤ گے۔ مجھے اپنا غم نہیں۔ میں تو مر ہی جانا چاہتی ہوں۔"

کچھ دن اور گزر گئے۔ جم پادری کے قتل کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ اُندلس کے اس دارالحکومت میں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ نہ باقاعدہ طور پر کوئی حکومت کام کر رہی تھی۔ شہر کے دروازے علی الصبح کھُل جاتے اور رات گئے تک کھلے ہی رہتے تھے۔

طارق بن زیاد کو شہر کی اس کیفیت کا علم نہیں تھا۔ جولین اور اوپاس اُسے بتا رہے تھے کہ طلیطلہ میں داخل ہونا ناممکن کی حد تک مشکل ہوگا اور راڈرک کے جانشین اس شہر کو بچانے کے لیے جانوں کی بازی لگا دیں گے اور محاصرہ بہت لمبا ہو جائے گا۔

☆

وہ رات آئی جب اُینا میری ہلدا شہر سے بارہ چودہ میل دُور ایک درخت کی اوٹ

میں جم کے انتظار میں کھڑی تھی اور جم اس کے پاس پہنچا تو اُس نے پوچھا کہ گھوڑے کہاں ہیں۔

"دن کو میں تمہیں پوری بات نہیں بتا سکی تھی" — اینا میری نے جم سے کہا — "ہمارے پادری بڑے گرجے میں خزانہ چھپا کر آئے ہیں۔ میرے پادری کو مجھ سے اتنا پیار ہے کہ اُس نے مجھے بتا دیا ہے کہ خزانہ تہہ خانے میں دفن کیا گیا ہے اور تہہ خانے کے دروازے پر قالین رکھ کر اُس پر یسوع مسیح کا مصلوب بت رکھ دیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شہر کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم واپس آ کر اپنا خزانہ نکال لیں۔ اگر ہم خزانہ ساتھ لے آتے تو راستے میں لُٹ جانے کا خطرہ تھا اور ہم وہیں رہتے اور خزانہ اپنے پاس رکھتے تو حملہ آور قوم ہم سے چھین لیتی۔"

"تو اس خزانے کے ساتھ ہمارا کیا تعلق ہے؟" — جم نے پوچھا۔

"ہم نے یہ خزانہ نکالنا ہے" — اینا میری نے کہا۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے نہیں رہا" — جم نے کہا — "ہم خزانہ اُٹھا کر کہاں جائیں گے؟ کہاں اٹھائے پھریں گے خزانہ؟"

"سارا نہیں جم!" — اینا میری نے کہا — "تم میرے ساتھ واپس چلو۔ ہم اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے رقم اور کچھ چیزیں اُٹھا لیں گے اور شہر میں ہی رہیں گے.... گرجے میں نہیں، میرے گھر میں۔ میرے گھر والے پہلے ہی جا چکے ہیں۔ ہمارا مکان خالی پڑا ہے۔"

"مسلمان آ گئے تو کیا کرو گی؟"

"ہم دونوں مسلمان ہو جائیں گے" — اینا میری نے کہا — "میں نے سُنا ہے کہ اُن کا مذہب قبول کر لو تو وہ عزّت سے پیش آتے ہیں۔"

جم کوئی فرشتہ تو نہ تھا کہ خزانے کو ٹھکرا دیتا۔ خزانے کے علاوہ اینا میری کی محبت تھی جس نے اُسے پابجولاں کر رکھا تھا۔ اس لڑکی نے اُسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ واپس طلیطلہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

قافلہ گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ جم کا اپنا گھوڑا تھا جو اُس نے دبے پاؤں جا کر کھولا۔ اپنی زین بھی چپکے سے اُٹھا لایا اور گھوڑے پر کَس کر اینا میری کے پاس گیا۔ اینا میری نے اُسے گھوڑے سے اترنے نہ دیا۔ اُس نے بازو اوپر کیے۔ جم نے جھک کر اُسے اُوپر اُٹھایا اور اپنے آگے بٹھا لیا۔

قافلے والوں کو خبر نہ ہُوئی کہ ایک گھوڑا دو سواروں کے ساتھ چلا گیا ہے۔

☆

پَو پھوٹ رہی تھی جب قافلہ آگے جانے کو تیار ہو گیا۔ اینا میری اور جم کو غائب پا کر ان کے پادری نے واویلا بپا کر دیا۔ اُس کے ساتھی پادریوں نے اس کا مذاق اُڑاتے ہُوئے

تھا کہ یہ لڑکی اُس کی بیوی نہیں تھی، بیٹی یا بہن نہیں تھی۔ وہ اپنی پسند کے کسی آدمی کے ساتھ چلی گئی ہے تو جانے دو۔ اچھا ہُوا کہ چلی گئی ہے۔ اس قسم کے غیر یقینی سفر میں اتنی خوبصورت لڑکی کو ساتھ رکھنا ٹھیک نہیں۔ ہمارے ساتھ اور بھی لڑکیاں ہیں۔ یہ بھی بھاگ جائیں تو اچھا ہے۔

پادری چُپ ہو گیا۔ اُن کا قافلہ چل پڑا۔ تاریخ کے مطابق ان تمام پادریوں نے روم جانا تھا جو کلیسا کا مرکز تھا اور پوپ کا ہیڈ کوارٹر۔

اس وقت جب قافلہ چلا تھا جم اور اینا میری طلیطلہ شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے بارہ چودہ میل کا فاصلہ رات کو ہی طے کر لیا تھا اور دروازے کھُلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جوں ہی دروازے کھُلے وہ شہر میں چلے گئے اور اینا میری جم کو اپنے گھر لے گئی۔ گھر کا سامان پلنگ، بستر، برتن وغیرہ ایسے پڑے تھے جیسے گھر والے باہر نکل گئے ہوں اور ابھی واپس آ جائیں گے۔

دونوں نے دن اس گھر میں گزارا۔ لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی شہر سے جا رہے تھے۔ مکان خالی ہو رہے تھے۔ کوئی کسی خالی مکان میں چلا جاتا تو کوئی دیکھنے والا اور کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ جم اور اینا میری کو ایسا خطرہ نہیں تھا کہ کوئی انہیں پکڑ لے گا کہ وہ اس گھر میں کیا کر رہے ہیں۔

آدھی رات سے کچھ پہلے کا عمل تھا جب وہ دونوں گھر سے نکلے اور بڑے گرجے کی طرف چل پڑے۔ جم نے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور دونوں پیدل جا رہے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ گرجے کے احاطے کا گیٹ بند اور مقفّل ہو گا لیکن انہیں گیٹ کھلا ہُوا ملا۔ گرجے کی عمارت تاریک تھی۔ جم اور اینا میری اس سے زیادہ تاریکی میں بھی اس گرجے کے کونے کونے اور گوشے گوشے تک پہنچ سکتے تھے۔ اس گرجے کی وہ ایک ایک اینٹ اور ایک ایک پتھر سے واقف تھے۔

اُن کے پاس ایک مشعل تھی جو انہوں نے تہہ خانے میں اُتر کر جلانی تھی۔ دونوں عبادت گاہ میں داخل ہو گئے جس کے ایک کونے میں تہہ خانے کا دروازہ تھا۔ جم کے ہاتھ میں کدال تھی۔ جو اُس نے اینا میری کے گھر سے اٹھائی تھی۔ اُس کے پاس تلوار بھی تھی اور خنجر بھی اور اینا میری کے پاس بھی خنجر تھا۔

جم نے مشعل جلائی۔ وہ اس قالین پر کھڑے تھے جس کے نیچے تہہ خانے کا دروازہ تھا۔ اینا میری نے بڑی تیزی سے وہ تمام چیزیں جو قالین پر رکھی ہوئی تھیں، گھسیٹ کر پرے پھینک دیں پھر دونوں نے قالین ہٹایا۔ اینا میری کو معلوم تھا کہ یہ دروازہ ہے۔ اس تہہ خانے میں وہ کئی بار گئی تھی۔ اُس نے دروازہ اُٹھایا اور دونوں نیچے اُتر گئے۔

تہہ خانے میں مٹی بکھری ہوئی تھی اور دو لمبوتری ڈھیریاں تھیں۔

"ان کے نیچے خزانہ دفن ہے"— اینا میری نے کہا— "دیکھو جم! ہم کتنی آسانی سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"لیکن ہم اتنا زیادہ مال تو نہیں اُٹھا سکیں گے"— جم نے کہا۔

"جتنا اٹھا سکے اتنا لے جائیں گے"— اینا میری نے کہا۔

"میں یہاں کچھ بھی نہیں چھوڑوں گا"— جم نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اُسے اپنے آپ پر قابو نہ رہا ہو— "جتنا اُٹھا سکے وہ تمھارے گھر چھوڑ آئیں گے پھر اور لینے آجائیں گے اور سارا مال تمھارے گھر میں دفن کر دیں گے۔ مسلمان آگئے تو ہم اس خزانے کی خاطر مسلمان ہو جائیں گے پھر وہ ہمارے گھر میں لوٹ مار نہیں کریں گے۔ گھر میں ہم عیسائی بنے رہیں گے اور اپنی عبادت کیا کریں گے۔"

"مجھے مذہب کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں"— اینا میری نے کہا— "کوئی عیسائی ہو یا مسلمان میرے لیے سب ایک جیسے ہیں۔ تم ایک ڈھیری کھود دو۔"

٭

کھدائی کی ضرورت نہیں تھی مٹی ہٹانی تھی جو جم نے بہت تیزی سے ہٹانی شروع کر دی۔ ڈھیری فوراً ہی ختم ہو گئی۔ کچھ اور مٹی ہٹائی تو جم یوں بدک کر پیچھے ہٹ گیا جیسے پھن دار سانپ نے اچانک نکل کر اس پر حملہ کر دیا ہو۔

"کیا ہے؟"— اینا میری نے پوچھا۔

"آگے آکر تم بھی دیکھ لو خزانہ!"— جم نے کہا۔

اینا میری کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ وہ گڑھے کے پاس آئی تو اس کی چیخ نکل گئی— گڑھے میں تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ لاشوں کو دیکھ کر خوف تو آنا ہی تھا لیکن ان لاشوں کے سر اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ تینوں سر لاشوں کے سینوں پر پڑے ہوتے تھے۔

اینا میری جم کے ساتھ لگ گئی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

"ان کا تو ابھی خون بھی خشک نہیں ہوا"— جم نے کہا— "ایسے لگتا ہے جیسے تھوڑی ہی دیر پہلے انہیں قتل کر کے یہاں دفن کیا گیا ہے۔"

"انہیں قتل کیوں کیا گیا ہے؟"— اینا میری نے پوچھا۔

"انہیں معلوم ہو گا کہ یہاں خزانہ دفن ہے"— جم نے کہا— "اور یہ خزانہ نکالنے کے لیے آتے ہوں گے۔ یہاں پادری اپنے آدمی چھوڑ گئے ہوں گے۔ انہوں نے انہیں دیکھ لیا ہو گا.... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادہ آدمی آئے ہوں اور حصہ داروں کی تعداد کم کرنے کے لیے اُنہوں نے اپنے ان تین ساتھیوں کو قتل کر دیا ہو۔"

"پھر تو خزانہ گیا!"— اینا میری نے کہا۔

"ہٹ جاؤ"— جم نے کہا— "میں دوسرے گڑھے سے مٹی نکالتا ہوں۔"

اینا میری الگ ہٹ گئی اور جم دوسری ڈھیری کی مٹی ہٹانے لگا۔ اس کی پیٹھ تہ خانے

کی سیڑھیوں کی طرف تھی۔ اچانک ایک آدمی سیڑھیوں سے دوڑتا ہوا اترا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ سیدھا جم پر گیا۔

"یہ خزانہ میرا ہے"۔۔۔۔ اس آدمی نے کہا اور پیشتر اس کے جم سیدھا ہوتا، تلوار برچھی کی طرح اس کی پیٹھ میں گہری اتر گئی تھی۔ حملہ آور تلوار کھینچ کر بولا ۔۔۔ "میں اسی لیے پیچھے رہ گیا تھا۔"

جم مٹی کی ڈھیری پر گر پڑا۔ حملہ آور نے اینا میری کی طرف دیکھا۔ اب اینا میری کی باری تھی۔ تلوار اب اس کے جسم میں اترنی تھی۔ اس نے خنجر فراک کے نیچے نیفے میں اڑس رکھا تھا۔ وہ خنجر چلانا جانتی ہی نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں مشعل تھی جس کا شعلہ بہت بڑا تھا۔ اس نے برچھی کی طرح مشعل حملہ آور کے منہ پر ماری۔ برچھی کی انی ہوتی ہے، مشعل کا شعلہ تھا جس نے حملہ آور کے چہرے کی جلد کے ساتھ اس کی آنکھیں جلا ڈالیں۔ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

اینا میری نے اسے اور زیادہ بیکار کرنے کے لیے ایک بار پھر مشعل کا شعلہ اس کے چہرے پر مارا۔ اس کے چہرے پر اس کے ہاتھ جو جلے تو چہرے سے ہٹ گئے۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر جھلس گیا۔ اس کے پیچھے جم گرا ہوا تڑپ رہا تھا۔ حملہ آور پیچھے ہٹا تو جم سے ٹھوکر کھا کر پیٹھ کے بل گرا۔ جم مر رہا تھا۔ اس کے قریب کدال پڑی تھی۔ اس نے کدال مضبوطی سے پکڑ کر لیٹے لیٹے حملہ آور کے سر پر ماری۔ اینا میری نے خنجر نکالا اور حملہ آور کے سینے میں اتار دیا۔ نکال کر ایک بار پھر خنجر سینے میں ہی مارا۔

"اینی!۔۔۔ جم نے مری مری آواز میں کہا۔۔۔ "بھاگ جاؤ۔ اپنے گھر میں جا کر چھپ جاؤ۔"

"نہیں جم!"۔۔۔ اینا میری نے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

وہ جم کے پاس جا بیٹھی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور اس کے ساتھ ہی جم نے آخری ہچکی لی اور اس کا سر ڈھلک گیا۔

حملہ آور بھی مر چکا تھا۔

مشعل فرش پر پڑی جل رہی تھی۔ تہ خانے کی دیواروں اور چھت پر سائے ناچ رہے تھے جیسے یہ ان پانچ آدمیوں کی بدروحیں ناچ رہی ہوں جو اس تہ خانے میں قتل ہو گئے تھے۔ خزانہ دوسرے گڑھے میں تھا۔ دو لاشیں اس گڑھے کی ڈھیری پر پڑی تھیں اور دونوں سے خون برس رہا تھا۔

اینا میری خوف سے کانپ رہی تھی۔ مشعل کا ناچتا ہوا شعلہ اسے اور ڈرا رہا تھا۔ اسے اچانک خیال آ گیا کہ کوئی اور بھی آ سکتا ہے۔ گرجے میں ہی کوئی اور ہو گا۔ اس نے مشعل وہیں پڑی رہنے دی اور تہ خانے سے اوپر آ گئی۔ تہ خانے کا دروازہ بند کیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ اندھیرا سیاہ کالا تھا۔ اگر یہ لڑکی اس گرجے سے واقف نہ ہوتی تو دیواروں سے، بنچوں سے اور دوسری ان چیزوں سے ٹکراتی جو وہاں پڑی ہوئی تھیں اور اسے باہر نکلنے کا راستہ

نہ ملتا۔ صرف خوف تھا جو اُسے چلنے نہیں دے رہا تھا۔ باہر نکلنے سے وہ ڈر رہی تھی۔
اُندلس کے دارالحکومت کی رات خاموشی سے گزر رہی تھی اور یہ خاموشی بڑی ہی ڈراؤنی تھی۔ شہر کے بیشتر گھر خالی ہو چکے تھے اور ایک دلکش نوجوان لڑکی کے لیے یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔ وہ گرجے میں چھپنے سے گھبرا رہی تھی۔ اُس نے دل مضبوط کیا اور باہر نکل گئی۔ دیواروں کی اوٹ میں چلتی اپنے گھر پہنچی اور اندر سے دروازے کی زنجیر چڑھا دی۔

٭

اس رات کے بطن سے سحر نے جنم لیا تو طارق بن زیاد نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ یہ آخری پڑاؤ تھا اور یہ سفر زیادہ لمبا تھا۔ طارق نے اپنے نائبین اور دیگر عہدیداروں کو زبانی ریہرسل کرا دی تھی کہ طلیطلہ کے محاصرے کو کس طرح کامیاب کرنا ہے۔
۷۱۲ء (۹۳ ہجری) کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ امیر افریقہ موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار پیادوں اور سواروں کا لشکر لے کر اُندلس کے جنوبی ساحل پر اُترا۔ وہ طارق بن زیاد کی مدد کے لیے نہیں گیا تھا یورپی مؤرخوں نے مسلمانوں کی ہر خامی کو اُچھالا ہی تھا، خود مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر اندلس کی فتح کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتا تھا۔ طارق بن زیاد بجا طور پر فاتح اُندلس کہلانے لگا تھا۔ اس کی فتوحات کی اطلاعیں امیر المومنین ولید بن عبدالملک تک پہنچ رہی تھیں اور امیر المومنین کی طرف سے طارق بن زیاد کے نام پیغام جانے لگے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو یہ صورتِ حال اچھی نہ لگی۔ بربر مسلمانوں کو عرب کے مسلمان پسماندہ اور گنوار سمجھتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے بھی گوارا نہ کیا کہ اُس کا آزاد کیا ہوا غلام فاتح اُندلس کہلائے۔
بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کی عمر اسی سال کے قریب تھی اس لیے وہ اپنے فرائض پہلی سی تن دہی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں اور مشیروں کے بل بوتے پر کاروبارِ سلطنت چلا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اُس کا دماغ اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور وہی اُس کے دماغ میں یہ بات پختہ کرتے رہتے تھے کہ ایک غلام کا فاتح کہلانا آقا اور امیر کی توہین ہے۔
کچھ ایسے شواہد ملتے ہیں جو موسیٰ بن نصیر کی ذہنیت کو واضح کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُس نے طارق بن زیاد کو اُندلس بھیجا تھا تو اُسے صرف سات ہزار فوج دی جس میں سوار بہت ہی کم تھے لیکن خود گیا تو اٹھارہ ہزار کا لشکر لے گیا جس میں دس ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیادے تھے۔ اگر وہ طارق بن زیاد کے حق میں مخلص ہوتا تو خود جانے کی بجائے یہ فوج طارق کو کمک کے طور پر بھیج دیتا۔
دوسری شہادت یہ ملاحظہ ہو کہ اُس نے اپنے دو بیٹوں ——— عبداللہ اور مروان ——— کو سالار بنا کر اپنے ساتھ رکھا اور اپنے بڑے بیٹے عبدالعزیز کو اپنا قائم مقام امیرِ افریقہ بنا گیا۔
تیسری شہادت یہ کہ وہ اہلِ قریش کے چند ایک سرکردہ افراد کو بھی جن میں علی ابن ابی لخمی اور

حیات ابنِ ہشامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ساتھ لے گیا۔ ان میں دو تین ضعیف العمر صحابہ کرام بھی جو لڑائی میں شامل ہونے کے قابل ہی نہیں تھے۔ ان کے علاوہ وہ چند ایک مرحوم صحابہ کرام کے بیٹوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ بربروں پر عربوں کی برتری پیدا کی جائے۔

موسیٰ بن نصیر کی نیت کا اظہار تو اسی سے ہو جاتا ہے کہ وہ اٹھارہ ہزار کا لشکر لے کر اُندلس گیا اور اُس نے طارق بن زیاد کو اطلاع تک نہ دی کہ وہ اُندلس پر اپنی زیرِ کمان فوج کشی کر رہا ہے۔ اُس نے طارق بن زیاد کو یہ حکمنامہ بھیجا تھا کہ وہ جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں سے آگے پیشقدمی روک دے۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حکم بھی نقصان دہ تھا۔ صرف طارق بن زیاد ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا کہ اُس کے سامنے صورتِ حال کیا ہے اور اُس کے مطابق اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ اُس نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تھا۔ کسی ایک نے بھی نہیں کہا تھا کہ اس صورت میں پیشقدمی روک دی جائے جب کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ چکے ہیں اور اُس کی فوجی طاقت بکھر کر تباہ ہو چکی ہے۔

مُوسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو سات ہزار کی فوج دے کر بھیج دیا تھا اور اس فوج میں صرف بربر تھے جو جنگجو تو ضرور تھے لیکن باقاعدہ جنگ لڑنے کے طور طریقوں سے واقف نہیں تھے۔ اُن کے پاس جاسوسی کا کوئی انتظام نہیں تھا جو فوج کا سب سے زیادہ اہم شعبہ ہوتا ہے۔ بربر صرف لڑنا جانتے تھے۔ اس کے مقابلے میں موسیٰ بن نصیر خود گیا تو اپنے ساتھ جاسوسی نظام کے تجربہ کار آدمی ساتھ لے گیا۔ اس سے اُس نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اُسے قبل از وقت پتہ چل جاتا تھا کہ آگے کیا ہے اور دشمن کی کیفیت کیا ہے۔

✧

طارق بن زیاد جو مقامات فتح کرتا ہُوا آگے بڑھا تھا، ان میں دو مشہور مقامات —— میدونہ سیدونہ اور قرمونہ —— تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو اُس کے جاسوسوں نے بتایا کہ ان دونوں شہروں میں طارق بن زیاد شہری انتظامیہ کو چلانے کے لیے عیسائی حکام مقرر کر گیا تھا۔ یہ بھی طارق کی ایک مجبوری تھی کہ اس کے پاس انتظامی امور کے لیے آدمی نہیں تھے اس لیے اُسے عیسائی اور یہودی حاکم مقرر کرنے پڑتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو اطلاع ملی کہ ان دونوں جگہوں پر عیسائیوں نے بغاوت جیسی صُورتِ حال پیدا کر رکھی ہے جو بہت جلدی بغاوت بن جائے گی۔

موسیٰ بن نصیر نے اچانک دونوں جگہوں پر یکے بعد دیگرے چڑھائی کر دی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کی فوج جاتی اور اس کے لیے شہر کے دروازے بند ہو جاتے، حکومت تو بہر حال مسلمانوں کی ہی تھی۔ اس طرح موسیٰ بن نصیر نے دونوں شہروں پر اپنا قبضہ مضبوط کر کے عربی حاکم مقرر کر دیئے۔ اُس کا کارنامہ بس اتنا ہی تھا کہ ان دونوں جگہوں پر اگر بغاوت کی چنگاری سُلگ ہی رہی تھی تو موسیٰ بن نصیر نے اُسے شعلہ یا دھماکہ بننے سے پہلے ہی سرد کر دیا لیکن اُس

نے دمشق کو اس قسم کی اطلاع بھیجی جیسے یہ مقامات اُس نے خود فتح کیے ہوں۔
موسیٰ بن نصیر کی جنگی اہلیت اور قیادت کا امتحان اُس وقت سامنے آیا جب اُس نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔ یہ اُندلس کا ایک اور مشہور اور بڑا شہر تھا جسے طارق بن زیاد نے اس لیے نظر انداز کر دیا تھا کہ وہ سب سے پہلے اُندلس کی شہ رگ یا اُندلس کا دل اپنی مٹھی میں لے لینا چاہتا تھا۔ یہ شہ رگ یا یہ دل طلیطلہ تھا جو اُندلس کے بادشاہوں کی گدی تھا۔ اس کے علاوہ طارق کے پیش نظر طلیطلہ کی یہ کیفیت بھی تھی کہ بادشاہوں کی یہ گدی خالی پڑی تھی اور اُندلس میں کسی کی حکومت نہیں تھی۔ طارق غرناطہ اور قرطبہ کو بھی طلیطلہ جیسے اہم مقامات سمجھتا تھا۔ پروفیسر ڈوزی نے لکھا ہے کہ یہ تین مقامات ہاتھ آجانے سے باقی مقامات کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی تھی۔ وہاں کی فوج نے از خود ہی ہتھیار ڈال دینے تھے۔ یہ طارق بن زیاد کی جنگی فہم و فراست کا کرشمہ تھا کہ اُس نے اعلیٰ تدابیر کو بروئے کار لا کر کم سے کم فوجی طاقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیا۔
موسیٰ بن نصیر نے اپنے جاسوس پہلے ہی اشبیلیہ بھیج دیئے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے میدونیہ اور قرمونہ کے سرکردہ لوگوں سے اشبیلیہ کے متعلق احوال و کوائف معلوم کر لیے تھے۔ اُس نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا اُسے توقع تھی کہ اتنی زیادہ فوج سے وہ قلعہ بند شہر کو بہت جلدی فتح کر لے گا لیکن وہاں کی فوج نے ایسا طریقہ کار اختیار کیا جو ظاہر کرتا تھا کہ اس شہر کو اتنی آسانی سے نہیں لیا جا سکے گا جتنی موسیٰ بن نصیر کو توقع تھی۔
اشبیلیہ والوں نے دفاع کا انداز یہ اختیار کیا کہ علی الصبح اچانک شہر کے دو دروازے کھلتے اور گھوڑ سوار بند توڑ کر آنے والے سیلاب کی طرح باہر نکلتے اور مسلمانوں پر ہلہ بول دیتے۔ وہ جم کر نہیں لڑتے تھے بلکہ تلواریں اور برچھیاں چلاتے آگے نکل جاتے اور واپس شہر میں چلے جاتے تھے۔ ان کا کوئی پتا نہیں چلتا تھا کہ کس وقت وہ کس طرف سے باہر نکلیں گے۔
موسیٰ بن نصیر نے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن محاصرہ طول پکڑتا گیا اور ایک مہینہ گزر گیا۔ موسیٰ بن نصیر تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ اُس نے کئی قلعے سر کیے تھے۔ وہ خود بھی سپاہیوں کی طرح لڑا تھا لیکن وہ عمر کے آخری حصے میں پہنچ گیا تھا جہاں اُس کا دماغ تو کام کرتا تھا لیکن جسم میں وہ دم خم نہیں رہا تھا جو اُسے قلعے کی دیواروں پر بھی چڑھا دیا کرتا تھا۔ عیسائی فوج اُس کی فوج کا نقصان کر رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے۔
آخر اُس کے دونوں بیٹوں — عبداللہ اور مروان — نے یہ دلیرانہ اقدام کیا کہ عیسائی گھوڑ سوار حملے کے لیے قلعے سے نکلے تو ان دونوں بھائیوں نے اپنے گھوڑ سواروں کو دوڑا کر قلعے کی دیوار کے ساتھ کر دیا اور اس طرح عیسائی گھوڑ سواروں کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ مسلمان سواروں کے لیے خطرہ یہ تھا کہ دیوار کے اُوپر سے تیر انداز ان پر تیر برساتے تھے۔ اس نقصان کو برداشت کیا گیا اور عیسائی گھوڑ سواروں کو گھیر کر ختم کر دیا گیا۔

یہ طریقہ بہت زیادہ خون اور جانوں کی قربانی مانگتا تھا لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ایسے تین چار معرکے لڑے گئے تو شہر کی فوج کی نفری بہت ہی کم ہو گئی۔ موسیٰ بن نصیر نے سوچ لیا کہ اپنا اور دشمن کا جس قدر خون بہایا جا سکتا ہے، بہایا جائے اور یہ شہر فتح کیا جائے۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔

♣

اُندلس کا ایک اور بڑا شہر مریدا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مریدا کو طلیطلہ سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ موسیٰ بن نصیر نے اس شہر کی طرف کوچ کیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلیطلہ کا ذکر پہلے کیا جائے۔ طارق بن زیاد طلیطلہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اتنا سنجیدہ اور متفکر کسی بھی لڑائی سے پہلے نہیں ہوا تھا جتنا وہ اب تھا۔ اُسے طلیطلہ کا جو قدرتی اور پھر انسانوں کا بنایا ہوا دفاع بتایا گیا تھا، وہ اسے پریشان کر رہا تھا۔ اُس نے اپنے سالاروں سے موسیٰ بن نصیر پر اس خفگی کا اظہار کئی بار کیا کہ اُس نے اُسے مزید کمک نہیں بھیجی۔ وہ کمک کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ یہ طارق بن زیاد کی خوش نصیبی تھی کہ ہزاروں بربر اس کے پاس خود ہی پہنچ گئے تھے۔ ورنہ وہ اتنی زیادہ کامیابیاں اتنے کم عرصے میں حاصل نہ کر سکتا۔ یہ تو اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ موسیٰ بن نصیر دس ہزار سواروں اور آٹھ ہزار پیادوں کے ساتھ اُندلس میں داخل ہو چکا ہے۔

طارق بن زیاد کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ طلیطلہ کا دفاع بہت مضبوط ہے لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ طلیطلہ کے اندر کی کیفیت کیا ہے۔

طلیطلہ کے شاہی محل میں ایک اور ہی ڈرامہ چل رہا تھا۔ وہاں کوئی بادشاہ نہیں تھا۔ بادشاہ کی اولاد تھی، اس اولاد میں صرف ایک بیٹا تھا جو اُس کی جائز اولاد تھا۔ اُس کا نام رچمانڈ تھا۔ اُس کی عمر اٹھارہ اُنیس سال تھی۔ دستور کے مطابق وہی تخت کا جانشین تھا لیکن وہ اسی عمر میں عیش و عشرت میں پڑ گیا تھا۔ اس کا باپ اُسے اُمورِ سلطنت کی طرف راغب کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے لیکن ان کی ہر کوشش ناکام رہی۔ وہ شکار کا شوقین تھا اور اس کا دوسرا شوق یہ تھا کہ جس خوبصورت اور نوجوان لڑکی کو دیکھتا اُسے اپنے ساتھ لے آتا اور کچھ دنوں بعد اُسے ایک اور لڑکی کے لیے جگہ خالی کرنے کی خاطر چلتا کرتا۔

راڈرک اُندلس کا شہنشاہ تھا اُس نے باقاعدہ حرم بنا رکھا تھا جس میں اُندلس کی ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے ملکوں کی حسین ترین عورتیں موجود تھیں۔ ان میں سے دو تین کو وہ اس طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا، جیسے یہ اُس کی جائز بیویاں ہوں۔ اُس کی جائز اور قانونی بیوی ایک ہی تھی جو اُس کے اس عیاش بیٹے کی ماں تھی لیکن ان دو تین عورتوں نے راڈرک کی اولاد پیدا کی تھی جو جائز نہیں تھی اس لیے وہ شاہی خاندان کی اولاد نہیں کہلا سکتی تھی۔ حرم کی باقی عورتوں کو تو تھوڑے تھوڑے عرصے بعد نکال دیا جاتا تھا اور ان کی جگہ نئی لڑکیاں آ جاتی تھیں لیکن یہ دو تین عورتیں راڈرک کی منظورِ نظر بن گئی تھیں ادھیڑ عمری میں بھی وہ محل میں موجود تھیں۔ ان کی اولاد جوان ہو چکی تھی۔ اب راڈرک کی جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا تو

ان عورتوں نے اپنے اپنے بیٹے کو اُندلس کا بادشاہ بنوانے کی سازشیں شروع کر دیں لیکن راڈرک کے جائز بیٹے رچمانڈ کی موجودگی میں کوئی اور تخت پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔
طلیطلہ میں فوج کا جرنیل یوگوبیلچی تھا۔ وہ راڈرک کا دست راست تھا۔ لوگ اور فوجی تو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اتنا قابل اور تجربہ کار ہے کہ راڈرک اُسے طلیطلہ میں ہی رکھتا ہے اور باہر کسی لڑائی میں نہیں بھیجتا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ جرنیل راڈرک کی ملکہ کا منظورِ نظر تھا۔ ملکہ راڈرک پر ایسی بُری طرح چھائی ہوئی تھی کہ وہ اُس پر حکم چلاتی تھی اور اپنی بات منوا لیتی تھی۔ وہ راڈرک کو اس فرمانبرداری کا یہ انعام دیتی تھی کہ جہاں اُسے کوئی خوبصورت اور نوجوان لڑکی اچھی لگتی اسے وہ راڈرک کو بطور تحفہ پیش کرتی تھی۔

♣

راڈرک کا بیٹا رچمانڈ ان دو تین لڑکیوں کو بھی اپنے سونے کے کمرے میں لے آیا کرتا تھا جو اس کے باپ کی داشتاؤں کی بیٹیاں تھیں اور اُن کا باپ راڈرک ہی تھا۔ ان میں لیزا نام کی ایک لڑکی تھی جس کی عمر بیس بائیس سال تھی۔ اس کا ایک بڑا بھائی تھا جس کا نام برگسن تھا جس کی عمر چوبیس پچیس سال ہو گئی تھی۔ وہ بھی راڈرک کا بیٹا تھا اور محل میں اُسے اچھا خاصہ سرکاری رتبہ حاصل تھا۔
جرنیل یوگوبیلچی راڈرک کی ہی طرح عیاش آدمی تھا۔ راڈرک مارا گیا تو محل میں عملاً اسی جرنیل کی حکمرانی تھی۔ اسے لیزا بہت اچھی لگتی تھی۔ راڈرک کے مرنے کے بعد اُس نے لیزا پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے لیکن لیزا اُس کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ اُس نے لیزا سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ باقاعدہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ پھر بھی لیزا اُس سے دور ہی رہی۔ اس جرنیل نے لیزا کو بڑی سخت دھمکی دی۔ لیزا نے کہا کہ وہ ملکہ کو بتا دے گی۔ اُسے شاید معلوم تھا کہ یہ جرنیل ملکہ سے بہت ڈرتا ہے بلکہ آخر ملکہ تھی وہ جس کے خلاف جو چاہے کر سکتی تھی۔ اس جرنیل کی حیثیت ملکہ کی ہی بدولت تھی
راڈرک کے مرنے کے کچھ عرصے بعد جب طارق بن زیاد طلیطلہ کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا، ایک رات لیزا جرنیل یوگوبیلچی کے پاس پہنچ گئی۔
"تم کیسے؟" ——— جرنیل یوگوبیلچی نے پوچھا۔
"آپ ہی کے پاس آئی تھی" ——— لیزا نے جواب دیا اور پوچھا ——— "آپ حیران کیوں ہو گئے ہیں؟"
"تمہیں یہاں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"
"نہیں" ——— لیزا نے جواب دیا۔
لیزا کو معلوم نہیں تھا کہ محل کے ایک آدمی نے اُسے دیکھا تھا اور وہ دبے پاؤں اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا، وہ رچمانڈ تھا۔
"میں کمسن اور نادان نہیں ہوں لیزا!" ——— جرنیل یوگوبیلچی نے کہا ——— "تمہارا چہرہ اور تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تم کسی اور مقصد کے لیے آئی ہو۔ وہ مقصد بتا دو۔"
"میں کمسن اور نادان ہوں" ——— لیزا نے کہا ——— "مجھے تجربہ نہیں کہ کسی کو اپنے ہاتھ میں لینے

کے لیے کس طرح بات کی جاتی ہے اس لیے میں سیدھی بات کر دیتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں اور میں انکار کرتی رہی ہوں۔ میری جگہ آپ ہوتے تو آپ بھی انکار ہی کرتے۔ اپنی اور میری عمر میں فرق دیکھیے لیکن اب میں اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرنے آئی ہوں۔ شادی کر کے بیوی بنالیں یا بغیر شادی کے۔"

"میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں" ـــ یوگوبیلجی نے کہا ـــ "جس کام کے لیے آئی ہو، پہلے وہ بتاؤ۔"

"آپ جانتے ہیں کہ برگسن میرا بھائی ہے" ـــ لیزا نے کہا ـــ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم دونوں بہن بھائی شہنشاہ راڈرک کی اولاد ہیں۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ تخت کا وارث میرا بھائی بھی ہے؟"

"لیکن برگسن بادشاہ کی قانونی اولاد نہیں" ـــ یوگوبیلجی نے کہا ـــ "مذہب بھی اُسے راڈرک کا بیٹا نہیں مانتا۔ تمھاری یہ خواہش بچوں جیسی ہے۔ اسے دل سے اُتار دو۔"

جرنیل یوگوبیلجی شراب پی رہا تھا۔ لیزا اُس کی گود میں بیٹھ گئی اور بچوں کی طرح اُس کے ساتھ پیار کرنے لگی۔ بوڑھے جسم میں شراب اور اتنی حسین لڑکی نے نئی روح پھونک دی۔ نشہ دماغ کو چڑھ گیا اور بوڑھا جرنیل کمسن اور نادان بن گیا۔

"تم ہی بتاؤ میں تمھارے بھائی کو کس طرح تخت پر بٹھا سکتا ہوں؟" ـــ یوگوبیلجی نے پوچھا۔

"رچانڈ کو قتل کرادیں" ـــ لیزا نے کہا ـــ "تخت و تاج کا وارث تو وہی ہے۔ اعلان ہو یا نہ ہو، بادشاہ وہی ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو پھر آپ برگسن کو بادشاہ بنوا سکتے ہیں۔"

"کیا تم اپنے بھائی کے سر پر اندلس کا تاج رکھنے کے لیے ماں کے اکلوتے بیٹے کو مروانا چاہتی ہو؟" ـــ بوڑھے جرنیل نے شراب کے نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی آواز کہا۔

"صرف اس لیے نہیں" ـــ لیزا نے کہا ـــ "میں اس لیے بھی شہزادہ رچانڈ کو مروانا چاہتی ہوں کہ وہ ملک کو نقصان پہنچائے گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آدھا ملک ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ حملہ آور فوج طوفان کی طرح آرہی ہے۔ اس شہزادے کا باپ مارا گیا ہے مگر یہ پہلے کی طرح عیش و عشرت میں مست ہے۔ کل رات اس نے مجھے پکڑ لیا اور باغ میں لے گیا تھا۔ میں اس سے اپنے آپ کو کیسے بچا سکتی تھی؟ میرا بس چلے تو میں اپنے ہاتھوں اسے زہر دے دوں۔ میں بہت چیخی کہ میں تمھارے باپ کی بیٹی ہوں.... کیا آپ اسے زندہ رہنے کا حق دے سکتے ہیں؟"

"ہاں دے سکتا ہوں" ـــ یوگوبیلجی نے کہا ـــ "میں اسے قتل نہیں کرسکتا نہ اسے قتل کروا سکتا ہوں۔"

"آپ ملکہ سے ڈرتے ہیں" ـــ لیزا نے کہا۔

"نہیں" ـــ یوگوبیلجی نے کہا ـــ "کوئی باپ اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرسکتا.... رچانڈ میرا بیٹا ہے۔ یہ راڈرک کا بیٹا نہیں۔ راڈرک سے ملکہ کی کوئی اولاد نہیں۔"

لیزا کے لیے یہ انکشاف کوئی چونکا دینے والا انکشاف نہیں تھا۔ بادشاہ کے محل میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ کون کس کی اولاد ہے؟.... اس سوال کا صحیح جواب اولاد کی ماں کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ ایک جرمن تاریخ دان "گسٹ میل" نے لکھا ہے کہ راڈرک صحیح معنوں میں جنگجو تھا لیکن اس کے

ساتھ ہی وہ روائتی بادشاہ تھا۔ ایسا بادشاہ جو اپنی رعایا کو نیم فاقہ کش رکھ کر عیش و عشرت کو اپنا جائز حق سمجھتا تھا۔ فوج ایسے بادشاہ کی بادشاہی کا تحفظ نہیں کیا کرتی جو فوجیوں اور ان کے رشتہ داروں کے حقوق کا تحفظ نہیں کرتا۔ راڈرک نے اتنے تھوڑے بربروں سے جو شکست کھائی تھی وہ اسی وجہ سے کھائی تھی۔

راڈرک کی اپنی بیوی اس کی وفادار نہیں تھی۔ وہ مر گیا تو اُس کا وہ جرنیل جو طلیطلہ کے دفاع کا ذمہ دار تھا، ملکہ کے ہاں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور شہر خالی ہو گیا تھا۔

"کیا آپ شہر کو مسلمانوں سے بچا لیں گے؟"۔۔۔ لیزا نے جرنیل یوگو بیلیجی سے پُوچھا۔

جرنیل جواب دینے ہی لگا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھُلا اور ایک نوجوان اندر آیا۔

"ہیلو رچانڈ!"۔۔۔ جرنیل نے پیار سے کہا۔۔۔ "آؤ۔۔۔ آؤ"

وہ راڈرک کا اکلوتا بیٹا رچانڈ تھا جس کا دراصل باپ جرنیل یوگو بیلیجی تھا۔ رچانڈ اُس تک پہنچا۔ اُس نے لیزا کو اس کمرے میں آتے دیکھا تھا اور کھڑکی کے ساتھ کان لگا کر ان کی باتیں سُن رہا تھا۔

"میرے باپ تم ہو؟"۔۔۔ رچانڈ نے جرنیل سے کہا۔۔۔ "میں اپنے آپ کو بادشاہ کا بیٹا سمجھتا رہا ہوں"

اُس نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا۔ یوگو بیلیجی شراب کے نشے میں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے آپ کو بچاتا، رچانڈ کا خنجر اُس کے دل میں اُتر چکا تھا۔ رچانڈ نے ایک بار پھر خنجر اُسی مقام پر مارا۔ بوڑھا جرنیل آگے کو جھکا اور منہ کے بل فرش پر گرا۔

لیزا چیخ مار کر باہر کو بھاگی لیکن رچانڈ نے اُسے دروازے میں ہی پکڑ لیا اور خنجر کے دو وار کر کے اُسے بھی ڈھیر کر دیا۔

♣

طارق بن زیاد اپنے لشکر کے ساتھ دریائے ٹیگس پر پہنچ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ پُل کے اس طرف طلیطلہ کی کچھ فوج موجود ہو گی جو پُل سے نہیں گزرنے دے گی اور وہاں خونریز لڑائی ہو گی لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"میں نے اس سے بڑا دھوکہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔۔۔ "اندلسی ہمیں پھندے میں لا رہے ہیں"

"ہاں ابنِ زیاد!"۔۔۔ سالار ابوزرعہ طریف نے کہا۔۔۔ "یہ دھوکے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ دریا اس شہر کے چاروں طرف بہتا ہے۔ ہم آگے گئے تو دریا کے گھیرے میں آجائیں گے، اوپر سے شہر کی فوج آجائے گی۔ نکلنا مشکل ہو جائے گا"

"لیکن میں یہاں سے واپس بھی تو نہیں جا سکتا"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔۔۔ "ہم آگے جائیں گے"

طارق اپنی فوج کو جس ترتیب میں پُل سے گزار کر لے گیا، وہ تاریخوں میں کچھ اس طرح آئی ہے

کہ اُس نے گھوڑسواروں کو پہلے گزارا پھر پیادے آگے گئے۔ طارق کی ہدایات کے مطابق گھوڑسواروں نے پیادوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا تاکہ باہر سے حملہ ہو جائے تو گھوڑسوار حملہ روکیں۔ تیراندازوں کو پہلوؤں پر رکھا گیا۔ انہیں دائیں بائیں اور پیچھے نظر رکھنی تھی اور اچانک حملے کی صورت میں حملہ آوروں کو تیز تیراندازی سے روکنا تھا۔

جس قدر احتیاط ہو سکتی تھی، طارق بن زیاد نے کی پھر چند ایک سواروں کو قلعے کے اردگرد یہ دیکھنے کے لیے دوڑایا کہ اُدھر کوئی فوج ہے یا نہیں۔

شہر میں ایک آواز اُٹھی — "وہ آ گئے" — اور یہ آواز شہر میں پھیلتی چلی گئی۔ شہر میں کچھ ہی لوگ رہ گئے تھے۔ یہ زیادہ تر یہودی اور گوتھ تھے۔

طارق بن زیاد کے بھیجے ہوئے گھوڑسوار شہر کے اردگرد چکر لگا کر واپس آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ کہیں بھی دشمن کی فوج کا کوئی ایک آدمی بھی نظر نہیں آیا۔ یہ تو طارق بن زیاد نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ قلعے اور شہر کی دیوار پر بھی کوئی فوجی نہیں تھا۔ طارق نے محسوس کیا کہ اور زیادہ احتیاط کی اور انتظار کی ضرورت ہے۔ اُس نے اپنے سالاروں، جولین اور اوپاس کو صلاح مشورے کے لیے بلایا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شہر کو محاصرے میں لے لیا جائے اور دیکھا جائے کہ طلیطلہ کی فوج کیا کارروائی کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ محاصرے کو طول دینا تھا۔

"اور ہم نے حیرت انگیز بات یہ دیکھی ہے کہ شہر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں" — گھوڑسواروں کے کماندار نے طارق بن زیاد کو بتایا — "لوگ ان دروازوں سے نکل رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تو کچھ لوگ بھاگتے ہوئے اندر چلے گئے اور کچھ باہر کو بھاگ گئے۔"

یہ باتیں اور صلاح مشورے ہو ہی رہے تھے کہ طارق بن زیاد کے کان میں کسی کی یہ آواز پہنچی کہ وہ دیکھو، صدر دروازہ کھل گیا ہے۔ سب نے اُدھر دیکھا۔ پانچ چھ معزز قسم کے آدمی گھوڑوں پر سوار باہر نکلے۔ وہ فوجی نہیں تھے۔ وہ مسلمانوں کی فوج کی طرف آ رہے تھے۔

طارق بن زیاد اپنے سالاروں اور مشیروں کے ساتھ اُن کی طرف بڑھا۔ شہر کے آدمیوں نے گھوڑے اور تیز کر لیے۔

"ہم صلح اور دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں" — شہر سے آنے والے آدمیوں میں سے ایک نے کہا — "ہمارے ساتھ آئیں اور شہر لے لیں۔"

اوپاس اور جولین نے ان آدمیوں کو پہچان لیا۔ ان میں دو یہودی تھے اور باقی گوتھ قوم کے افراد تھے۔ وہ سب گھوڑوں سے اُترے اور جولین اور اوپاس سے بغلگیر ہو کر ملے، پھر اُنہوں نے طارق کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"تم عظیم ہو طارق بن زیاد!" — وفد کے لیڈر نے کہا — "اندلس تمہارا ہے۔"

"میرا نہیں" — طارق بن زیاد نے کہا — "یہ اللہ کے اُس رسولؐ کا ملک ہوگا جس نے مجھے فتح و نصرت کی بشارت دی تھی۔ اسلام میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔ بادشاہی صرف اللہ کی ہوتی ہے اور

اس بادشاہی میں ہر انسان کو مساوی حقوق ملتے ہیں۔"

"کیا ہم امید رکھیں کہ ہمیں ہمارا پورا حق ملے گا؟"۔۔۔۔۔ گوتھ قوم کے ایک معمر آدمی نے پوچھا۔

"تمہیں جو حق ملے گا اسے تمہاری آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی"۔۔۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔

بعد میں طارق بن زیاد کا یہ وعدہ فراخدلی سے پورا کیا گیا تھا۔ وٹیزا اور اُس کے بھائی اوپاس کے بیٹوں کو اُندلس میں بے شمار جاگیریں دی گئی تھیں۔ یہ جاگیریں نسل در نسل ان کی ملکیت میں رہیں۔

"تم لوگ کیوں آئے ہو؟"۔۔۔۔۔ طارق بن زیاد نے اس وفد سے پوچھا۔۔۔۔۔ "کیا شہر میں فوج کا کوئی اعلیٰ حاکم یا شاہی خاندان کا کوئی ذمہ دار فرد نہیں تھا؟"

"شہر خالی ہو چکا ہے"۔۔۔۔۔ طارق بن زیاد کو جواب ملا۔۔۔۔۔ "فوجی بھی شہر سے نکل گئے ہیں۔ ایک جرنیل یوگوبیلجی موجود تھا۔ اُسے راڈرک کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے.... شاہی محل میں آپ کا استقبال ہو گا۔"

اگر شہر کے اس وفد کے ساتھ جولین اور اوپاس کی جان پہچان نہ ہوتی تو طارق اسے دھوکہ سمجھتا۔ وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قلعے کی طرف چل پڑا۔

♣

مسلمان فوج جب شہر میں داخل ہوئی تو شہر میں جو چند ایک لوگ رہ گئے تھے انہوں نے نعرے لگا لگا کر مسلمانوں کا استقبال کیا۔ فوج کو رہائش کے لیے اُن بارکوں میں لے گئے جن میں اس شہر کی فوج رہائش پذیر تھی۔ طارق بن زیاد، اُس کے سالاروں، جولین اور اوپاس کو شاہی محل میں لے گئے۔

اس شہر سے جو مال و دولت اور زر و جواہرات مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ بے حساب تھے۔ ان گھروں کی تلاشی لی گئی جن کے رہنے والے شہر چھوڑ گئے تھے۔ وہاں سے بھی بے انداز زر و جواہرات نکلے۔ سونے اور چاندی کے برتن بھی ملے۔ کٹے ہوئے ہیروں اور تراشے ہوئے نگینوں کے دو انبار ہاتھ آئے۔

طارق بن زیاد کے حکم سے شاہی محل کی تمام دولت اور زر و جواہرات ایک کمرے میں لائے گئے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اتنی زیادہ دولت جس سے ایک کمرہ بھر گیا تھا، دیکھ کر طارق کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ان بیش قیمت انبار میں اُن تمام بادشاہوں کے تاج تھے جو راڈرک تک اُندلس کے بادشاہ رہے تھے۔ ہر بادشاہ کے لیے سونے کا تاج تیار ہوتا تھا جو اُس کے مرنے کے بعد اس کی یادگار کے طور پر رکھ دیا جاتا اور نئے بادشاہ کے لیے نیا تاج بنتا تھا۔ طارق کو شاہی محل سے پچیس تاج ملے جو خالص سونے کے تھے۔ تاریخ دان پروفیسر ڈوزی نے لکھا ہے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اُس کا تاج بڑے گرجے کو بطور نذرانہ دے دیا جاتا تھا لیکن بیشتر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد کو پچیس تاج راڈرک کے محل سے ملے تھے۔

مؤرخ لین پول نے کئی اور مؤرخوں کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ طلیطلہ میں ایک ہی جرنیل تھا جو اپنے ناجائز بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ کوئی حاکم نہیں تھا۔ شاہی خاندان کے نواب (کاؤنٹ)

اور دیگر بڑے آدمی بھی غائب ہو چکے تھے۔ شاہی محل میں راڈرک کی ملکہ تھی اور اس کا نوجوان بیٹا تھا۔ شاہی حرم میں ادھیڑ عمر عورتیں رہ گئی تھیں یا ایک دو جوان لڑکیاں تھیں۔ باقی سب لڑکیاں چلی گئی تھیں۔
اُندلس کے دارالحکومت طلیطلہ پر اب طارق بن زیاد کا قبضہ تھا۔ گوتھ اور یہودی اُس کے گرد اکٹھے ہو چکے تھے۔ طارق بن زیاد نے ان میں سے چند آدمی منتخب کر کے انہیں شہر کے حکام مقرر کر دیا اور انہیں شہری انتظامیہ کے مختلف شعبے دے دیئے۔
مسلمان فوجی کسی آباد گھر میں داخل نہ ہوئے نہ انہوں نے کہیں لُوٹ مار کی۔ صرف اُن مکانوں سے قیمتی سامان نکالا گیا تھا جو خالی پڑے تھے۔

♣

صبح طلوع ہوئی۔ طارق بن زیاد کو اطلاع دی گئی کہ ایک نوجوان عیسائی لڑکی اسے ملنا چاہتی ہے۔ طارق نے اُسے ملاقات کی اجازت دے دی۔ ایک حسین و جمیل اور نوجوان لڑکی اس حالت میں طارق بن زیاد کے سامنے آئی کہ اُس کے چہرے پر خوف و ہراس تھا اور وہ قدم گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہی تھی۔
"اس لڑکی کو بتاؤ کہ میں اس جیسا انسان ہوں" ــــ طارق بن زیاد نے اپنے ترجمان سے کہا ــــ "اور اس سے پوچھو کہ یہ کیوں آئی ہے؟ کیا اسے کسی مسلمان نے پریشان کیا ہے؟"
"نہیں" ــــ لڑکی نے آہستہ آہستہ سر ہلا کر کہا ــــ "کسی مسلمان نے میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ میرا نام اَبنا میری ہے اور مجھے زبردستی راہبہ بنا دیا گیا تھا..... میں نے سُنا ہے کہ آپ کے آدمی گرجوں میں گئے تھے اور وہاں سے اُنہیں کچھ نہیں ملا۔ اپنے آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجیں۔ گرجوں کا خزانہ بڑے گرجے کے تہہ خانے میں دفن ہے۔ اگر آپ کے آنے سے پہلے کسی اور نے نکال لیا ہو تو اس کی مجھے سزا نہیں ملنی چاہیئے۔ تہہ خانے میں آپ جائیں گے تو وہاں آپ کو دو لاشیں فرش پر پڑی ہُوئی اور تین لاشیں ایک گڑھے میں پڑی ملیں گی۔ اس گڑھے کے ساتھ ہی ایک اور گڑھا ہے جو مٹی سے بھرا ہُوا ہے اور اس پر قبر کی شکل کی ڈھیری بنی ہُوئی ہے۔ خزانہ اس ڈھیری میں ہونا چاہیئے۔"
طارق بن زیاد نے چند آدمی اس لڑکی کے ساتھ بھیج دیئے۔ لڑکی انہیں بڑے گرجے کے تہہ خانے میں لے گئی۔ وہاں انہوں نے دو لاشیں پڑی دیکھیں۔ پھر تین لاشیں گڑھے میں بھی دیکھیں۔

جو گڑھا ابھی کھودا نہیں گیا تھا اُسے کھودا گیا۔ اس میں سے وہ تمام خزانہ دو بکسوں میں بند ملا جو پادریوں نے دوسرے گرجوں میں سے لا کر یہاں دفن کیا تھا۔
اُس وقت جب بڑے گرجے میں سے خزانہ نکالا جا رہا تھا، اوپاس میرینا کے کمرے میں بیٹھا ہُوا تھا۔ میرینا وہ عورت تھی جس نے نوجوانی میں اوپاس سے محبت کی تھی لیکن اُس وقت اوپاس کا بڑا بھائی ڈٹیزا اُندلس کا بادشاہ تھا۔ ڈٹیزا نے اوپاس اور میرینا کی شادی ایک تو اس وجہ سے نہیں ہونے دی تھی کہ میرینا یہودی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اوپاس بادشاہ کا بھائی تھا اور میرینا رعایا کے ایک عام گھرانے کی لڑکی تھی۔ پھر ان کی محبت پر ایسا پہاڑ آ گرا کہ راڈرک نے بغاوت کر کے ڈٹیزا کا تختہ اُلٹ دیا اور پھر اُسے قتل کروا دیا۔ کسی جگہ اُس کی نظر میرینا پر

پڑ گئی تو اُسے اپنے حرم میں شامل کر لیا۔
یہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ جب راڈرک طارق بن زیاد کے ہاتھوں بھیوڈومیر کی شکست کی اطلاع پر میلونہ سے چلا تھا تو اوپاس بھیس بدل کر طلیطلہ آیا اور طلیطلہ کے باہر والی جھیل پر میرینا سے ملا تھا اور اُسے بتایا تھا کہ وہ راڈرک کی فوج کو اور یہاں کے لوگوں کو کس طرح راڈرک کے خلاف کرے اور اپنی فوج اور لوگوں کا حوصلہ کس طرح توڑا جائے۔ میرینا نے یہ کام جس خوش اسلوبی سے کیا تھا، وہ بھی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔
وہ جوانی کا زمانہ تھا جب اوپاس اور میرینا ایک دوسرے پر مرمٹے تھے۔ اب وہ ادھیڑ عمر میں پہنچ گئے تھے۔ میرینا کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی کیونکہ وہ راڈرک کی داشتہ تھی۔ اوپاس نے سیوستہ جا کر شادی کر لی تھی اور اُس کی اولاد بھی تھی۔
اوپاس نے رات میرینا کے کمرے میں گزاری تھی۔ اوپاس کو توقع تھی کہ میرینا محبت کی ماری اُس کے آگے بچھ بچھ جائے گی لیکن اوپاس نے میرینا میں ایک تبدیلی دیکھی جو یہ تھی کہ میرینا پر خاموشی طاری رہی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نہ آئی۔ وہ جب بات کرتی تھی تو اُس کے انداز میں صوفیانہ قسم کی سنجیدگی ہوتی تھی۔ کبھی تو یوں لگتا جیسے میرینا تارک الدنیا ہو گئی ہو اور اُسے اس دنیا کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ رہی ہو۔
"کیا باقی عمر میرے ساتھ گزارو گی میرینا؟" —— اوپاس نے پوچھا۔
"نہیں اوپاس!" —— میرینا نے بیزار سے لہجے میں جواب دیا —— "میری باقی عمر اب عبادت گاہ میں گزرے گی، شاید میری روح پاک ہو جائے۔ میں اب خدا کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔"
"راہبہ نہ بن جانا میرینا!" —— اوپاس نے مسکراتے ہوئے کہا —— "تم ابھی جوان ہو۔ آزاد زندگی کا مزہ بھی چکھ لو۔"
"نہیں اوپاس!" —— میرینا نے کہا —— "مجھ پر جو بیتی ہے وہ تم جانتے ہو۔ مجھے اب دل سے اُتار دو.... ایک کام کرنا اوپاس! میں اس فاتح سپہ سالار طارق بن زیاد کو جس نے راڈرک کو زمین کے تختے سے اُٹھایا اور اُس کی بادشاہی ختم کی ہے، ایک تحفہ دینا چاہتی ہوں۔ کل مجھے اُس تک پہنچا دو۔"
"پہنچا دوں گا" —— اوپاس نے کہا اور پوچھا —— "تحفہ کیا دو گی؟"
"ایک وزنی بکس ہے" —— میرینا نے کہا —— "کل تین چار آدمی اپنے ساتھ لے آنا اور یہ بکس اٹھوا کر میرے ساتھ چلنا۔"
صبح جب طارق بن زیاد کے بھیجے ہوئے آدمی گرجے کے تہ خانے سے خزانہ نکال رہے تھے، اوپاس شاہی محل کے ایک کمرے سے ایک بکس اٹھوا رہا تھا۔ یہ کمرہ ایک سال سے کچھ دن زیادہ عرصے سے مقفل تھا۔ اوپاس جب میرینا کے پاس بکس اٹھوانے گیا تھا تو میرینا نے کمرے کا تالا کھولا تھا۔ اوپاس اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو وہ رُک کر پیچھے ہٹ آیا تھا۔
"کیا ہے اس کمرے میں میرینا؟" —— اوپاس نے پوچھا تھا —— "اتنی بدبو؟.... کیا اس

کمرے میں کوئی انسان مرا پڑا ہے یا کوئی جانور؟

"یہ بدبو کمرہ بند رہنے کی وجہ سے ہے"۔۔۔ میرینا نے جواب دیا تھا۔۔۔ "یہ بھی تو دیکھو کہ کمرے میں کیا کچھ پڑا ہے۔ یہ یہودی ساحر بوسیجن کا کمرہ ہے۔ وہ یہاں انسانوں کی تازہ کھوپڑیاں، انسانی دل، ہڈیاں بھی رکھا کرتا تھا۔ اُس نے یہاں سانپ اور بچھو بھی رکھے ہوئے تھے اور ایسی جڑی بوٹیاں بھی اُس نے رکھی ہوئی تھیں جن کی بدبو بیہوش کر دیتی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"چلا گیا ہے"۔۔۔ میرینا نے جواب دیا تھا۔۔۔ "میں اُس کا یہ بکس طارق بن زیاد کو تحفے کے طور پر دینا چاہتی ہوں۔"

"اس میں کیا ہے؟"۔۔۔ اوپاس نے پوچھا۔۔۔ "کیا تم محسوس نہیں کر رہیں کہ اس سے کتنی بدبو اُٹھ رہی ہے؟"

"اوپاس!"۔۔۔ میرینا نے کہا۔۔۔ "یہ صرف طارق بن زیاد دیکھے گا کہ اس میں کیا ہے۔ اگر وہ بُرا مان گیا تو میں سزا قبول کر لوں گی۔"

چار آدمیوں نے لکڑی کا بکس اُٹھایا۔ اوپاس میرینا کو ساتھ لیے طارق بن زیاد کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"ابنِ زیاد!"۔۔۔ اوپاس نے طارق بن زیاد سے کہا۔۔۔ "یہ ہے وہ عورت جس نے آپ کو ہزاروں گوتھوں اور یہودیوں کی فوج دی تھی۔ یہ انتظام اس کا تھا کہ دریائے گادلیت کی لڑائی میں فوج کے ہزاروں گوتھ اور یہودی راڈرک کو چھوڑ کر آپ کی فوج کے ساتھ ملے تھے۔"

اوپاس نے طارق بن زیاد کو تفصیل سے بتایا کہ میرینا نے گوتھ اور یہودی بڑوں کو کس طرح قائل کیا اور ان سب نے کس طرح زیرِ زمین محاذ پر کام کیا تھا۔

"ہم اس خاتون کو اُس کی توقع سے کہیں زیادہ انعام دیں گے"۔۔۔ طارق نے کہا۔

"اے سپہ سالار!"۔۔۔ میرینا نے کہا۔۔۔ "میں نے یہ کام انعام کی خاطر نہیں کیا۔ میں نے راڈرک سے انتقام لیا ہے۔ مجھے آپ کی خوشنودی نہیں چاہیئے۔ میں نے اپنی روح کو خوش کیا ہے.... میں آپ کے لیے ایک تحفہ لائی ہوں۔"

لکڑی کا بکس طارق کے آگے رکھا گیا۔ میرینا نے چابی نکال کر تالا کھولا اور بکس کا ڈھکنا اُٹھا دیا۔ طارق بن زیاد اور دوسرے جو آدمی بکس کے قریب کھڑے تھے، یکلخت پیچھے ہٹ گئے اور سب نے اپنی ناکوں پر ہاتھ یا کپڑے رکھ لیے۔ بکس سے بدبو کے جو بھبھوکے اُٹھے، ان سے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

"کیا ہے اس بکس میں؟"۔۔۔ طارق بن زیاد نے پوچھا۔

"ایک انسان کی لاش ہے"۔۔۔ میرینا نے سنجیدگی سے کہا۔۔۔ "ایک سال سے اس بکس میں بند ہے۔"

"لاش راڈرک کی تو نہیں؟" ——— جولین نے پوچھا۔

"نہیں" ——— میرینا نے جواب دیا ——— "شاہ راڈرک کو ہم نے جاتے دیکھا تھا واپس آتے نہیں دیکھا.... کاؤنٹ جولین! آپ اُسے جانتے تھے جس کی یہ لاش ہے.... یہ لوسجن ہے .... شاہ راڈرک کا محبوب ساحر.... جادوگر لوسجن.... سپہ سالار کو بتاؤ کہ یہ زندہ رہتا تو سپہ سالار آج یہاں فاتح بن کر کھڑا نہ ہوتا۔ یہاں راڈرک ہوتا اور سپہ سالار طارق بن زیاد زنجیروں میں بندھا ہوا اس کے سامنے کھڑا ہوتا۔"

"اس خاتون سے کہو کہ پوری بات سنائے" ——— طارق بن زیاد نے کہا۔

"ابنِ زیاد!" ——— جولین نے کہا ——— "اس شخص کا نام لوسجن تھا۔ یہ راڈرک کو آنے والے وقت کے حالات بتایا کرتا تھا۔ یہ علم جوتش و نجوم کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ راڈرک اس کی پیشن گوئیوں کو سچ مانا کرتا تھا۔ اسے راڈرک نے مستقل طور پر اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ راڈرک اس سے پوچھے بغیر کوئی کام شروع نہیں کرتا۔ لوسجن ساحر تھا، شعبدہ باز تھا۔"

"کیا یہ یہودی تھا؟" ——— طارق بن زیاد نے پوچھا۔

"ہاں ابنِ زیاد!" ——— جولین نے جواب دیا ——— "یہ یہودی تھا۔"

"یہ سحر کاری یہودیوں کی ہی ایجاد ہے" ——— طارق بن زیاد نے کہا ——— "اور یہی لوگ اس علم میں مہارت رکھتے ہیں۔"

"اب میرینا بتائے گی کہ یہ مرا کس طرح تھا" ——— اوپاس نے کہا۔

"شاہ راڈرک جب آپ کے مقابلے کے لیے جا رہا تھا تو اسے کچھ بُرے شگون کا سامنا تھا" ——— میرینا نے کہا ——— "اس نے اس ساحر کو بلا کر کہا کہ یہ بُرے شگون اس کے حق میں کر دے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے آپ پر فتح حاصل ہو۔ اس ساحر نے راڈرک سے سولہ سترہ سال عمر کی ایک لڑکی مانگی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کا دل نکال کر ایسا عمل کرے گا کہ راڈرک کو فتح حاصل ہوگی اور حملہ آور اس کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائیں گے.....

"شاہ راڈرک نے مجھے حکم دیا کہ میں اس ساحر کو اس کی مطلوبہ لڑکی دوں۔ میرے پاس اس عمر کی ایک لڑکی تھی۔ میں رات کو اس لڑکی کو ساحر کے کمرے میں لے گئی۔ اُس نے لڑکی کا سینہ چیر کر دل نکالنے کے لیے اسے میز پر لٹایا اور اس پر جھکا تو میں نے اُس کے سر پر ایک موٹے ڈنڈے کی تین زور دار ضربیں لگائیں۔ یہ بیہوش ہو کر گرا تو میں نے اس کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا کر مار ڈالا پھر لڑکی کو ساتھ لے کر اس کی لاش دوہری کر کے اس بکس میں بند کر دی۔ شاہ راڈرک علی الصبح کوچ کر گیا اور میں نے لڑکی کو اُس کے گھر پہنچا دیا۔ اُس رات سے ساحر کی لاش اس بکس میں بند ہے۔ اگر یہ اپنا عمل پورا کر دیتا تو فتح راڈرک کی ہوتی۔"

"اس کی لاش میرے پاس کیوں لے آئی ہو؟" ——— طارق بن زیاد نے پوچھا۔

"اس سے بہتر میرے پاس اور کوئی تحفہ نہیں تھا" ——— میرینا نے کہا ——— "لاش کہاں اب تو ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ اسے جلا دیں یا دفن کر دیں.... میں اب آزاد ہوں"

میرینا نے طارق بن زیاد کو جھک کر سلام کیا اور باہر کو چل پڑی۔ وہ کہتی جا رہی تھی —"میں اب آزاد ہوں میں اب آزاد ہوں"۔

اس کے بعد اوپاس اُسے ڈھونڈتا رہا مگر وہ اُسے کہیں نظر نہ آئی۔ وہ شہر سے ہی نکل گئی تھی۔

طارق بن زیاد کی نظریں اُس کھلے ہوئے دروازے پر لگی ہوئی تھیں جس میں سے میرینا یہ کہتی ہوئی نکل گئی تھی ــــ "میں اب آزاد ہوں۔ میں اب آزاد ہوں" ــــ
طارق کے چوڑے ماتھے پر شکنیں پیدا ہونے لگیں یقینی طور پر کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔

وہ یہی سوچ رہا ہوگا کہ یہ کیسی عجیب عورت ہے۔ اگر یہ اس یہودی ساحر کو قتل نہ کرتی تو....
اور یہ سوچ تو اسے ضرور آئی ہوگی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خواب میں فتح کی جو بشارت دی تھی، اسے پورا کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسے کیسے حیران کن اور معجزنما سبب پیدا کیے تھے۔ ایک آبرو باختہ عورت نے جو مسلمان بھی نہیں تھی اور جو اسلام کی سب سے زیادہ خطرناک دشمن قوم یہودی کی فرد تھی، اپنی ہی قوم کے ایک ساحر کو قتل کر ڈالا تھا کہ اُس نے مجاہدینِ اسلام کو جادو سے بیکار اور مفلوج کرنے کی کوشش کی تھی۔
طارق بن زیاد کے چہرے پر سنجیدگی اور گہری سوچوں کے تاثرات گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے کہ اُسے باہر تین چار آدمیوں کی باتوں کی آوازیں سنائی دیں اور دربان کھلے ہوئے دروازے میں آن کھڑا ہوا۔
"اپنے کچھ آدمی سپہ سالار سے ملنے کی اجازت چاہتے ہیں" ــــ دربان نے کہا۔
"یہ محل جس بادشاہ کا تھا وہ مارا گیا ہے" ــــ طارق بن زیاد نے سوچوں سے بیدار ہو کر کہا ــــ "یہاں کوئی بادشاہ نہیں جسے ملنے کے لیے اجازت کی ضرورت ہو۔ آنے دو جو آنا چاہتا ہے"
دربان دروازے سے ہٹا تو تین آدمی ایک میز کو اِدھر اُدھر سے پکڑے دروازے میں داخل ہوئے۔ تینوں طارق بن زیاد کے لشکر کے آدمی تھے۔ ان میں ایک عہدیدار تھا۔ یہ میز اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ اسے تین آدمی اُٹھا کر لاتے۔ سائز کے مطابق اسے ایک ہی آدمی اٹھا سکتا تھا لیکن میز کا سائز چھوٹا اور وزن زیادہ تھا۔
"کیا ہے یہ؟" ــــ طارق نے پوچھا۔
"میز ہے سپہ سالار!" ــــ عہدیدار نے جواب دیا ــــ "ہم شہر سے جانے والے لوگوں کو روک رہے ہیں کہ وہ ہم سے ڈریں نہیں، واپس اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی.... شہر کے عقبی دروازے سے ایک گھوڑا گاڑی نکلی۔ میں نے اسے رُکنے کا اشارہ کیا تو گاڑی بان نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ مجھے شک ہوا۔ میں نے ان دونوں کو ساتھ لے کر گاڑی کے تعاقب میں گھوڑے دوڑائے اور کچھ

دُور جا کر گاڑی کو روک لیا۔ اس میں تین آدمی جو راہب معلوم ہوتے تھے، بیٹھے تھے۔ ان کے پاس یہ میز تھی۔ یہ سونے کی بنی ہوئی ہے.....
"میں نے ان راہبوں سے پوچھا کہ میرے اشارے پر رُکے کیوں نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میز کو بچانے کی خاطر نہیں رُکے۔ میں نے انہیں واپس چلنے کو کہا۔ انہوں نے میری منت سماجت شروع کر دی۔ کہنے لگے کہ یہ میز مقدس اور متبرک ہے اس لیے اسے وہ غیر مذہب کے کسی آدمی کے حوالے نہیں کرنا چاہتے۔ میں انہیں ساتھ لے آیا ہوں۔"
"انہیں اندر بلاؤ"۔۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔
تینوں راہب آ گئے۔
"اگر یہ میز سونے کی ہے تو بہت ہی قیمتی ہے"۔۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔۔ "میں تمہاری عزت کرتا ہوں کہ تم مذہبی پیشوا ہو لیکن یہ میز واپس نہیں دوں گا۔"
"یہ میز مکمل طور پر سونے کی بنی ہوئی ہے"۔۔۔۔ ایک راہب نے کہا۔۔۔۔ "اور اس کے اردگرد اور اس کے پایوں میں ہیرے، نایاب موتی، نیلم، زمرد اور زبرجد جڑے ہوئے ہیں۔ ہم یہ میز اس لیے لے کر نہیں بھاگ رہے تھے کہ یہ قیمتی ہے، بلکہ اس لیے لے جا رہے تھے کہ یہ ایک مقدس یادگار ہے۔ دیکھیں کہ اس پر سونے کی ہی بنی ہوئی ایک رحل رکھی ہے جو اس کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یہ میز ہمارے کلیسا کی ملکیت ہے اور آپ شاید یقین نہ کریں کہ یہ میز حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہے۔ کسی زمانے میں ایک بادشاہ ٹیٹس نے یروشلم پر حملہ کیا تھا تو یہ میز وہاں کی سب سے بڑی عبادت گاہ سے ملی تھی، پھر یہ میز یہاں پہنچی اور شاہ راڈرک تک یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ اُندلس کے تخت پر جو نیا بادشاہ بیٹھا، اس نے اس کی خوبصورتی میں یوں اضافہ کیا کہ ایک انتہائی قیمتی ہیرا اس میں جڑا..... ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس میز سے ہمیں محروم نہ کریں۔ یہ حضرت سلیمانؑ کی یادگار ہے۔"
"اب اُندلس کا تخت و تاج ہمارے قبضے میں ہے"۔۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔۔ "اس لیے یہ میز بھی ہمارے قبضے میں رہے گی۔"
تقریباً تمام مؤرخوں نے اس میز کا ذکر کیا ہے کہ اس کے پائے میز سے الگ بھی کیے جا سکتے تھے اور پلک جھپکتے میز کے ساتھ لگائے بھی جا سکتے تھے۔ طارق بن زیاد نے یہ میز ان راہبوں کو واپس نہ کی اور اپنے قبضے میں بطور مالِ غنیمت رکھ لی۔ اُس وقت تو اس میز کی اہمیت یہی تھی کہ بہت قیمتی تھی لیکن کچھ ہی عرصے بعد یہ میز مُوسیٰ بن نصیر کے لیے ایسی شرمندگی اور مصیبت کا باعث بن گئی کہ اسے تاریخ میں ایک واقعہ کی حیثیت سے جگہ ملی اور یہ واقعہ آج تاریخ میں زندہ ہے۔
"امیر المومنین کے لیے اس سے زیادہ دل کش تحفہ اور کیا ہوگا"۔۔۔۔ طارق بن زیاد نے اُن زعما سے کہا جو اُس کے پاس بیٹھے ہوتے تھے۔ پھر کہا۔۔۔۔ "میں یہ میز خود دمشق جا کر امیر المومنین کو

پیش کروں گا۔"

"ہم سپہ سالار کو خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔۔۔ ایک راہب نے کہا ۔۔۔ "آج تک کسی بادشاہ نے اس میز کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا ۔ ہر بادشاہ نے کہا کہ یہ حضرت سلیمانؑ کی میز ہے سپہ سالار کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت سلیمانؑ کو جنّات کا نبی کہا جاتا ہے ۔ اس میز کے محافظ جنّات ہیں ۔ اسی لیے یہ کلیسا کی تحویل میں رہی ہے ۔ اگر سپہ سالار نے یا کسی اور نے اسے اپنی ملکیت سمجھا تو وہ ایسے زوال سے دوچار ہوگا جو اُسے ذلّت و رسوائی میں تڑپا تڑپا کر بے کسی اور مجبوری کی موت مارے گا۔"

"یہ میز حضرت سلیمانؑ کی ملکیت ہی رہے گی"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا ۔۔۔ "ہم مسلمان ہیں، اور مسلمان سونے اور ہیروں کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھا کرتے .... تم سب جا سکتے ہو، شہر سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ۔ اپنے گرجوں میں، اپنی عبادت گاہوں میں جاؤ ۔ تمھاری اور تمھاری عبادت گاہوں کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔"

اگلی صبح طارق بن زیاد نے محل کے سامنے ایک وسیع میدان میں فجر کی نماز کی امامت کی۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر محل کی طرف جا رہا تھا کہ اُس کا ایک آدمی آگیا ۔ یہ ایک ذمّہ دار حاکم تھا، جو ایلچی کے فرائض سرانجام دیتا تھا ۔ تاریخ میں اس کا نام ادریس ابوالقاسم آیا ہے ۔ وہ کہیں دُور سے آیا تھا۔

"ابن زیاد!"۔۔۔ اس نے طارق بن زیاد سے پُوچھا ۔۔۔ "کیا تجھے معلوم ہے کہ امیرِ افریقہ موسیٰ بن نصیر اٹھارہ ہزار نفری کا لشکر لے کر اُندلس میں آیا ہُوا ہے؟"

"کب سے؟"۔۔۔ طارق نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں حیرت کم اور اشتیاق زیادہ تھا ۔۔۔ "وہ کہاں ہے؟ مجھے توقع تھی کہ وہ میری مدد کے لیے ضرور آئے گا۔"

"اُسے اس ملک میں داخل ہوئے ایک سال ہونے کو آیا ہے"۔۔۔ ادریس ابوالقاسم نے طارق کو بتایا ۔۔۔ "کئی شہر جنہیں تُو نے اپنی سوچ اور سمجھ کے مطابق ابھی نظرانداز کر دیا تھا، وہ اُس نے لے لیے ہیں۔"

"زندہ باد موسیٰ بن نصیر!"۔۔۔ طارق نے مسرّت کے جوش سے نعرہ لگایا ۔۔۔ "اُس نے میرا کام مکمل کر دیا ۔ میں اُسے امیر نہیں اپنا باپ سمجھتا ہُوں۔"

"اور جو شہر تُو نے فتح کیے تھے وہ ہاتھ سے نکل رہے تھے"۔۔۔ ادریس نے کہا ۔۔۔ "اگر امیرِ افریقہ کو بروقت اطلاع نہ مل جاتی تو میدونہ سدونہ اور قرمونہ میں بغاوت ہو جاتی ۔ بغاوت شروع ہو چکی تھی ۔ امیر موسیٰ نے بروقت کارروائی کر کے ان شہروں کو محفوظ کر لیا۔"

طارق بن زیاد کی زبان سے موسیٰ بن نصیر کے لیے داد و تحسین کے کلمے نکل رہے تھے اور وہ موسیٰ کو اللہ کا بھیجا ہُوا فرشتہ ثابت کر رہا تھا ۔ ادریس ابوالقاسم طارق کو بتا رہا تھا کہ موسیٰ نے اُدر کہاں کہاں فتوحات حاصل کی ہیں۔

"وہ میری مدد کے لیے آیا ہے" ــــ طارق نے کہا ــــ "اب میں بے فکر ہو کر آگے بڑھوں گا اور تھوڑے ہی عرصے میں سارا اُندلس سلطنتِ اسلامیہ میں آجائے گا"

اُس وقت جب ادریس ابوالقاسم طارق کو موسیٰ بن نصیر کی جنگی کارروائیوں کی تفصیلات سنا رہا تھا اور طارق موسیٰ بن نصیر کو اللہ کا بھیجا ہُوا فرشتہ ثابت کر رہا تھا، موسیٰ بن نصیر مریدا سے تھوڑی دُور آخری پڑاؤ میں اپنے خیمے میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس اہلِ قریش کے دو معزز افراد موجود تھے۔ ایک علی ابن ابی لحمی تھا اور دوسرا حیات ابن تمامی۔

"کیا میں ایسے خودسر اور نافرمان سپہ سالار کو معاف کر سکتا ہوں؟" ــــ موسیٰ بن نصیر کہہ رہا تھا ــــ "میں نے اس جنگلی بربر کو حکم بھیجا تھا کہ جہاں ہو وہیں رُکے رہو اور آگے نہ بڑھنا لیکن اُس نے میرے حکم کی پرواہ نہ کی اور اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے بڑے بڑے شہر فتح کر لیے ہیں۔ خود طلیطلہ میں جا بیٹھا ہے؟"

"کم از کم طلیطلہ آپ کو فتح کرنا چاہیے تھا" ــــ حیات ابن تمامی نے کہا ــــ "اب یہ مشہور ہو گا کہ اُندلس بربروں نے فتح کیا تھا"

"میں عربوں کو اُندلس کا فاتح بنانا چاہتا ہوں" ــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "میں اس طارق بربر کو سپہ سالاری سے محروم کر دوں گا"

"اور یہ خیال رکھنا ابن نصیر!" ــــ علی ابن ابی لحمی نے کہا ــــ "طارق سے وہ تمام قیمتی چیزیں لے لینا جو اُس نے یہاں سے مالِ غنیمت میں اکٹھی کی ہیں۔ اُس نے ضرور سوچا ہو گا کہ یہ چیزیں وہ امیرالمومنین کو تحفوں میں دے گا۔ یہ تم خود دمشق لے جانا۔ اس طارق بربر کو آگے نہ ہونے دینا، ورنہ یہ امیرالمومنین کی خوشنودی حاصل کر لے گا"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ابھی اسّی برس گزرے تھے۔ آپؐ کے دَور کے کچھ لوگ ابھی زندہ تھے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دلوں سے محو ہونے لگی تھیں۔ مسلمانوں میں برتری اور کمتری کے پیمانے بدلنے لگے تھے۔

طارق بن زیاد بہت خوش تھا کہ وہ امیر موسیٰ جسے وہ اپنا باپ سمجھتا تھا، اس کی مدد کے لیے آگیا ہے اور موسیٰ اُسے آدھا اُندلس فتح کرنے پر دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کرے گا۔

٭

موسیٰ بن نصیر کے دو بیٹے ــــ عبداللہ اور مروان ــــ پہلے ہی اس کے ساتھ تھے۔ اُس کا سب سے بڑا بیٹا عبدالعزیز تھا جسے وہ قائم مقام امیرِ افریقہ بنا آیا تھا۔ اُس نے اُندلس میں آکر دیکھا کہ جس شہر کو فتح کر کے آگے چلے جاتے ہیں وہاں بغاوت کی چنگاری سُلگنے لگتی ہے اور اسے سرد کرنے کے لیے پھر وہاں فوج بھیجنی پڑتی ہے۔ اُس نے محسوس کیا کہ اپنے تیسرے بیٹے کو بھی اُندلس میں بلا لے۔ اُس نے اُسے بلا لیا۔

اُس وقت موسیٰ بن نصیر مریدا کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اُس کے جاسوس پہلے ہی مریدا شہر میں چلے گئے تھے اور انہوں نے واپس آکر اس شہر کی تاریخ سنا دی تھی۔ شہر پناہ کے

اندر کا پورا نقشہ اور دفاعی انتظامات کی تفصیل سنا دی تھی۔

مریدا اُندلس کا ایک عظیم الشان شہر تھا اور یہ دارالحکومت طلیطلہ سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اس کی دلکشی کے خالق رومی تھے۔ اُنہوں نے ایسی پُرشکوہ عمارتیں بنائی تھیں جو فنِ تعمیر کا شاہکار تھیں۔ آج ان کے کھنڈرات بھی اپنی عظمت کے دعویدار اور حقدار ہیں۔ روم کے شہنشاہ آگسٹس نے تو اس شہر کی خوبصورتی میں اتنا اضافہ کیا تھا جیسے یہی اس کی زندگی کا مشن تھا۔

خوبصورتی کے لحاظ سے ہی نہیں، رومی بادشاہوں نے دفاع کے لحاظ سے بھی اس شہر کو غیر معمولی طور پر مضبوط بنایا تھا۔ شہر کی صرف دیواریں ہی مضبوط نہیں بناتی تھیں بلکہ فوج کو ایسی ٹریننگ دی تھی کہ کوئی طاقتور حملہ آور بھی شہر کو محاصرے میں نہیں لے سکتا تھا۔ شہر کے اردگرد ایسی رکاوٹیں بنائی گئی تھیں کہ حملہ آور فوج شہر کے قریب نہیں آسکتی تھی۔ شہر کی فوج کو یہ ٹریننگ دی گئی تھی کہ شہر کو محاصرے میں لینے والی فوج پر باہر آکر حملہ کر دیتی اور حملوں کا یہ سلسلہ جاری رکھتی تھی۔

قوطیوں نے بھی مریدا کو خوبصورت اور دفاعی لحاظ سے مضبوط بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ مؤرخ کوندے لکھتا ہے کہ وجہ معلوم نہیں کیا تھی کہ روم کے بادشاہوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ مریدا کو روم سے زیادہ خوبصورت بنائیں گے۔ وہ تو جیسے اس ضد میں آگئے تھے کہ مریدا کو روم کے مقابلے میں فوقیت دینی ہے۔ اس شہر کے قریب سے دریائے دادیانہ گزرتا تھا۔ اس پر جو پُل تعمیر کیے گئے تھے۔ ان کے ستون دریا میں بنائے گئے تھے۔ اُس زمانے میں دریا میں ستون کھڑے کرنے کا تصور ہی نہیں تھا لیکن رومیوں نے یہ عجوبہ بھی کر دکھایا۔

اس شہر کے گرجے تو بہت ہی خوبصورت تھے اور ان میں دولت بھی خوب جمع تھی۔ مریدا کا بڑا پادری (بطریق) طلیطلہ کے بطریق سے زیادہ بڑی حیثیت رکھتا تھا اور اس کا حکم سارے ملک پر چلتا تھا، اسی لیے اسے بطریق اعظم کہتے تھے۔ کبھی کبھی اس کا جلوس نکلا کرتا تھا کم و بیش ایک ہزار افراد ایک ہی وردی میں ملبوس اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ وردی زرق برق ہوتی تھی تاریخ دان لکھتے ہیں کہ یہ جلوس صرف اس لیے نکالا جاتا تھا کہ لوگوں پر بطریق اعظم کی شان و شوکت اور عظمت کا رعب طاری رہے۔ لوگوں کے دلوں پر رعب جمائے رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر کے لوگ دولت مند تھے۔ جتنی دولت اس شہر میں تھی اتنی اُندلس کے کسی اور شہر میں نہیں تھی۔ بطریق اعظم ان دولت مندوں سے پیسہ بٹورتا رہتا تھا۔

"کیا ان لوگوں میں لڑنے کا جذبہ بھی ہے؟" ـــــ موسیٰ بن نصیر نے اپنے جاسوسوں سے پوچھا اور خود ہی کہا ـــــ "نہیں ہو گا۔ لوگوں کے پاس ایک ہی چیز ہوتی ہے.... دولت یا جذبہ.... دولت عیش و عشرت کی طرف لے جاتی ہے۔"

"نہیں امیرِ محترم!" ـــــ ایک جاسوس نے کہا ـــــ "مریدا میں لوگوں کے پاس دونوں چیزیں ہیں۔ میں عیسائی تاجر بن کر اس شہر میں داخل ہوا اور ایک سرائے میں قیام کیا تھا۔ میں دو گرجوں میں بھی

گیا تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہی ایک بات کی کہ مسلمانوں نے سارے ملک پر قبضہ کر لیا ہے، اب کیا ہو گا؟ وہ تو مریدا پر بھی قبضہ کر لیں گے....

"امیر محترم! مجھے ہر آدمی سے ایک ہی جیسا جواب ملا جو یہ ہے کہ مریدا کے عیسائیوں میں غیرت بھی ہے جرأت اور ہمت بھی ہے۔ یہ جو گرجوں اور عبادت گاہوں میں رہنے والے مذہبی لوگ ہیں، ان کی ڈھیلی ڈھالی قبائیں اور لمبی داڑھیاں نہ دیکھو۔ یہ زبردست جنگجو ہیں۔ یہ اپنے گرجوں کی حرمت پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن جان دینے سے پہلے ہر اُس مسلمان کی جان ضرور لے لیں گے جو اُن کے سامنے آئے گا۔ باقی لوگ بھی لڑیں گے۔ بھاگے گا کوئی بھی نہیں۔ مریدا میں مسلمان اُس وقت داخل ہوں گے جب اس شہر میں ایک بھی عیسائی زندہ نہیں ہو گا....

"امیر محترم! میں نے شہر میں خوف وہراس کا نام ونشان نہیں دیکھا۔ فوج چاک وچوبند ہے اور یہ فوج باہر آکر لڑے گی۔ شہر میں دولت بے انداز ہے لیکن عیش وعشرت کا کسی کو خیال نہیں۔ طارق اعظم نے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف آگ بگولہ کر رکھا ہے۔"

❁

موسیٰ بن نصیر جب اس آخری پڑاؤ سے مریدا کی طرف کوچ کرنے لگا تو اُس نے اپنے لشکر سے خطاب کیا۔ اُس کی تقریر بڑی جوشیلی تھی جس نے لشکر کے حوصلے اور جذبے میں نئی روح پھونک دی۔

کوچ کے دوران موسیٰ کے تینوں بیٹے اُس کے ساتھ تھے۔ اُس نے تینوں بیٹوں کی طرف باری باری دیکھا۔

"میرے عزیز بیٹو!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "میری باتیں غور سے سنتے چلو اور میری ہر بات کو وصیّت سمجھنا۔ میری عمر دیکھو۔ میرا جسم جواب دے گیا ہے۔ یہ رُوحانی قوّت ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے اور لڑا رہی ہے۔ تم جانتے ہو میں نے کتنی لڑائیاں لڑی ہیں۔ آدھی سے زیادہ عمر میدانِ جنگ میں کوچ اور پیش قدمی میں گزری ہے.... یوں سمجھو کہ میری جسمانی طاقت تم تینوں کے جسموں میں منتقل ہو گئی ہے۔ اب تو میں کوچ کے دوران گھوڑے کی پیٹھ پر بھی مر سکتا ہوں اور کسی بھی وقت بستر پر میری موت واقع ہو سکتی ہے۔ یہ تم ہو جنہوں نے مجھے دفن کر کے میرے نام کو اور میری روایات کو زندہ رکھنا ہے....

"میں تمہیں ایک ملک فتح کر کے دے چلا ہوں۔ یہ میری زندگی کی آخری جنگ ہے ہو سکتا ہے میں اسی جنگ میں مارا جاؤں۔ میرے اس ورثے کو تم نے سنبھالنا ہے.... عبدالعزیز! میں تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں کہ اُندلس کے پہلے امیر تم ہو گے۔ یہ میرے اختیار میں ہے کہ میں کسے امیر بناتا ہوں۔ میں امیرالمومنین سے منظوری لے لوں گا۔"

"ہمارے عظیم والد!" ـــــ موسیٰ کے بیٹے عبداللہ نے کہا ـــــ "کیا امارت کا حقدار ابنِ زیاد نہیں؟ اُندلس کی جنگی طاقت کو تو اُس نے توڑا ہے اور آج وہ طلیطلہ کے محل میں بیٹھا ہے جو اُندلس کا دل ہے۔"

"جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے بیٹا!" ــــ مُوسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "اور جو میں سوچ سکتا ہُوں وہ تم نہیں سوچ سکتے۔ ابھی میری یہ وصیّت دل پر نقش کر لو کہ میدان ہو یا محاصرہ، پیٹھ نہیں دکھانی اور دوسری بات یہ ذہن نشین کر لو کہ اس ملک میں محل ہیں، دولت اتنی جیسے سونے اور چاندی کی ندیاں بہ رہی ہوں، حُسن اور بے حیائی ایسی جیسی تم نے کبھی دیکھی نہ سنی ہوں۔ تم جوان ہو اور جوانی اندھی ہوتی ہے۔ اگر تم بھٹک گئے تو گھر کے رہو گے نہ گھاٹ کے۔ اُن شہیدوں کی رُوحیں جنہوں نے اُندلس پر جانیں قربان کی ہیں، تم پر تباہی نازل کریں گی۔"

"ایسا نہیں ہوگا والدِ محترم!" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "ایسا نہیں ہوگا۔"

"اب اس پر غور کرو کہ مریدا کا محاصرہ آسانی سے کامیاب نہیں ہوگا" ــــ مُوسیٰ نے کہا ــــ "مریدا ہم سے جان اور خون کی بہت زیادہ قربانی لے گا۔"

"ہم قربانی دیں گے" ــــ تینوں بیٹوں نے کہا۔

⬤

مریدا میں بھی ایک محل تھا جس میں اُندلس کے بادشاہ کا نمائندہ رہتا تھا۔ نمائندہ شاہی خاندان کا فرد ہُوا کرتا تھا۔ اب وہاں جو نمائندہ تھا وہ راڈرک کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا۔ اس کا نام رازِیلیو تھا اور اُس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ شاہی نمائندہ بھی بادشاہ ہی ہُوا کرتا تھا لیکن راڈرک کے مرنے کے بعد رازیلیو کی بادشاہی برائے نام رہ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ راڈرک مر گیا تھا بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ راڈرک کی ایک بیوہ مریدا میں آگئی تھی۔ اس کی حیثیت ملکہ کی تھی اور مریدا ابھی راڈرک کے شاہی خاندان کا شہر تھا۔

راڈرک کے مرنے سے ایک سے زیادہ عورتیں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان میں ایک یہ جوان سال بیوہ تھی جس کا نام ایجیلونا تھا۔ اُس وقت اس کی عمر ستائیس اٹھائیس سال تھی۔ وہ چونکہ شاہی خاندان کی فرد تھی اس لیے جو علاقے ابھی مسلمانوں کے قبضے میں نہیں آئے تھے۔ اُن علاقوں میں ایجیلونا کا حکم چلتا تھا اور شاہی نمائندے اور جرنیل اُس کے ماتحت تھے۔

راڈرک جب دریائے گادلیت کے میدانِ جنگ کو جا رہا تھا تو ایجیلونا مریدا چلی گئی تھی۔ یوں تو راڈرک نے اپنے حرم میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین عورت رکھی ہُوئی تھی لیکن ایجیلونا کے حُسن میں کوئی ایسی کشش تھی جو حسین عورتوں میں کم ہی دیکھنے میں آتی تھی۔ آگے چل کر یعنی راڈرک کے مرنے کے بعد ایجیلونا نے بلکہ اس کے غیر معمولی حسن نے ایسی تاریخی حیثیت حاصل کر لی کہ تقریباً تمام مؤرخوں نے اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے حُسن میں کوئی خصوصی کشش تو تھی لیکن اس کے بولنے کے انداز میں اور اُس کے ناز و انداز میں اور اُس کی چال ڈھال میں طلسماتی سا اثر تھا۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ وہ زبان سے کم اور آنکھوں سے زیادہ بولتی تھی اور زیادہ پُراثر وہ تبسم تھا جو ہر وقت اُس کے ہونٹوں پر رہتا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُس کی ماں یہودن تھی اور بعض نے اُس کی ماں کو یونانی عیسائی لکھا ہے۔ بہر حال ایجیلونا کا شمار شاہی خاندان کے افراد میں ہوتا تھا۔

ملکہ تو کوئی اور تھی۔ وہ رچمانڈ کی ماں تھی لیکن راڈرک نے ایجیلونا کو ملکہ کا ہی درجہ دے رکھا تھا۔

ایجیلونا آنکھ کے اشارے سے اپنی بات منوالیا کرتی تھی لیکن کسی کو شک تک نہیں ہونے دیتی تھی کہ وہ عیّار اور مکّار عورت ہے۔

راڈرک کی موت کی خبر آئی تو مریدا میں رازیلیو شاہی نمائندہ تھا۔ وہ طلیطلہ گیا۔ وہاں ایجیلونا سے ملا۔ اُس نے اس عورت کے ساتھ پہلے ہی بے تکلفی پیدا کر رکھی تھی۔

"یہاں تمہیں کوئی چین سے نہیں رہنے دے گا ایجیلونا!" ——— رازیلیو نے کہا ——— "یہاں تخت نشینی کے لیے درپردہ سازشیں شروع ہو چکی ہیں۔ تخت کا وارث رچمانڈ ہے۔ وہ ملکہ کا بیٹا ہے لیکن راڈرک کے دوسری عورتوں سے بھی بیٹے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری کوئی اولاد نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ملکہ کو شک ہے کہ تم جرنیلوں اور شہری حاکموں کو ساتھ ملا کر اُندلس کی ملکہ بن بیٹھو گی۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ یہاں سے نکل چلو۔"

"کہاں جاؤں؟"

"مریدا" ——— رازیلیو نے جواب دیا ——— "میرے ساتھ چلو۔"

"وہاں کیا ہوگا؟" ——— ایجیلونا نے پوچھا ——— "وہاں میری حیثیت کیا ہو گی؟"

"وہاں تم ملکہ ہو گی" ——— رازیلیو نے جواب دیا ——— "میں تمہارے ساتھ ہوں گا.... اگر تم کوئی اور خواب دیکھ رہی ہو تو وہ دل سے اتار دو۔ اُندلس کی بادشاہی کو مسلمانوں نے توڑ پھوڑ دیا ہے۔ راڈرک مارا گیا ہے۔ ہماری جنگی طاقت ریزہ ریزہ ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کا رُخ طلیطلہ کی طرف ہے۔ اب ہم میں جو جہاں ہے وہاں کا بادشاہ ہو گا۔ ہم دونوں شاہی خاندان کے افراد ہیں۔ ہم مریدا میں اپنی خود مختار حکومت بنائیں گے۔ مریدا کا دفاع بہت مضبوط ہے۔ وہاں کی فوج بہت طاقتور ہے۔ آہستہ آہستہ اپنی بادشاہی کو پھیلائیں گے۔ مریدا ہمارا مذہبی مرکز ہے۔ مریدا البطریق اعظم کی گدی ہے۔ تم میں یہ خوبی موجود ہے کہ بطریق اعظم کو اپنی مٹھی میں لے سکتی ہو۔ تم کلیسا کو اپنے تابع کر سکتی ہو.... مت سوچو.... کچھ نہ سوچو۔ میرے ساتھ چلو۔"

اگلے ہی روز ایجیلونا نے اپنا سامان گھوڑا گاڑیوں میں رکھوایا۔ اُسے کسی نے نہ روکا۔ راڈرک کی جائز اور ناجائز بیوگان خوش ہوں گی کہ تخت و تاج کی دعویدار تو گئی۔ اُس سے کسی نے نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے نہ یہ دیکھا کہ وہ اپنے ساتھ کیا لے جا رہی ہے۔ وہ تو سونے اور جواہرات کی صورت میں اچھا خاصا خزانہ اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔ اپنی ذاتی خادمائیں اور وفادار خادم اُس کے ساتھ تھے۔

رازیلیو اُس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی مریدا کو روانہ ہو چکا تھا اور طلیطلہ سے کچھ کوس دُور ایجیلونا کے انتظار میں رُکا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ محافظ دستہ بھی تھا۔ ایجیلونا کا قافلہ اُس تک پہنچا۔ تو وہ ایک قافلہ بن کر مریدا کو روانہ ہو گئے۔

❁

مریدا جا کر رازیلیو نے ایجیلونا کو محل میں آباد کر دیا لیکن دونوں نے کسی بھی حاکم سے یہ نہ کہا کہ وہ اب دارالحکومت سے آزاد اور خود مختار ہیں۔ خطرہ تھا کہ وہاں کے جرنیل اور دیگر اعلیٰ حاکم ان کی

اطاعت قبول کرنے سے انکار کردیں گے۔ اُنہوں نے اپنی وہی حیثیت ظاہر کی کہ وہ شاہی خاندان کے افراد ہیں۔

مریدا میں دو جرنیل تھے۔ شہری انتظامیہ کے تین چار حاکم تھے اور بطریق اعظم کے علاوہ چھوٹے بڑے پادری بھی تھے۔ ایجیلونا نے وہاں پہنچتے ہی ضیافتوں اور رقص کی محفلوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور چند دنوں میں ہی ہر جرنیل، ہر حاکم اور رازلیو اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ راڈرک کی یہ خوبصورت بیوہ اُسی کی ہے۔ ہر کسی کو اُس نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

"ایجیلونا!" — ایک روز رازلیو نے اُسے کہا — "یہاں جسے دیکھتا ہوں وہ تمہارا عاشق ہے .... شاید ہر جرنیل اور ہر حاکم یہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ تم اُس کے ساتھ شادی کرو گی۔"

"کیا یہ میری کامیابی نہیں کہ میں نے اپنے عاشق پیدا کر لیے ہیں!" — ایجیلونا نے کہا — "اور ہر ایک کو یہ خواب دکھا رہی ہوں کہ وہی میرا خاوند ہوگا۔"

"کیا میں بھی تو خواب نہیں دیکھ رہا؟" — رازلیو نے پوچھا۔

"تم کیوں خواب دیکھو گے؟" — ایجیلونا نے اپنی بڑی دل کش مسکراہٹ سے کہا — "کیا میں ان بوڑھے جرنیلوں میں سے کسی کی بیوی بنوں گی؟ .... میرے دوسرے چاہنے والوں کو دیکھ لو۔ ہے کوئی ایسا جو میرے قابل ہو؟ میں نے ان سب پر اپنا نشہ طاری کر دیا ہے اور میں نے ہر ایک کو مریدا کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے تیار کر دیا ہے .... تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ میں نے تمہیں یہاں کا بادشاہ بنانا ہے اور خود تمہاری ملکہ بننا ہے۔"

"تو کیا میں یقین رکھوں کہ تم صرف میری ہو؟" — رازلیو نے جذباتی لہجے میں پوچھا۔

"تو اور کس کی ہوں؟" — ایجیلونا نے کہا — "ہاں .... دل کی ایک بات تمہیں بتا دیتی ہوں .... میں ملکہ بننا چاہتی ہوں۔ یہ میری خواہش بھی ہے اور یہ میرا ارادہ بھی ہے .... کیا تم ملکہ بناؤ گے؟"

"کیا فضول سوال پوچھا ہے تم نے!" — رازلیو نے کہا — "ملکہ تم نے ہی بننا ہے۔"

"کیا تم نے سنا ہے کہ غرناطہ اور قرطبہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے؟" — ایجیلونا نے پوچھا — "کیا تم نے سنا ہے کہ مسلمانوں کی ایک اور فوج اُندلس میں داخل ہو گئی ہے؟"

"سنا ہے" — رازلیو نے جواب دیا — "مجھ تک اطلاع پہنچ چکی ہے کہ اس نئی فوج کا رُخ مریدا کی طرف ہے۔"

کیا تم اس فوج سے مریدا کو بچا لو گے؟" — ایجیلونا نے پوچھا۔

"ہاں ایجیلونا!" — رازلیو نے کہا — "مسلمانوں کی فوج یہاں مرنے کے لیے آ رہی ہے۔"

"میں نے ایسی باتیں طلیطلہ میں بھی سنی تھیں" — ایجیلونا نے کہا — "مگر مجھے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کی پہلی فوج طلیطلہ کو محاصرے میں لینے کے لیے گئی تو شہریوں نے دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں کا استقبال کیا .... کیا تم ایسی بہادری دکھا سکتے ہو کہ فوج کا کچھ حصہ اپنی کمان میں لو اور شہر کے باہر حملہ آوروں پر ایسے زبردست حملے کرو کہ وہ بھاگ جائیں یا ختم کر دیئے جائیں؟"

"تم دیکھ لینا میں کیا کرتا ہوں" — رازلیو نے کہا۔

"اور تم دیکھ لینا کہ میں کس طرح اپنا جسم اور اپنی روح تمہارے حوالے کر کے تمہاری ملکہ بنتی ہوں"۔۔۔ ایجیلونا نے کہا۔
حقیقت یہ تھی کہ ایجیلونا یہی باتیں مریدا کے ہر جرنیل اور ہر حاکم کے ساتھ کرتی تھی۔ وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس رات کو جاتی تھی لیکن ہر کسی کے لیے سراب بنی رہتی تھی۔ وہ ہر کسی کو اپنے ہاتھوں شراب پلاتی تھی اور پینے والا اُس کے حُسن میں گم پیتا چلا جاتا اور بیہوش ہو جاتا اور ایجیلونا وہاں سے واپس آ جاتی۔

●

"حملہ آور آ رہے ہیں"۔
"تیار ہو جاؤ"۔
"ہوشیار ہو جاؤ"۔
یہ ایک للکار تھی جو شہر کی دیواروں پر بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ سارے شہر میں کھلبلی بپا ہو گئی لیکن اس کھلبلی میں خوف و ہراس نہیں بلکہ جوش و خروش تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر چھپنے کے لیے بھاگ دوڑ نہیں رہے تھے بلکہ لڑائی کے لیے تیار ہو رہے تھے، ہتھیار بند ہو رہے تھے۔ بہت دنوں سے کمانیں اور تیر بنائے جا رہے تھے۔ پھینکنے والی برچھیاں بن رہی تھیں۔ عورتیں، کمسن لڑکے اور لڑکیاں بھی تیر اندازی کی مشق کر رہی تھیں۔ تمام جوان اور ادھیڑ عمر شہری دو تین مہینوں سے فوج کے ساتھ مل کر جنگی مشقیں کر رہے تھے۔ جب سے ایجیلونا اس شہر میں آئی تھی جنگی تیاریاں پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھیں۔ ایجیلونا خود یہ مشقیں دیکھتی اور شہریوں میں جوش اور جذبہ پیدا کرتی تھی۔
جوں ہی اس کے کانوں تک یہ آواز پہنچی کہ حملہ آور آ رہے ہیں، اُس نے نیام سے تلوار نکالی اور اصطبل میں جا پہنچی۔ اُس نے راڈیریو کا گھوڑا تیار کرایا، اس پر سوار ہوئی اور گھوڑا دوڑا دیا۔ شہر کی گلیوں میں وہ ننگی تلوار لہراتی اور گھوڑا دوڑاتی پھرنے لگی۔
"مریدا کے لوگو!"۔۔۔ وہ چلا چلا کر کہتی پھر رہی تھی۔۔۔ "تمہارے امتحان کا وقت آ گیا۔ کنواری مریم کی عصمت تمہیں پکار رہی ہے"۔
پھر جہاں کہیں لوگ اسے دیکھ کر اکٹھے ہو جاتے وہاں وہ اُن کے درمیان رُک جاتی اور بڑی ہی بلند اور جوشیلی آواز میں لوگوں کو ان الفاظ سے بھڑکاتی:
"وہ بزدل اور بے غیرت تھے جنہوں نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالے اور اپنے شہر ان کے حوالے کر کے اُن کے غلام بن گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹیاں بھی ان کے حوالے کر دی ہیں.... کیا تم اپنی بیٹیاں جنگلی اور وحشی بربروں کے حوالے کر دو گے؟"
"نہیں.... نہیں"۔۔۔ ہر جگہ مجمع جواب دیتا۔۔۔ "ہم اپنی عزت پر مر مٹیں گے"۔
"یہ نہ بھولنا کہ یہ غرناطہ اور قرطبہ نہیں"۔۔۔ وہ پُرجوش خطاب جاری رکھتی۔۔۔ "یہ مریدا ہے، یہ بطریقِ اعظم کا شہر ہے۔ آج کلیسا کی آبرو تمہیں پکار رہی ہے۔ تمہیں صلیب پکار رہی ہے۔ صلیب پر

لٹکے ہوئے یسوع مسیح کی روح مقدس دیکھ رہی ہے کہ تم عیسائیت کی عظمت پر جانیں قربان کرتے ہو یا اپنی جانوں کو عزیز رکھتے ہو.... اگر تم نے مسلمانوں کو شکست دے دی تو تم یہاں ان شہروں کی طرف پیشقدمی کرو گے جس پر مسلمان قبضہ جماتے بیٹھے ہیں۔ یہ سعادت تمہارے حصے میں آتی ہے کہ تم مسلمانوں کو اُندلس سے نکالو گے۔ اگر تم بھی دل چھوڑ بیٹھے تو تمہارے گرجے مسجدیں بن جائیں گے۔ کیا تم کلیسا کی یہ بے حرمتی برداشت کر لو گے؟

"نہیں.... نہیں"

ایجیلونا فوج میں گئی تو وہاں بھی اُس نے یہی جوشیلی تقریر کی۔ کچھ تو الفاظ جوشیلے تھے اور زیادہ تر ایجیلونا کی حسین اور دلکش شخصیت کا اثر تھا کہ لوگ آتش فشاں پہاڑ کے اندر اُبلتے ہوئے لاوے کی صورت اختیار کر گئے۔ ایک عورت مردوں کو للکارے تو مردوں پر جنونی کیفیت طاری ہو جانا قدرتی امر ہے۔

موسیٰ بن نصیر تو یہ توقع لے کر آیا تھا کہ وہ مریدا کو محاصرے میں لے لے گا حالانکہ جاسوسوں نے اسے بتایا تھا کہ مریدا کی فوج شہر سے باہر لڑے گی اور شہر کے باہر رکاوٹیں اتنی زیادہ ہیں کہ شہر کی دیوار کے قریب جانا ممکن نہیں ہوگا۔ موسیٰ نے دُور سے دیکھا کہ شہر کی دیوار سے خاصا آگے رکاوٹوں کے باہر مریدا کی فوج تیار کھڑی تھی۔ اس فوج نے اپنے ہی شہر کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

موسیٰ نے اپنے لشکر کو دُور روک لیا۔ لشکر بہت فاصلہ طے کر کے آیا تھا۔ گھوڑے بھی تھکے ہوئے تھے لیکن پیادے زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ موسیٰ نے لشکر کو آرام کرنے کو کہا اور خود اپنے تینوں بیٹوں اور ایک دو سالاروں کو ساتھ لے کر شہر کے گرد چکر لگانے کے لیے چلا گیا۔ وہ شہر کا دفاع دیکھ رہا تھا۔ اس کے مطابق اُس نے اپنے حملے کا پلان بنانا تھا۔

شہر کے پیچھے نوکیلی چٹانیں بھی تھیں اور ان کے ساتھ سرسبز ٹیکریاں بھی تھیں جن میں بعض قلعے کی دیوار جتنی اونچی تھیں۔ ان پر درخت تھے اور اونچی گھاس کے علاوہ خودرو پودے بھی تھے۔ ان کے درمیان راستے تھے۔ اِدھر شہر پناہ کے قریب جانا بہت مشکل نظر آتا تھا۔

"ہم ان ٹیکریوں اور چٹانوں کے اندر سے اس سامنے والے دروازے تک جا سکتے ہیں"۔ — موسیٰ بن نصیر نے کہا — "اِدھر فوج بھی نہیں"۔

مُوسیٰ نے اپنے گھوڑے کو ٹیکریوں کی طرف بڑھایا اور دو ٹیکریوں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ وہ ایک درخت کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک تیر درخت کے تنے میں جڑوں کے قریب آلگا۔ موسیٰ نے گھوڑا روک لیا۔ پھر ایک اور تیر آیا جو گھوڑے کے آگے ایک دو قدم دُور زمین میں لگا۔ موسیٰ نے گھوڑے کو بڑی تیزی سے پیچھے کو موڑا اور وہاں سے واپس آگیا۔ دونوں تیر شاید دُور سے آئے تھے اس لیے مُوسیٰ کو یا اُس کے گھوڑے کو نہ لگے اور نیچے لگے یا تیر اندازوں نے موسیٰ کو خبردار کیا تھا کہ وہ اس سے آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔

اس پہاڑی علاقے میں فوج چھپی ہوئی تھی۔ یہ فوج اس سے زیادہ خطرناک تھی جو شہر کے دوسری

طرف سامنے نظر آرہی تھی۔ ٹیکریوں اور چٹانوں کے اس علاقے کے ساتھ زمین کٹی پھٹی تھی اور اتنی دشوار گزار کہ وہاں سے گھوڑوں کو تیز رفتاری سے گزارنا ممکن نہیں تھا۔

"میرے عزیز ساتھیو!"— موسیٰ بن نصیر نے کہا — "بہت مشکل پیش آئے گی، پھر بھی ہمیں اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔"

صفِ اوّل کے مؤرخ لکھتے ہیں کہ مریدا شہر کو قدرت نے جو دفاع مہیا کر رکھا تھا وہ تو مضبوط تھا ہی لیکن مریدا کی فوج اور اس کے شہری جس جذبے اور جوش وخروش سے اس شہر کے دفاع پر تیار ہو گئے تھے وہ بظاہر ناقابلِ تسخیر لگتا تھا۔ شہر کے اندر، شہر پناہ پر اور باہر فوج میں بطریقِ اعظم پادریوں کے جلوس میں صلیب اٹھائے گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اس کے بعد ایجیلونا ہاتھ میں ننگی تلوار لیے گھوڑے پر سوار، شہر میں اور باہر آکر فوج میں گھوم جاتی اور جگہ جگہ رُک کر ایسے جوشیلے الفاظ کہتی کہ سننے والے مشتعل ہو جاتے۔

❁

مُوسیٰ بن نصیر اپنے بیٹوں اور دو سالاروں کے ساتھ شہر کے پیچھے زمین کا اور شہر پناہ کا جائزہ لے رہا تھا کہ اُسے دُور کا شور سنائی دیا۔ مُوسیٰ اور اُس کے ساتھی اس شور سے واقف تھے۔ یہ لڑائی کا شور تھا۔ سینکڑوں گھوڑوں کے دوڑنے کا قیامت خیز شور تھا۔ زمین ہل رہی تھی۔

مُوسیٰ نے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگا دی۔ اُس کے بیٹے اور سالار اُس کے پیچھے گئے۔ وہ اپنے لشکر کی طرف جا رہے تھے۔ وہ جب شہر کے پہلو سے گھومے تو انہوں نے ایسا منظر دیکھا کہ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ مریدا کی فوج نے جو شہر کے باہر تیار کھڑی تھی، مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ مسلمان اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سوار گھوڑوں سے زینیں اتار چکے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ گھوڑوں کو پانی کہاں سے پلائیں۔ پیادے لیٹ گئے تھے اور لشکر کا کھانا تیار ہو رہا تھا۔

اُنہوں نے عیسائی فوج کو آتے دیکھا تو جس حالت میں تھے، اسی حالت میں ہتھیار اُٹھا لیے۔ سواروں کو زینیں گھوڑوں پر ڈالنے کی مہلت نہ ملی۔ وہ برچھیاں اور تلواریں لے کر پیادوں کی طرح مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ سب سے زیادہ ضروری گھوڑوں کو بچانا تھا جو بندھے کھڑے تھے۔

مسلمان تیراندازوں نے یہ پھرتی دکھائی کہ کمانیں اور ترکش اُٹھا کر اپنے لشکر کے آگے چلے گئے۔ حملہ آور ان کی زد میں آئے تو اُنہوں نے بارش کی طرح تیر برسانے شروع کر دیئے۔ عیسائی گھوڑ سوار آگے تھے۔ انہیں تیر لگتے تھے، سوار گھوڑوں پر ہی دوہرے ہو جاتے اور بعض گرتے تھے لیکن سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی رفتار میں فرق نہیں آرہا تھا۔

گھوڑے اتنی قریب آگئے کہ تیرانداز جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ پیادوں نے مقابلہ کیا۔ برچھیوں اور تلواروں سے کئی سواروں کو گرایا لیکن خود بھی گھوڑوں تلے کچلے گئے اور عیسائیوں کی برچھیوں سے زخمی بھی ہوئے۔ مسلمان لشکر اپنے سپہ سالار کے بغیر لڑ رہا تھا۔ سپہ سالار ہوتا بھی تو کیا کرتا۔ اس صورتِ حال میں کوئی چال آزمائی نہیں جا سکتی تھی سوائے اس کے کہ اپنی جانیں بچائی جائیں یا

مقابلہ کرنا تھا۔ مسلمان یہ دونوں کام کر رہے تھے۔

مریدا کے یہ حملہ آور جم کر لڑنے کے لیے نہیں آتے تھے۔ وہ اتنا ہی رُکے جتنا انہیں مسلمانوں نے روکا۔ وہ طوفان کی طرح آئے اور ہلہ بول دائیں اور بائیں کو نکل گئے اور کچھ مسلمانوں کے لشکر میں سے سیدھے پیچھے چلے گئے اور دُور کا چکر کاٹ کر واپس چلے گئے۔ ان میں سے بہت سے زخمی ہو کر مسلمانوں کے لشکر میں ہی رہ گئے۔

موسیٰ بن نصیر وہاں پہنچا تو معرکہ ختم ہو چکا تھا۔ لشکر کی حالت ویسی ہی ہو گئی تھی جیسی طوفان کے بعد کسی بستی میں دیکھنے میں آتی ہے۔ عیسائی اور مسلمان زخمی تڑپ رہے، کراہ رہے تھے کئی مر چکے تھے۔ مریدا کے یہ حملہ آور واپس اسی جگہ پہنچ گئے جہاں پہلے کھڑے نظر آتے تھے اور وہ طنزیہ نعرے لگا رہے تھے۔

"یہ غرناطہ اور قرطبہ نہیں" ___ ایک عیسائی گھوڑ سوار نے مسلمانوں کے لشکر کے قریب آ کر کہا ___ "یہ مریدا ہے۔ یہیں سے واپس چلے جاؤ" ___ اور وہ گھوڑا دوڑاتا واپس چلا گیا۔

شہر پناہ پر شہری جن میں عورتیں اور بچے زیادہ تھے، اپنی فوج کو نعروں کی صورت میں خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔

یہ پہلے دن کا تصادم تھا۔ یہ وارننگ تھی جو موسیٰ بن نصیر کی سمجھ میں آ گئی اور وہ محتاط ہو گیا۔ اس کے بعد بھی سلسلہ چلتا رہا۔ موسیٰ نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے شہر کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ اس کے مطابق عیسائی فوج بھی تقسیم ہو گئی۔ مسلمانوں کی فوج کا کوئی حصہ آگے بڑھتا تو عیسائی فوج آگے آ کر اُس کا مقابلہ کرتی اور وہیں سے پیچھے ہٹا دیتی یا مسلمانوں کو بکھیر کو خود پیچھے ہٹ جاتی۔ مسلمانوں میں اتنی ہمت نہیں رہتی تھی کہ وہ شہر کے قریب چلے جاتے۔

ہر روز شہر کے باہر دونوں فوجوں کا کسی نہ کسی طرف خونریز تصادم ہوتا اور مسلمان شہر کو محاصرے میں لینے میں ناکام رہتے۔ پروفیسر ڈوزا اور ڈاکٹر کوندے نے لکھا ہے کہ عیسائی مریدا پر جانوں کے اور خون کے نذرانے بے دریغ دے رہے تھے۔ پادری بھی لڑ رہے تھے۔ عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش باہر نکل آتی تھی۔ عالم اور بے علم ایک محاذ پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ امیر اور غریب کا، برتر اور کمتر کا، آقا اور غلام کا امتیاز ختم ہو گیا تھا۔

سات آٹھ مہینے شہر کے باہر دونوں فوجوں کے تصادم ہوتے رہے جن میں زیادہ تر بڑے پیمانے کی لڑائیاں تھیں۔ دونوں طرف خاصا جانی نقصان ہوتا رہا۔ موسیٰ بن نصیر نے آگے بڑھنا چھوڑ دیا، اور اپنے سالاروں سے صلاح مشورے کرنے لگا۔

"میں مان نہیں سکتا کہ شہر میں اتنی زیادہ رسد ہو گی جو اتنے عرصے میں ختم ہی نہیں ہوئی"... موسیٰ نے اپنے سالاروں سے کہا! "شہر میں رسد باہر سے جا رہی ہے۔ اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ شہریوں کو اناج وغیرہ کہاں سے مل رہا ہے تو ہم وہ راستہ بند کر دیں۔ پھر لڑنے کی بجائے

محاصرے کو طول دے دیں۔"

"ہم نے شہر کے ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ لیا ہے"۔۔۔ عبدالعزیز بن موسیٰ نے کہا۔۔۔"کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آیا جس سے رسد آتی ہو۔"

"راستہ ہے"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔"کوئی راستہ ہے.... ہم پہلے روز شہر کے پیچھے ایک پہاڑی علاقے میں گئے تھے۔ میں آگے گیا تو دو تیر آئے تھے۔"

"ہمیں یاد ہے"۔۔۔ سب نے کہا۔

"وہ رسد کا راستہ ہے"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔"رات کو ایک یا دو آدمی ادھر جائیں اور دیکھیں۔ رسد رات کو ہی آتی ہو گی.... میں مزید لڑائیاں بند کر دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہماری جنگی طاقت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے دشمن کی چال ہی یہی ہے کہ ہماری نفری اسی طرح کم ہوتی رہے اور جب ہم کمزور ہو جائیں تو شہر کی فوج باہر آ جائے اور ہم پر حملہ کر کے ہمارا نام ونشان مٹا دے۔"

"میں آج رات اُدھر جاؤں گا"۔۔۔ موسیٰ کے بیٹے عبداللہ نے کہا۔

"اپنے ساتھ چار مجاہدین لے لینا"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔"اور پیدل جانا، گھوڑوں سے دشمن کو پتہ چل جاتا ہے.... اور ایک ترجمان کو ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔"

اُسی رات عبداللہ بن موسیٰ چار مجاہدین کے ساتھ دُور کا چکر کاٹ کر شہر کے پیچھے اُس طرف چلا گیا جہاں ٹیکریاں اور چٹانیں تھیں اور ارد گرد زمین بُری طرح کٹی پھٹی تھی۔ کھڈ، گھاٹیاں اور ٹیلے تھے، اور یہ علاقہ لڑائی کے لیے غیر موزوں تھا۔ اس سے ذرا پیچھے دریائے وادیانہ بہتا تھا جس کے کنارے ٹیکریوں کی طرح اُونچے تھے۔

عبداللہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا دریا کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ وہاں درخت بہت ہی زیادہ تھے اور کہیں کہیں دلدل بھی تھی۔ عبداللہ اور اُس کے مجاہدین کئی بار اس دلدل میں جا پھنسے اور ایک دوسرے کے سہارے اس سے نکلے۔ رات خاموش تھی۔ چاندنی شفاف تھی۔ اگر کوئی آواز سنائی دیتی تھی تو دریا کی لہروں کی آواز تھی جو مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

کچھ اور آگے گئے تو انسانی آوازیں سنائی دینے لگیں جو قریب آ رہی تھیں۔ وہاں دلدل ختم ہو گئی تھی اور دریا کے کنارے میں راستہ بنا ہوا تھا۔ عبداللہ اور اُس کے ساتھی اونچی گھاس میں لیٹ گئے۔

دو تین آدمی باتیں کرتے آ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی دینے لگی۔ عبداللہ کے ساتھ ایک اُندلسی بھی تھا جو عربی بول سکتا تھا۔ مسلمان اپنی فوج کے ساتھ ترجمان رکھتے تھے اور انہیں خاصی زیادہ اُجرت دیتے تھے۔ یہ ترجمان اُندلسیوں اور مسلمانوں کے درمیان بات چیت کا ذریعہ ہوتے تھے۔

باتیں کرتے ہوئے آدمی قریب آ کر رُک گئے۔ اُنہوں نے آپس میں کوئی اور بات کی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" ــــ عبداللہ نے اپنے پاس لیٹے ہوئے ترجمان کے کان کے ساتھ منہ لگا کر سرگوشی میں پوچھا۔

"کشتیوں کی بات کر رہے ہیں" ــــ ترجمان نے عربی زبان میں سرگوشی کی ــــ "یہ کہہ رہے ہیں کہ کشتیاں آج بھی نہیں آئیں۔ دوسرے نے گالی دے کر کہا ہے کہ یہ سب کو بھوکا ماریں گے"

وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ ترجمان نے عبداللہ کو بتایا کہ راز مل گیا ہے۔ شہر کے لیے رسد کشتیوں میں آتی ہے اور شاید اس دشوار گزار علاقے سے گزار کر رات کو شہر میں پہنچائی جاتی ہے۔

"تم بہت آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے پیچھے جاؤ" ــــ عبداللہ نے کہا ــــ "میرے آدمی پیچھے لیٹے ہوئے ہیں۔ انہیں کہو کہ آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے مجھ تک پہنچیں"

عبداللہ کے مجاہدین چند قدم پیچھے گھاس میں لیٹے ہوئے تھے۔ وہ آواز نکالے بغیر رینگتے سرکتے عبداللہ تک پہنچے۔

"یہ جو دو اُندلسی کھڑے ہیں انہیں پکڑنا ہے" ــــ عبداللہ نے اپنے مجاہدین سے سرگوشی میں کہا پھر ترجمان سے کہا ــــ "تم اٹھو اور اس طرح چلتے ہوئے ان دونوں تک پہنچو جیسے تم دور سے چلتے آ رہے ہو۔ یہ تمہاری طرف دیکھیں تو ان سے کسی قریبی گاؤں کا نام لے کر اس کا راستہ پوچھنا پھر لڑائی کی بات چھیڑ دینا اور اس طرف لے آنا"

اُندلسی ترجمان عقلمند آدمی تھا۔ اُن اُندلسیوں کے منہ دوسری طرف تھے۔ ترجمان آہستہ سے اُٹھا اور اُن کی طرف چل پڑا۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر اُن دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ایک نے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ ترجمان دو تین قدم گھسیٹ کر چلا اور اس طرح بیٹھ گیا جیسے چل چل کر تھک گیا ہو۔

"بہت دور سے آ رہا ہوں بھائیو!" ــــ اُس نے اُندلسی زبان میں کہا ــــ "میرے قریب آؤ اور مجھے راستہ بتاؤ"

وہ دونوں اس کے قریب آ گئے۔ ترجمان آہستہ آہستہ اُٹھا اور باتیں کرتے کرتے ایسی پوزیشن میں آ گیا کہ دونوں اُندلسیوں کی پیٹھیں عبداللہ کی طرف ہو گئیں۔ فاصلہ چار پانچ قدم تھا۔ وہ دونوں فوجی تھے۔ عبداللہ نے اپنے مجاہدین کو اشارہ کیا۔ وہ چاروں عبداللہ کے ساتھ اُٹھے اور پیشتر اس کے کہ دونوں اُندلسی فوجیوں کو پتہ چلتا کہ یہ کیا ہوا ہے وہ مجاہدین کے بازوؤں میں جکڑے جا چکے تھے اور ان کی تلواریں مجاہدین کے ہاتھوں میں تھیں۔ انہیں عبداللہ نے اپنے ساتھ لیا اور دریا کے کنارے سے واپس اپنے کیمپ میں آ گئے۔

مُوسیٰ بن نصیر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ عبداللہ نے اُسے جگا کر بتایا کہ وہ کیا لایا ہے۔

دوسرے سالار بھی آ گئے اور اُندلسی فوجیوں کو درمیان میں بٹھا لیا گیا۔ وہ بہت ڈرے ہوئے تھے۔

"ڈرو مت" ــــ موسیٰ نے انہیں ترجمان کی معرفت کہا ــــ "تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ مریدا کو فتح کرنے میں ہماری مدد کرو گے تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا..... یہ بتاؤ کہ شہر میں رسد کدھر سے آتی ہے اور شہر میں اناج وغیرہ کا ذخیرہ کتنا ہے؟"

"ہم دریا پر رسد لانے والی کشتیوں کو ہی دیکھنے گئے تھے" ــــ ایک اُندلسی نے کہا ــــ "ہم دونوں فوج میں عہدیدار ہیں۔ شہر میں اناج اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء دس بارہ دنوں بعد رات کو کشتیوں کے ذریعے آتی ہیں اور ہم لوگ کشتیوں سے اتار کر گھوڑا گاڑیوں میں شہر میں لاتے ہیں، پھر یہ اشیاء شہریوں اور فوجیوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اب کشتیوں کو دو روز پہلے آجانا چاہیئے لیکن اب تک نہیں آئیں معلوم نہیں کیا رکاوٹ ہو گئی ہے۔"

"کیا شہر میں رسد کا ذخیرہ ہے؟" ــــ موسیٰ نے پوچھا۔

"بہت کم رہ گیا ہے" ــــ اُندلسی نے جواب دیا ــــ "اگر آج رات کشتیاں نہ آئیں تو شہر میں اور فوج میں بھی اشیاء کی قلت پیدا ہو جائے گی۔"

"شراب کا ذخیرہ تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے" ــــ دوسرا اُندلسی بولا ــــ "شہر میں شراب کشید کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ شراب باہر سے آتی ہے۔ جب سے لڑائی شروع ہے لوگ شراب زیادہ پی رہے ہیں بلکہ حاکموں اور پادریوں نے انہیں کہا تھا کہ شراب زیادہ پئیں کیونکہ شراب دل پر خوف طاری نہیں ہونے دیتی اور خوف کی بجائے جرأت اور دلیری دیتی ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے شہری بھی کس جوش اور جذبے سے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"اور آپ نے فوجیوں کو لڑتے دیکھ لیا ہے" ــــ پہلا اُندلسی بولا ــــ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم شراب پی کر ہی لڑ سکتے ہیں۔ ہم میں غیرت ہے اور دشمن سے اپنے وطن کو بچانے کا جذبہ بھی ہے لیکن شراب ہمیں بہت زیادہ دلیر بنا دیتی ہے۔ اب یہ صورت پیدا ہو گئی ہے کہ فوجی روٹی اور گوشت کی بجائے شراب مانگتے ہیں۔"

"گوشت والے جانور بھی ختم ہو گئے ہیں" ــــ دوسرے نے کہا ــــ "لوگ زخمی اور بیمار گھوڑوں کا گوشت کھا رہے ہیں۔"

"اس راستے کے علاوہ رسد شہر میں لانے کا اور کوئی راستہ ہے؟" ــــ موسیٰ بن نصیر نے پوچھا۔

"راستے تو کئی ہیں" ــــ اُندلسی نے جواب دیا ــــ "لیکن آپ کی فوج کی موجودگی میں یہ ایک ہی راستہ رہ گیا ہے جس پر ہم جا رہے تھے۔ یہ راستہ اس لیے محفوظ ہے کہ اُدھر دریا ہے اور دریا سے شہر تک علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار ہے۔ آپ نے اُدھر اپنی فوج اسی لیے نہیں رکھی ہو گی کہ وہ زمین لڑائی کے قابل تو ہے نہیں..... ہم اس علاقے سے بڑی مشکل سے گاڑیاں گزارتے ہیں۔ یہ راستہ بھی بند ہو جائے تو شہر میں قحط پڑ جائے۔"

"ان دونوں کو لے جاؤ" ــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔"

دونوں اُندلسیوں کو لے گئے تو مُوسیٰ بن نصیر نے خیمے سے نکل کر آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ ستاروں کو دیکھ کر وقت کا اندازہ کر رہا تھا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ پانچ سو سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے فوراً اس مقام تک چلے جائیں جہاں کشتیوں سے سامان اتار اور گھوڑا گاڑیوں میں لے جایا جاتا ہے۔

"عبداللہ!" — موسیٰ نے اپنے بیٹے سے کہا۔ "تم ان سواروں اور پیادوں کے ساتھ جاؤ۔ تم نے وہ جگہ دیکھ لی ہے۔ رسد کو روکنا ہے۔ اپنے لشکر کو اس طرح دُور دُور سے وہاں تک لے جانا کہ دشمن کو پتہ نہ چلے۔ اپنی اس نفری کو دریا کے کنارے پر بلکہ کنارے کے نیچے چھپا کر رکھنا ہے۔ اگر تم پر حملہ ہو گیا تو حملہ آور دستوں سے پہلو کی طرف سے حملے کا میں انتظام کر دوں گا.... تم فوراً نکلو اور صبح کاذب تک وہاں پہنچ جاؤ۔ ہر پیادے کے پاس دوسرے ہتھیاروں کے علاوہ کمانیں اور تیروں سے بھرے ہُوئے ترکش ہونے چاہئیں۔ دشمن کو قریب نہیں آنے دینا۔ مریدا کے لوگ روٹی کے بغیر زندہ رہ لیں گے لیکن شراب کے بغیر وہ اندھے اور باؤلے ہو جائیں گے۔ اب مریدا کو اپنا سمجھو۔"

عبداللہ نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ اور ایک دستہ ڈیڑھ ہزار پیادوں کا تیار کرایا۔ سب کو ایک ایک کمان اور تیروں سے بھرے ہوئے دو دو ترکش دیئے اور آگے جانے کی بجائے پیچھے چلا گیا۔ وہاں سے گھوما اور دریا میں اُتر گیا۔ اُس نے اپنے لشکر کو کنارے کے ساتھ ساتھ رکھا جہاں پانی گھٹنوں تک ہی تھا۔ وہ جگہ اتنی زیادہ دُور نہیں تھی کہ رات گزر جاتی۔ مریدا کے بڑے گرجے کا گھنٹہ بجنے لگا تھا اور مسلمانوں کے کیمپ میں مؤذن اذان دے رہا تھا جب عبداللہ بن موسیٰ اپنے دستوں کے ساتھ اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں کشتیاں سامان اتارا کرتی تھیں۔

وہ پتن تھا۔ لکڑی اور پتھروں کے چبوترے بنے ہُوئے تھے۔ دریائی سفر کے لیے لوگ وہاں سے کشتیوں میں سوار ہوا کرتے تھے۔ اس دریا پر پُل بھی تھے لیکن ان کے سامنے مسلمان فوج موجود تھی اس لیے وہاں سے رسد نہیں گزر سکتی تھی۔

عبداللہ نے عقلمندی سے اپنی نفری کو پھیلا دیا اور صبح کا اُجالا سفید ہونے لگا۔

❀

اُندلس کی فوج کے دو عہدیدار جو رات کو دیکھنے آتے تھے کہ کشتیاں اناج اور شراب لے کر آتی ہیں یا نہیں، صبح تک واپس نہ گئے تو ایک اور آدمی کو بھیجا گیا۔ یہ آدمی گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ جب اس جگہ پہنچا جہاں رات کو اُس کے دو ساتھی پکڑے گئے تو ایک تیر اس کے ایک طرف کے کندھے میں اُتر گیا۔ اُس نے وہیں سے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگا دی۔

اُس نے واپس جا کر اتنا ہی بتایا کہ پتن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اس اطلاع پر فوج کا ایک سوار دستہ بھیجا گیا جو پہاڑی علاقے سے نکلا ہی تھا کہ اُس پر تیروں کا مینہ برس پڑا۔ سوار تیر کھانے یا بھاگنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکے۔ مُوسیٰ نے اس مقام کے دائیں اور بائیں مزید فوج بھیج دی۔ رات آئی تو ایک دوسری کے پیچھے چار بڑی کشتیاں آئیں پتن کے ساتھ لگیں تو ان پر

مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ ایک کشتی میں سینکڑوں بھیڑیں اور بکریاں تھیں۔ باقی کشتیوں میں آٹا مکھن، گھی، دالیں، سبزیاں اور شراب کے ڈرم اور کنستر تھے۔ عبداللہ کے حکم سے یہ ڈرم اور کنستر دریا میں پھینک دیئے گئے اور موسیٰ کو اطلاع دی گئی کہ یہ سامان اٹھوا کر اپنے کیمپ میں پہنچانے کا بندوبست کرے۔

سات آٹھ دنوں میں ہی مریدا شہر میں قحط کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ سب سے زیادہ قحط جو ان لوگوں کے لیے تکلیف دہ تھا وہ شراب کا تھا۔ بھوک کا ذہن اور مزاج پر کچھ اور اثر ہوتا ہے لیکن نشے سے ٹوٹے ہوئے انسان کی حالت باؤلے کتے جیسی ہوجاتی ہے۔ مریدا کے لوگوں کی اور خصوصاً فوجیوں کی حالت ایسی ہی ہوئی جارہی تھی۔ ان میں آپس میں لڑائی مارکٹائی کے واقعات اور زیادہ ہونے لگے۔ شہریوں میں جوش وخروش ختم ہونے لگا۔

مریدا کی فوج نے تپن کو آزاد کرانے کے لیے دوبار حملے کیے لیکن موسیٰ نے تپن کا دفاع ایسا پختہ کردیا تھا کہ دشمن منہ کی کھاکر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے ایسی کوشش نہ کی۔

❀

"اب بتاؤ ایجیلونا!" ــــ ایک رات رازلیتو نے پوچھا ــــ "کیا اب بھی لوگوں کا حوصلہ بڑھا سکو گی؟"

"ہاں!" ــــ ایجیلونا نے جواب دیا ــــ "میں جانتی ہوں کہ طاقتور دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن بھوک کا مقابلہ طاقتور دشمن بھی نہیں کرسکتا، پھر بھی لوگوں میں پہلے والا جوش وخروش پیدا کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"حقیقت کو دیکھو ایجیلونا!" ــــ رازلیتو نے کہا ــــ "لوگوں کو فاقوں کا سامنا ہے۔ میں بہت کچھ سوچ کر بات کررہا ہوں۔ مریدا کو اب نہیں بچایا جاسکے گا۔ بھوکی رعایا باغی ہورہی ہے۔ فوجی شراب مانگ رہے ہیں۔ رعایا کو بھوکا رکھ کر فوجیوں کے پیٹ بھرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ فوجیوں کو اب اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ میں تمہیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آؤ رات کو یہاں سے نکل چلیں۔ میں نے انتظام کرلیا ہے۔ ہمارے لیے رات کو دروازہ کھل جائے گا۔"

"جائیں گے کہاں؟" ــــ ایجیلونا نے پوچھا ــــ "کیا کوئی ایسا شہر ہے جس پر مسلمانوں نے قبضہ نہ کرلیا ہو؟"

"میں تمہیں فرانس لے جاؤں گا" ــــ رازلیتو نے کہا۔

"نہیں" ــــ ایجیلونا نے کہا ــــ "میں ابھی نہیں جاؤں گی۔"

"پھر جانتی ہو کیا ہوگا؟" ــــ رازلیتو نے کہا ــــ "مسلمانوں کا سپہ سالار یا کوئی اور سالار تمہیں اپنی لونڈی بنالے گا۔ یاد رکھو، لونڈی بیوی نہیں ہوتی داشتہ ہوتی ہے..... اور تم ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہو۔ آؤ، ابھی وقت ہے، یہاں سے نکل چلیں۔ فرانس جاکر ہم شادی

کرلیں گے۔ ہم شاہی خاندان کے افراد ہیں۔ وہاں ہمیں عزت ملے گی۔ دولت جو میں ساتھ لے جارہا ہوں وہ دیکھ کر تم حیران رہ جاؤ گی۔"
ایجیلونا کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آگئی جس میں طنز کی جھلک بڑی صاف تھی۔
"کیا تم مجھے کوئی جواب نہیں دو گی؟"
"دو تین دن ٹھہر جاؤ"۔۔۔ ایجیلونا نے جواب دیا۔

❀

صبح ایجیلونا گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلی تو لوگوں نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔ کچھ دن پہلے تک لوگ اُسے دیکھ کر مریدا کی آن پر جانیں قربان کر دینے کے نعرے لگایا کرتے تھے مگر اب وہ سراپا احتجاج بنے ہوتے تھے۔
"فوج باہر کیا کر رہی ہے؟"
"فوج حملہ کر کے محاصرہ کیوں نہیں توڑتی؟"
"ہم اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر فوج کا پیٹ بھر رہے ہیں؟"
"ہم بھوکے ہیں۔ کھانے کو دو، ہم لڑیں گے۔"

اور یہی شور و غل تھا جس کا سامنا ہر جگہ ایجیلونا کو ہوا۔ وہ جرنیلوں کے پاس گئی تو انہوں نے اُسے بتایا کہ فوج کے پاس بھی راشن ختم ہو گیا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ دو واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ فوجی دو تندرست گھوڑے مار کر کھا گئے ہیں۔
"رازبلیو سے کہو کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دے"۔۔۔ دونوں جرنیلوں نے ایجیلونا سے کہا۔
ایجیلونا نے رازبلیو سے جا کر کہا کہ وہ شہر کے دروازے کھولنے کا حکم دے دے۔ رازبلیو رضامند نہیں ہو رہا تھا۔
"کیا تم فوج اور رعایا کا قتلِ عام کرانا چاہتے ہو؟"۔۔۔ ایجیلونا نے کہا۔۔۔ "مسلمان بھانپ لیں گے کہ ہماری فوج فاقہ کشی پر آگئی ہے اور لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ وہ حملہ کر دیں گے پھر شہر میں آکر گھروں کو لوٹیں گے، جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور شہریوں کو قتل کرتے پھریں گے۔"
مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک جرنیل ہاتھ میں سفید جھنڈا اُٹھائے قلعے سے نکلا۔ اُس کے ساتھ چار گھوڑ سوار محافظ تھے۔ موسیٰ بن نصیر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ دو سالار اُس کے ساتھ تھے اور ترجمان بھی ساتھ تھا۔ موسیٰ نے اُندلسی جرنیل کے ساتھ ہاتھ ملایا۔
"تاریخ اُندلس" میں مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مریدا کے اس جرنیل نے صلح کی جو شرائط پیش کیں وہ بے معنی اور بے تکی تھیں۔ مؤرخوں نے تمام شرائط نہیں لکھیں۔ صرف ڈاکٹر کوندے نے دو شرائط لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ مریدا کی تمام فوج کو یہاں سے کہیں جانے کی اجازت دی جائے اور کسی کو جنگی قیدی نہ بنایا جائے۔ دوسری شرط یہ کہ فوج کو

کھانا دیا جائے۔

"کیا شکست تمہیں ہوئی ہے یا مجھے؟" ــــ موسیٰ نے اندلسی جرنیل سے کہا ــــ "شرطیں میری ہوں گی تمہاری نہیں۔ اگر میری شرطیں نہیں مانو گے تو تمہاری فوج ہمارے تیر کھائے گی، برچھیاں اور تلواریں کھائے گی اور زخم کھائے گی۔"

"آپ کی شرائط کیا ہیں؟" ــــ جرنیل نے پوچھا۔

"تمہاری تمام فوج ہتھیار ڈال دے" ــــ موسیٰ نے کہا ــــ "تمام فوج ہماری قیدی ہوگی۔ ہم نے نو مہینے محاصرہ کیا ہے اور مسلسل جنگ جاری رہی۔ ہمارا جو جانی نقصان ہوا ہے اس کی ہم قیمت لیں گے۔ شہر میں جتنا سونا ہے خواہ سرکاری خزانے میں خواہ لوگوں کے گھروں میں، وہ سب ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ چونکہ تمہاری نیت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کچھ آدمی ہمارے پاس یرغمال رکھو۔ یہاں کے تمام بڑے حاکم یرغمال میں آئیں گے .... واپس جاؤ۔ اگر شرائط منظور ہیں تو تمام فوج کو ایک جگہ اکٹھا کرو اور ہتھیار الگ ڈھیر کر دو اور تمام حاکموں کو میرے پاس لے آؤ۔"

اندلسی جرنیل چلا گیا۔ موسیٰ نے اپنے لشکر کو حملے کے لیے تیار ہونے کا حکم دے دیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی جرنیل جو پہلے آیا تھا، پھر قلعے میں سے باہر آیا۔ اس کے پیچھے کم و بیش پچاس آدمی اور اتنی ہی عورتیں تھیں۔ ان سب کے لباس بتاتے تھے کہ یہ شہر کے بالائی طبقے کے لوگ ہیں۔

"ان سب کو آپ یرغمال میں رکھ سکتے ہیں" ــــ جرنیل نے موسیٰ بن نصیر سے کہا ــــ "میں صرف یہ درخواست کروں گا کہ ان کے ساتھ عام جنگی قیدیوں جیسا سلوک نہ کیا جائے۔ یہ سب اعلیٰ حاکم ہیں اور ان میں شاہی خاندان کے افراد بھی ہیں .... فوج نے ہتھیار ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ آپ شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"ان یرغمالیوں کو ہم عزت سے رکھیں گے" ــــ موسیٰ نے کہا ــــ "تم جانتے ہو کہ ہم نے یہ یرغمالی کیوں مانگے ہیں۔"

"میں ایک جواں سال عورت کے متعلق کچھ کہنا چاہوں گا" ــــ جرنیل نے کہا ــــ "اس کا نام ایجیلونا ہے۔ یہ شاہ راڈرک کی بیوہ ہے۔ آپ کی نگاہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی لیکن ہمارے لیے اور اس شہر کے لوگوں کے لیے یہ خاتون پرستش کے قابل ہے۔"

"کیونکہ یہ تمہارے بادشاہ کی بیوہ ہے" ــــ موسیٰ نے کہا۔

"نہیں سپہ سالار!" ــــ اندلسی جرنیل نے کہا ــــ "شاہ راڈرک تو معلوم نہیں اپنی کتنی بیوائیں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اس خاتون کی قدر و منزلت اس لیے زیادہ ہے کہ مریدا کی فوج اور شہری جس بے جگری سے لڑے ہیں وہ اسی خاتون ایجیلونا کی بدولت تھا۔ اس نے شہر کی عورتوں اور بچوں کو بھی لڑا دیا تھا۔ اگر رسد بند نہ ہو جاتی تو آپ اس شہر کے قریب بھی نہیں آ سکتے تھے۔ یہ خاتون دن رات فوج اور شہریوں کا حوصلہ بڑھاتی رہتی اور انہیں تازہ دم رکھتی تھی .... آپ شاید اسے جنگی

مجرم سمجھ کر سزا دیں کہ اُس نے اتنا لمبا عرصہ آپ کا محاصرہ کامیاب نہیں ہونے دیا اور آپ کو اتنا زیادہ جانی نقصان پہنچایا ہے۔ میں آپ پر ایسی کوئی شرط عائد نہیں کر سکتا، درخواست کرتا ہُوں کہ اس خاتون کی عظمت کو پامال نہ کیا جائے۔"

"ایسی عورت کو ہم بھی عظیم سمجھتے ہیں"۔۔۔ مُوسیٰ بن نصیر نے کہا۔۔۔ "ہم عظمت اور عصمت کے محافظ ہیں.... ان عورتوں میں وہ کون سی ہے؟ میں اُسے دیکھنا چاہوں گا"۔

جرنیل نے یرغمالی عورتوں کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر اشارہ کیا۔

ایک عورت جو سیاہ لباس میں ملبوس تھی اور جس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھا، آگے آئی۔ وہ واحد عورت جس کے چہرے پر نقاب تھا۔ باقی سب عورتوں کے چہرے ننگے تھے۔ وہ ایجیلونا تھی جس کے چہرے پر بُرقعے جیسا نقاب تھا۔ نقاب باریک تھا جس سے اُس کی نیلی آنکھیں اور گورا رنگ نظر آرہا تھا لیکن پوری طرح نہیں۔ اُس کا قد لمبوترا اور چال میں تمکنت تھی۔ اُس کا سراپا بہت ہی دلکش تھا۔

"ہم اس کا چہرہ بے نقاب دیکھنا چاہتے ہیں"۔۔۔ مُوسیٰ بن نصیر نے کہا۔

"میں اپنا چہرہ اُس کے سامنے بے نقاب کروں گی جو میرے ساتھ شادی کرے گا"۔۔۔ ایجیلونا نے کہا۔۔۔ "اور میں شادی اُس کے ساتھ کروں گی جس کا رتبہ شاہانہ ہوگا۔ میں کسی کی کنیز یا داشتہ نہیں بنوں گی، بیوی بنوں گی۔ اگر میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو میری زندگی کا اور اُس آدمی کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ میں ملکہ تھی اور ملکہ بنوں گی.... کیا آپ نے خود نہیں کہا کہ آپ عظمت اور عصمت کے محافظ ہیں؟"

"ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے"۔۔۔ مُوسیٰ نے کہا۔۔۔ "ہماری دلچسپی پورے اُندلس سے ہے، ایک خوبصورت عورت سے نہیں.... ہم تمہاری جرأت اور تمہارے وقار کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔ تم کسی کی داشتہ یا کنیز نہیں بنو گی"۔

ایک فرانسیسی تاریخ دان ڈان پاسکل نے لکھا ہے کہ ایجیلونا کے حُسن اور چال ڈھال میں ایک طلسماتی سا اثر تو تھا ہی لیکن اُس کے بولنے کے انداز اور آواز میں کچھ اور ہی قسم کا جادو تھا۔ مُوسیٰ بن نصیر، اُس کے بیٹے اور اُس کے سالار جو وہاں موجود تھے، ایجیلونا کی اس صاف گوئی اور اخلاقی جرأت سے ایسے متاثر ہُوئے کہ یہ تاثر اُن کے چہروں پر صاف نظر آنے لگا۔

مسلمان فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ مُوسیٰ بن نصیر نے پہلا حکم یہ دیا کہ مردا کے تمام شہریوں اور فوجیوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے اور خیال رکھا جائے کہ کوئی بھوکا نہ رہے اور ان کی رُکی ہُوئی رسد بازار میں دے دی جائے۔

مردا کی فتح کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ اینٹوں اور پتھروں کے لحاظ سے تو یہ قلعہ مضبوط ہی تھا۔ لیکن جذبے کے لحاظ سے یہ بہت ہی مضبوط تھا۔ یہ واحد قلعہ تھا جس کو محاصرے میں لیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ مردا دارالحکومت طلیطلہ سے بھی زیادہ اہم شہر تھا کیونکہ یہ مذہبی مرکز تھا اور لطریق اعظم کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

مُوسیٰ بن نصیر نے شہر اور گردو نواح کے دیہاتی علاقے کا انتظام سنبھالنے کے لیے عرب حاکم مقرر کیے اور عیسائیوں کو ان کے ماتحت عمال مقرر کیا اور خاص طور پر حکم دیا کہ ہر کسی سے محصولات اتنے ہی وصول کیے جائیں جتنی اُس کی حیثیت ہو اور کسی کو ایسا مجبور نہ کیا جائے کہ اس کے بچے بھوکے رہ جائیں۔

بطریق اعظم پادریوں کے مختصر سے جلوس کے ساتھ موسیٰ بن نصیر سے ملنے آیا۔ اس وقت موسیٰ شہر کے دورے پر نکلا ہوا تھا۔ شہر میں ایک میدان تھا جو فوجیوں کی ٹریننگ، کھیلوں دوڑوں اور میلوں وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ موسیٰ اس میدان کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ بطریق اعظم اُسے ملنا چاہتا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ امیر کس وقت محل میں آئیں گے، میں اُس وقت حاضر ہو جاؤں گا۔

مُوسیٰ نے دیکھا۔ بطریق اعظم چند ایک پادریوں کے ساتھ میدان کے باہر کھڑا تھا۔ مُوسیٰ نے اُسے وہیں بلا لیا۔

"امیرِ عالی مقام دربار میں کس وقت بیٹھیں گے؟" —— بطریق اعظم نے پوچھا —— "میں اپنی گزارشات کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

"آپ حاضر تو ہو گئے ہیں" —— مُوسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا —— "یہیں دربار لگا لیتے ہیں۔ ہم سب اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں۔ بندوں کا کوئی دربار نہیں ہوتا.... یہیں بیٹھ جائیں" —— موسیٰ وہیں بیٹھ گیا۔

ڈان پاسکل نے لکھا ہے کہ بطریق اعظم زمین پر بیٹھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اُس نے بڑی صاف ستھری قبا پہن رکھی تھی۔ اس کے نیچے پتلون تھی۔ اُس کے جُوتے چمک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر جو تاثر تھا اس میں حیرت کی جھلک تھی کہ ایک فاتح سپہ سالار جو ایک ملک کا گورنر (امیر) بھی ہے، زمین پر بیٹھ گیا ہے اور اس تاثر میں یہ جھلک بھی تھی کہ بطریق اعظم اپنے آپ کو بادشاہ کی سطح کا آدمی سمجھتا تھا اس لیے وہ زمین پر بیٹھنے کو اپنی توہین سمجھ رہا تھا۔

"بیٹھ جائیں" —— موسیٰ نے کہا —— "ہمارا طور طریقہ یہی ہے۔ جہاں کسی نے اپنی کوئی عرضداشت یا شکایت یا کوئی مسئلہ پیش کیا، وہیں بیٹھ گئے اور کام نمٹا دیا۔ میں آپ سے کہوں کہ فلاں دن فلاں وقت محل میں یا دربار میں آ جائیں، میں وہاں ملوں گا تو میں ایک گناہ کا مرتکب ہوں گا۔ اللہ کا فرمان ہے کہ مجھے جہاں پکارو گے اور جب پکارو گے میں سنوں گا۔ اس فرمان کے بعد بندے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ اللہ اُسے رتبہ دے اور وہ اللہ کے بندوں کو ملنے کے لیے جگہ اور وقت بتا کر ملاقات دے.... میں فرعون نہیں ہوں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ آپ تو اپنی قوم کے امام اور پیشوا ہیں۔ اگر آپ کی قوم کو کوئی ادنیٰ آدمی بھی مجھے راستے میں روک لے گا تو میں رکوں گا اور اس کی سنوں گا۔"

بطریق اعظم زمین پر بیٹھ گیا۔

"آپ خدائی احکام کے پابند نظر آتے ہیں" —— بطریق نے کہا —— "میں آپ سے عرض کرنا چاہتا

کہ ہمارے گرجوں کی بے حرمتی نہ ہو اور ہماری عبادت پر کوئی پابندی نہ ہو۔"

"یہ حکم میں نہیں دوں گا" ـــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا ـــــ "یہ اسلام کا حکم ہے کہ جس قوم اور جس ملک کو فتح کرو اُس کے مذہب اور اُس کی عبادت گاہوں کا احترام کرو، البتہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرو اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کی دلآزاری نہ ہو۔ اخلاق کا نمونہ اپنے اقوال و افعال کے ذریعے پیش کرو ..... آپ مطمئن رہیں۔ آپ کی عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے گا لیکن میں یہ حکم دوں گا کہ عبادت گاہوں میں حکومت کے خلاف باغیانہ وعظ اور باتیں نہ ہوں اور دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ اور آپ کا کوئی پادری اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ اسلام کی تبلیغ کریں گے؟" ـــــ بطریقِ اعظم نے پوچھا۔

"ضرورت ہی نہیں ہوگی" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "اتنے دنوں سے یہ شہر ہماری سلطنت میں آچکا ہے۔ کیا آپ کو کوئی شکایت ملی ہے یا کوئی واقعہ سنا ہے کہ کسی مسلمان سپاہی یا حاکم نے کسی عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہو؟"

"نہیں!"

"کسی مسلمان نے کسی گھر میں داخل ہو کر کوئی مطالبہ کیا ہو؟"

"نہیں!"

"کوئی اور بدتہذیبی کی ہو؟"

"نہیں!"

"یہ ہے اسلام کی تبلیغ جو ہم کرتے ہیں" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "آپ کے وعظ ہماری اس تبلیغ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ..... میں آپ کے لیے ایک اور حکم جاری کر رہا ہوں۔ کسی عیسائی یا یہودی لڑکی کو زبردستی راہبہ نہیں بنایا جا سکے گا۔ میں جانتا ہوں ان لڑکیوں کے ساتھ آپ کی عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں میں کیا سلوک ہوتا ہے ..... اور یاد رکھیں کہ ہم اپنے ساتھ حکم نامے اور شاہی رعب اور دبدبہ نہیں لائے۔ ہم ایک نظریہ اور طرزِ معاشرت لے کر آئے ہیں۔ ہم لوگوں کی زبانیں بند کرنے نہیں آئے بلکہ خلقِ خدا کو زبان دینے آئے ہیں کہ وہ بولیں۔ اُن میں اتنی جرأت ہو کہ میں غلطی پر ہوں تو میرا ہاتھ روک دیں اور مجھے راہِ راست دکھائیں۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ بطریقِ اعظم معلوم نہیں اور کیا کہنا چاہتا تھا لیکن مسلمان امیر کی باتوں نے اُس کا ذہن خالی کر دیا۔ اُسے متاثر کرنے کے لیے تو یہی کافی تھا کہ ایک فاتح سپہ سالار اور امیر اُس کی بات سننے کے لیے جہاں تھا وہیں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ بطریق اُٹھا اور آداب بجا لا کر رخصت ہو گیا۔

☙

"والدِ محترم!" ـــــ ایک رات موسیٰ کا بیٹا عبدالعزیز اُسے تنہائی میں کہہ رہا تھا ـــــ "مجھے وہ لڑکی اچھی لگی ہے جسے آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس کا نام ایجیلونا ہے۔"

"اُس کے چہرے پر نقاب تھا" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "اس باریک نقاب میں سے اُس کا چہرہ

بہت حسین نظر آتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ اتنی ہی حسین ہو۔"

"میں اُس کے چہرے کو نہیں دیکھ رہا محترم والد!" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "مجھے اُس کی جرأت اور بیباکی نے متاثر کیا ہے۔ اُندلس کے کسی جرنیل کو بھی آپ کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی جس طرح اُس نے بات کی تھی۔ میں نے اُس کے متعلق یہاں کے جرنیلوں سے اور قلعہ دار رازلیو سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ دوسروں لوگوں سے بھی پوچھا ہے کہ بڑی ہی غیرت مند عورت ہے اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں کا ہر جرنیل، قلعہ دار اور ہر بڑا حاکم اُس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن اس عورت نے سب سے کہا کہ پہلے مریدا کو بچاؤ اور حملہ آوروں کو تباہ و برباد کر کے اپنے ملک کے باقی شہروں کو بھی آزاد کراؤ۔ اس نے تو یہاں کے ہر مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کے اندر حُب الوطنی اور وطن پر مر مٹنے کا ایسا جذبہ اور عزم پیدا کر دیا تھا کہ کیا فوجی کیا شہری رات کو آرام نہیں کرتے تھے۔ یہ عورت گھوڑے پر سوار ننگی تلوار لہراتی فوج اور شہر میں گھومتی پھرتی رہتی تھی۔ مجھے ایسی ہی بیوی چاہیے۔"

"میرے عزیز بیٹے!" ــــ مُوسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "میں تمہیں اس عورت کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دوں گا لیکن اسے اچھی طرح دیکھ بھال لو۔ یہ شاہی خاندان کی عورت ہے اور ایک بادشاہ کی بیوہ ہے۔ تم جانتے ہو شاہی خاندانوں کے لوگوں کا کردار کیسا ہوتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری نسل جو اس عورت کے بطن سے چلے وہ ہمارے لیے ذلت و رسوائی کا باعث بن جائے۔ یہ تم خود دیکھ لو۔"

ایجیلونا کو مریدا کے محل میں الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی یرغمالی عورت کو پریشان نہ کیا جائے۔ ایجیلونا کے لیے تو الگ خادمہ بھی رکھی گئی تھی۔ ایک روز خادمہ نے اُسے اطلاع دی کہ عرب کا ایک سالار اُسے ملنے آیا ہے۔

"بوڑھا ہے یا جوان ہے؟" ــــ ایجیلونا نے پوچھا۔

"جوان ہے" ــــ خادمہ نے جواب دیا ــــ "آپ ہی کی عمر کا لگتا ہے۔"

"اندر بھیج دو" ــــ ایجیلونا نے کہا۔

عبدالعزیز اندر گیا تو ایجیلونا کے چہرے پر باریک نقاب تھا۔ عبدالعزیز اپنے ساتھ ایک ترجمان کو لے گیا تھا۔ اُس نے ترجمان کی معرفت ایجیلونا سے پوچھا کہ اُسے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟ اور کیا اُس کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں؟ ایجیلونا نے اطمینان کا اظہار کیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیوں آیا ہے۔

"میں سپہ سالار کا بڑا بیٹا ہوں" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "سپہ سالار مُوسیٰ بن نصیر امیرِ افریقہ ہیں اور اب امیرِ اُندلس ہیں۔ ان کے بعد میں امیرِ اُندلس ہوں گا۔"

"آپ کا میرے پاس آنے کا مقصد؟"

"اتنی بے رخی؟" ــــ عبدالعزیز نے پوچھا ــــ "کیا تم ابھی تک اپنے آپ کو ملکۂ اُندلس سمجھتی ہو؟"

"اُندلس کی نہ سہی" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "میں اپنے دل کی ملکہ تو ہُوں۔ یہ ایسی سلطنت ہے جو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا...... اور یہ بھی یاد رکھو سالار! میں ایک بادشاہ کی بیوہ ہوں۔ شاہی خاندان میں پیدا ہُوئی تھی اس لیے میرا رویّہ ان عورتوں سے بہت مختلف ہے جن کی حیثیت مجھ سے کمتر ہوتی ہے۔ وہ تم جیسے سالاروں کی لونڈیاں اور کنیزیں بننے میں فخر محسوس کرتی ہیں"۔

"اور میں تمہیں لونڈی بنانے آیا ہوں نہ کنیز!" ۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا ۔۔۔ "تم بادشاہ کی بیوی تھیں، بادشاہ کی ہی بیوی بنوگی۔ مسلمانوں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔ ہمارا ایک خلیفہ ہوتا ہے اور اُس کے ماتحت امیر ہوتے ہیں۔ ان سب کی حیثیت بادشاہوں جیسی ہوتی ہے لیکن ذہنیت بادشاہوں جیسی نہیں ہوتی"۔

"کیا تم میرے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو؟" ۔۔۔ ایجیلونا نے پوچھا۔

"ہاں!" ۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا ۔۔۔ "میں نے اپنے والد سے اجازت لے لی ہے....اگر تمہیں کنیز یا لونڈی بنانا ہوتا تو اس وقت تم یہاں نہ ہوتیں۔ تمہیں ہم اتنے دن یہاں ملکہ بنا کر نہ رکھتے"۔

"کیا میں بیوی بنوں گی یا ملکہ؟" ۔۔۔ ایجیلونا نے پُوچھا۔

"اگر نقاب اُٹھا دو تو تمہارے سوال کا صحیح جواب دے سکوں گا" ۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا۔

ایجیلونا نے چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ پھر اُس نے سر سے بھی کپڑا ہٹا دیا۔ عبدالعزیز نے اس جواں سال عورت کے متعلق جس سے بھی پوچھا تھا اُس نے پہلی بات یہ کہی تھی کہ اس عورت کی عمر تیس سال سے سال دو سال کم ہے لیکن بیس سال کی لڑکی لگتی ہے اور اس کے حُسن میں اور جسم کی ساخت میں ایسی کشش ہے کہ اُسے پہلی بار جو بھی دیکھتا ہے وہ اپنے وجُود میں جھٹکا سا محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر ہے جو دیکھنے والوں کو مسحور کر لیتا ہے۔ پھر اس عورت کے بولنے کا انداز ایسا ہے کہ سننے والا زرخرید غلاموں کی طرح اس کے اشاروں پر ناچنے لگتا ہے۔ ایک اُندلسی جرنیل نے عبدالعزیز سے کہا تھا کہ اس عورت کا حُسن اور دلکش سراپا بہت ہی خطرناک ہے۔ اس نے راڈرک جیسے ظالم بادشاہ کو موم کر لیا تھا۔

عبدالعزیز نے جب ایجیلونا کا چہرہ بے نقاب دیکھا تو وہ جیسے چونک پڑا ہو، دم بخود ہو جانا اسی کو کہتے ہیں۔ ایجیلونا کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔ اُس کی تو آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔

"تم ملکہ بنو گی" ۔۔۔ عبدالعزیز کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے ۔۔۔ "اِس ملک کی ملکہ....میرے دل کی ملکہ!"

"کیا باقاعدہ شادی ہوگی؟" ۔۔۔ ایجیلونا نے پوچھا ۔۔۔ "نکاح ہوگا؟"

"نکاح ہوگا" ۔۔۔ عبدالعزیز نے جواب دیا ۔۔۔ "اسلامی قانون کے مطابق.....اور تم....."

"میں اسلام قبول نہیں کروں گی" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "اسلامی قانون کے مطابق نکاح قبول کر لوں گی"۔

عبدالعزیز کو دھچکا سا لگا۔ اُس نے ایجیلونا سے کہا کہ وہ اسلام قبول کر لے لیکن وہ نہ مانی۔

عبدالعزیز کے زیادہ اصرار پر اُس نے کہا کہ کچھ عرصے بعد وہ اسلام قبول کرے گی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عبدالعزیز نے یہ شرط قبول کر لی اور اس راز کو پوشیدہ رکھا کہ ایجیلونا نے اسلام قبول نہیں کیا۔

اگلے ہی روز عبدالعزیز کی شادی ایجیلونا کے ساتھ ہو گئی۔ عبدالعزیز ایجیلونا کے حُسن سے ایسا مخمور ہُوا کہ اُس نے اپنی شخصیت اُس کے وجود میں مدغم کر دی اور جان نہ سکا کہ یہ عورت تھوڑے سے عرصے ہی بعد اُسے ایسے انجام تک پہنچا دے گی کہ تاریخ لرز جائے گی۔

❋

ڈیڑھ سال پہلے مُوسیٰ بن نصیر نے مریدا جیسا ایک بڑا شہر اشبیلیہ فتح کیا تھا۔ وہاں کے شہری انتظامات، محصولات اور کاروبارِ سلطنت کے دیگر امور کے لیے عربی حکام کی ضرورت تھی۔ یہ کمی یہودیوں نے پوری کر دی تھی۔ یہودیوں کو دو چار اہم رُتبے دے دیئے گئے تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راڈرک کے دورِ حکومت میں یہودیوں کے ساتھ تھرڈ کلاس شہریوں جیسا سلوک ہوتا تھا۔ ان کی آمدنی کا زیادہ تر حصّہ ٹیکسوں کے ذریعے ان سے لے لیا جاتا تھا۔ انہیں فوج اور سرکاری محکموں میں گھٹیا درجے کی ملازمت دی جاتی تھی۔ ان پر سب سے زیادہ ظلم تو یہ ہوتا تھا کہ کوئی یہودی لڑکی کسی پادری کو اچھی لگتی تو اُسے اپنے ساتھ لے جاتا اور اُسے راہبہ بنا لیا جاتا تھا۔ یہودیوں کے ساتھ اعلیٰ حاکموں کا بھی یہی رویّہ تھا۔ مختصر یہ کہ یہودیوں کو اُندلسی معاشرے میں کوئی عزت اور کوئی وقار حاصل نہیں تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے راڈرک کو شکست دینے میں طارق بن زیاد کی خفیہ مدد کی تھی۔ صلے کے طور پر طارق نے جو شہر فتح کیے وہاں اعلیٰ رُتبے یہودیوں کو دیئے اور یہودیوں پر جو فالتو ٹیکس عائد تھے وہ ختم کر دیئے اور انہیں اور بھی بہت سی مراعات دے دیں۔

مُوسیٰ بن نصیر طارق بن زیاد کے پیچھے پیچھے اُندلس پر حملہ آور ہُوا تو یہودیوں نے اُس کے ساتھ بھی اتنا تعاون کیا کہ مُوسیٰ اسے نظر انداز نہ کر سکا۔ یہودی عیسائیوں کے خلاف مخبری بھی کرتے تھے اور ان کی مخبری کی بدولت سازشوں کا انکشاف قبل از وقت ہو جاتا تھا۔ یہودیوں کے اِس تعاون کے صلے میں مُوسیٰ نے بھی یہودیوں کو انتظامیہ میں اعلیٰ رُتبے اور عہدے تفویض کر دیئے تھے۔

مُوسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد یہودیوں سے اتنے زیادہ متاثر ہو گئے تھے کہ وہ بھول ہی گئے کہ اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن اگر کوئی ہے تو وہ صرف یہودی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودن نے گوشت میں زہر ملا کر دیا تھا مگر آپ نے ایک بوٹی چکھ کر اُگل دی تھی۔

یہودی کی یہ ابلیسیت بیدار ہو گئی۔ یہ چنگاری اشبیلیہ میں بھڑکی تھی۔ ایک مکان میں دو یہودی رَبّی (مذہبی پیشوا) چار یہودیوں کے ساتھ ایک گھر میں بیٹھے تھے۔

"ہمارا کام ہو گیا ہے"۔۔۔ ایک یہودی ربّی نے بات شروع کی۔۔۔ "راڈرک کا تختہ اُلٹنا ہمارا مقصد تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہم نے مسلمانوں کے ہاتھوں یہ مقصد پورا کر لیا ہے۔ اب ہمیں اپنے اصل مقصد پر آنا ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ وہ مقصد کیا ہے..... یروشلم کو مراجعت..... ہم نے یروشلم میں ہیکلِ سلیمانی تعمیر کرنا ہے اور یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ اس مقصد میں ہم عیسائیوں کو ساتھ ملا کر ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہماری اصل ٹکر مسلمانوں سے ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یروشلم کو مسلمان بیت المقدس کہتے ہیں اور وہ جسے اپنا قبلۂ اوّل اور مسجدِ اقصیٰ کہتے ہیں وہ ہمارا ہیکلِ سلیمانی ہے۔ ہمیں واپس یروشلم جانا ہے۔ فلسطین ہمارا وطن ہے لیکن اس پر مسلمان قابض ہیں۔ ہم نے اُندلس میں عیسائیوں کی بادشاہت کو تباہ کرنا تھا۔ یہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں کرا چکے ہیں اور مسلمانوں سے ہم نے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ ان کی حکومت میں اعلیٰ رُتبے حاصل کر لیے ہیں۔ اس طرح ان کی بڑی رگیں ہمارے ہاتھ میں آگئی ہیں۔ یہ کبھی نہ بھولنا کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں اور یہ دشمنی کبھی ختم نہیں ہو گی آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان دنیا میں پھیلتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ اسلام بھی پھیل رہا ہے۔ اسے روکنا ہمارا فرض ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہم یہ کام عیسائیوں کو ساتھ ملا کر کریں گے اور یہ کام خفیہ طریقوں سے ہو گا۔ اُندلس کو ہم اسلام کا قبرستان بنا دیں گے"۔

یہودی جو سراپا فتنہ و فساد تھا، جس کی عیّاری اور مکاری روزِ اوّل سے آج تک مشہور ہے اور جو جہاں گیا وہاں کے حکمرانوں کی آستین کا سانپ بنا، اُندلس میں وہ یہ بھول گیا کہ مسلمانوں نے اُسے معاشرے میں باوقار مقام دیا ہے۔ وہ مسلمانوں کی آستین سے نکل کر ڈسنے پر آگیا۔

اس وقت اشبیلیہ کا حاکم اعلیٰ اور قلعہ دار دمشق کا رہنے والا ابی البقر تھا۔ ایک شام وہ ایک باغ میں ٹہل رہا تھا کہ ایک جوان لڑکی جو تھی تو بہت خوبصورت لیکن بکھرے ہُوئے بے ترتیب بالوں اور پھٹے پرانے لباس سے بہت غریب لگتی تھی، ابی البقر کے راستے میں آگئی۔ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ لڑکی ہاتھوں کے اشاروں سے ابی البقر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنا فراک اٹھا اٹھا کر بھی دکھاتی تھی۔ شاید یہ بتا رہی تھی کہ اُس پر تشدد کیا گیا ہے۔

ابی البقر نے اُسے ٹالا نہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اُس کے ساتھ کس نے زیادتی کی ہے۔ اس جرم کا مجرم کوئی مسلمان تو نہیں؟ لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ ابی البقر نے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور تسلّی دی۔ لڑکی نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔ لڑکی کے پاس چھوٹی سی ایک ٹوکری تھی جس میں دو تین سیب اور دوسرے پھل رکھے تھے۔ لڑکی نے ایک سیب ابی البقر کو دیا اور اشارہ کیا کہ وہ کھالے۔

ابی البقر نے اُس خیال سے سیب کھا لیا کہ یہ غریب لڑکی اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے دونوں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ کر سلام کیا اور چلی گئی۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ ابی البقر اپنے گھر کو واپس آرہا تھا کہ اُس نے سر میں گرانی محسوس کی۔ گھر پہنچتے پہنچتے اُس کی حالت زیادہ بگڑ گئی۔ طبیب کو بلایا گیا۔ طبیب نے نبض دیکھی، تکلیف کی علامات سنیں اور ابی البقر کی بگڑتی ہوئی حالت کو غور سے دیکھتا رہا۔

"کچھ دیر پہلے آپ نے کیا کھایا ہے؟" ــــ طبیب نے پوچھا۔

ابی البقر نے لڑکی کی ملاقات سنائی اور بتایا کہ لڑکی نے اُسے سیب کھلایا تھا۔

"سیب کے اندر زہریلا کیڑا تھا" ــــ طبیب نے کہا ــــ "یا سیب پر کوئی زہریلا کیڑا پھر گیا تھا یا دھوکے میں زہر دیا گیا ہے۔"

ابی البقر ملاقات کی ہر بات سنا کر تڑپنے لگا۔ طبیب نے اُسے دوائیاں کھلائیں لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔

■

موسیٰ بن نصیر کو اطلاع دی گئی۔ اُس نے کسی اور کو اشبیلیہ کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کر دیا۔ کسی بھی مورخ نے دوسرے حاکم اعلیٰ کا نام نہیں لکھا۔

ابی البقر کی وفات کے دو تین دن بعد فوج کا ایک نائب سالار ایسی ہی یا اسی لڑکی کے ہاتھ سے کوئی چیز کھا کر مر گیا۔

ایک دو دن ہی گزرے تھے کہ رات کو ایک مسلمان حاکم ایک گلی سے اکیلا گزر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اُس کی پیٹھ میں تین بار خنجر مارا۔ صبح وہ گلی میں مُردہ پایا گیا۔

یکے بعد دیگرے دو دو تین تین دنوں کے وقفے سے تیس عربی حاکم مارے گئے۔ کوئی زہر خورانی سے مرا اور کوئی خنجر، برچھی یا تلوار سے۔ ایک کو تیر لگا تھا۔ تمام تاریخوں میں تعداد تیس لکھی ہے۔

پروفیسر ڈوزی اور ڈاکٹر کوندے نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کو مریدا میں ان الفاظ میں اطلاع دی گئی:

"تیس چھوٹے بڑے حاکموں کی پُراسرار موت بتاتی ہے کہ یہ سازش ہے جو شکست خوردہ عیسائیوں کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس سازش کا ثبوت یہ ہے کہ محصولات کی وصولی میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ لوگ ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ ایک اور خطرناک خبر یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو نہتے رکھا جاتا ہے اور ان سے مزدوروں جیسے کام کرائے جاتے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ ان میں سے بعض نے ہتھیار حاصل کر کے کہیں چھپا لیے ہیں۔ اگر اس صورتِ حال پر قابو نہ پایا گیا تو بغاوت ہو جانے کا خدشہ ہے۔"

یہودیوں نے ایسے خفیہ طریقوں سے عیسائیوں کو بغاوت کے لیے تیار کیا تھا کہ شک صرف عیسائیوں پر ہوتا تھا۔ یہودیوں کی طرف کسی کا دھیان جاتا ہی نہیں تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں ایک ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں کے خلاف خفیہ سرگرمیوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی لڑکیاں استعمال ہوتی تھیں۔

موسیٰ بن نصیر نے سازش اور بغاوت کی اطلاع ملتے ہی اپنے بیٹے عبدالعزیز سے کہا کہ وہ سات آٹھ سو سوار لے کر فوراً اشبیلیہ پہنچے اور بغاوت کو دبانا ہی نہیں ان لوگوں کو پکڑنا ہے جنہوں نے یہ بغاوت شروع کروائی ہے۔

"سزائے موت سے کم سزا نہ دینا"۔۔۔ موسیٰ نے عبدالعزیز سے کہا۔ "مجھے یہ شک بھی ہے کہ یہ فتنہ یہودیوں نے پیدا کیا ہے"۔

"یہودی؟"۔۔۔ عبدالعزیز نے حیران ہو کے کہا۔ "یہودی تو ہمارے ساتھ ہیں"۔
"یہودی یہودی کے سوا کسی کے ساتھ نہیں ہوا کرتا بیٹا!"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔ "یہودی کو تو اللہ نے بھی فتنہ پرداز قوم کہا ہے۔ تم نے ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھنا ہے"۔

عبدالعزیز اپنی عیسائی بیوی ایجیلونا کے ساتھ اشبیلیہ پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ سات سو سوار تھے۔ اس نے ہنگامہ بپا کر دیا۔ مخبروں کو بلا کر کہا کہ وہ ایک دو دنوں میں سراغ لگائیں کہ یہ بغاوت کس طرح شروع ہوئی ہے اور اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ پھر اس نے جنگی قیدیوں کو جن میں زیادہ تر اب روزانہ اجرت پر کام کرتے تھے، اکٹھا کرنا اور ان سے پوچھنا شروع کر دیا کہ کس کس نے ہتھیار چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔

سب ڈر گئے اور انہوں نے انکار کیا۔ عبدالعزیز نے دو عربی حاکموں سے کہا کہ وہ ایک ایک جنگی قیدی کو الگ کر کے ہر ایک کو اپنے ساتھیوں کی مخبری پر آمادہ کریں۔ ان پر تشدد بھی کریں، قتل کی دھمکی بھی دیں اور یہ لالچ بھی دیں کہ مخبری کرنے والے کو مسلمانوں کی فوج میں شامل کر لیا جائے گا۔

یہ طریقہ بہت حد تک کامیاب رہا۔ چار آدمیوں کی نشاندہی ہو گئی جن میں تین عیسائی تھے اور ایک یہودی۔ ہتھیار ایک گرجے میں جمع کیے جا رہے تھے۔ ان چاروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر بہت تشدد کیا گیا کہ بتائیں کہ اس بغاوت میں اور کس کس کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے دو آدمیوں کی نشاندہی کی۔ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔

ایجیلونا دیکھ رہی تھی کہ عبدالعزیز اتنا پریشان رہنے لگا ہے کہ رات کو سکون سے سو بھی نہیں سکتا۔

"عزیز!"۔۔۔ ایک رات ایجیلونا نے اپنے خاوند کو پریشانی کے عالم میں جاگتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ "تمام حاکم باغیوں کے سرغنوں کی تلاش میں دن رات بھاگ دوڑ کر رہے ہیں پھر آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔ آپ جو حکم دیتے ہیں اس کی فوراً تعمیل ہوتی ہے"۔

"بغاوت کی چھوٹی سی ایک چنگاری سارے ملک میں آگ لگا سکتی ہے"۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا ۔۔۔ "یہ میری ذمہ داری ہے کہ ملک کو اس خطرے سے محفوظ رکھوں۔ تم جانتی ہو کہ ہم نے اس ملک پر کتنی جانیں قربان کی ہیں۔ میں شہیدوں کی روحوں کے آگے اور اپنے اللہ کے آگے جوابدہ ہوں۔ مجھے اسی روز نیند آئے گی جس روز میں باغیوں کے آخری سرغنہ کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھ لوں گا ..... ذرا تصور میں لاؤ۔ بغاوت کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارا انجام کیا ہو گا۔ مجھے قتل کر دیا جائے گا اور باغیوں کے سردار دن رات تمہارے ساتھ دل بہلائیں گے۔ تم تو ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہو"۔

عبدالعزیز نے ایسی خوفناک تصویر پیش کی کہ ایجیلونا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
"میں آپ کی مدد کروں گی" — ایجیلونا نے کہا — "مجھے سراغرسانی کر لینے دیں"
"تم کیا کرو گی؟"
"کل بڑے گرجے میں جاؤں گی" — ایجیلونا نے جواب دیا — "اور بڑے پادری کو بتاؤں گی کہ میں نے ایک مسلمان کے ساتھ شادی تو کر لی ہے لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ اس کے بعد جو کچھ کروں گی وہ آپ کو معلوم ہو جائے گا"
عبدالعزیز نے اُسے اجازت دے دی۔

اگلی صبح ایجیلونا بڑے گرجے میں چلی گئی۔ بڑا پادری اُسے دیکھ کر حیران سا ہو گیا۔ وہ ایجیلونا کو جانتا تھا۔
"میں نے تو سُنا تھا کہ آپ نے ایک مسلمان فوجی کمانڈر کے ساتھ شادی کر لی ہے" — پادری نے کہا — "اب آپ کا گرجے میں کیا کام!"
"گرجے میں ہی تو میرا کام ہے" — ایجیلونا نے مسکراتے ہوئے کہا — "کلیسا کی آبرو کو بچانے کے لیے جو کام میں نے کیا ہے وہ آپ اتنے زیادہ مرد مل کر بھی نہیں کر سکے" — اُس نے اس اُدھیڑ پادری کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر قہقہہ لگایا۔
ایجیلونا کی مُسکراہٹ میں ہی تو سارا جادو تھا۔ اس جادو کے اثر کو اُس کے جل ترنگ جیسے قہقہے نے مکمل کر دیا۔ اس کے ساتھ ایجیلونا نے پادری کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اُس دور کے پادری راہباؤں کو داشتہ بنا کر رکھتے تھے۔ ایجیلونا تو غیر معمولی طور پر حسین اور جوان تھی۔ پادری کے چہرے کا تاثر بدل گیا اور اُس کے ہونٹوں پر وہی مُسکراہٹ آ گئی جو کسی نئی راہبہ کو دیکھ کر آیا کرتی تھی۔
"کیا تم نے کسی اور ارادے سے اس سالار کے ساتھ شادی کی ہے؟" — پادری نے ایجیلونا سے پُوچھا۔
"ہاں!" — ایجیلونا نے جواب دیا — "سب سے پہلے تو میں آپ سے حلف لوں گی کہ آپ میری ہر بات کو راز میں رکھیں گے۔ میں گرجے میں عبادت کے بہانے آپ کے پاس آتی ہوں۔ میرے ساتھ ایک دوست کی طرح بات کریں اور مجھے بادشاہ کی بیوہ اور ایک فاتح سالار کی بیوی نہ سمجھیں"
"کیا بات کر رہی ہو ایجیلونا!" — پادری نے کہا — "ہم گرجے میں بیٹھے ہیں۔ کہتی ہو تو میں کنواری مریم کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر اور صلیب ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤں گا کہ....
"نہیں فادر!" — ایجیلونا نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا — "آپ کے یہی الفاظ میرے لیے حلف کا درجہ رکھتے ہیں.... میں کہہ رہی تھی کہ میں نے اس سالار کے ساتھ شادی کی ہے لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ وہ میرا ایسا گرویدہ ہُوا کہ اُس نے میری یہ شرط مان لی میں نے اُس کا دل رکھنے

کی خاطر اُسے کہا کہ کچھ عرصہ گزر جانے دو۔ میں اسلام قبول کر لوں گی۔"

"یہ تمہارے حُسن کا کمال ہے" ــــ پادری نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"اگر یہ میرے حُسن کا ہی کمال ہے تو میں اس سے اور زیادہ فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر چکی ہُوں" ــــ ایجیلونا نے کہا ــــ "میرا خاوند یہاں بغاوت کو دبانے کے لیے آیا ہے مگر میں بغاوت کو بھڑکانے کے لیے آئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جو آدمی پکڑے گئے ہیں وہ دوسرے اور تیسرے درجے کے لیڈر ہیں۔ اصل لیڈر زیرِ زمین ہو گئے ہیں۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہیں اور کون ہیں تاکہ میں انہیں بچانے کا بندوبست کروں۔"

"کیا تم اپنے خاوند سے کہو گی کہ انہیں معاف کر دے؟"

"نہیں فادر!" ــــ ایجیلونا نے کہا ــــ "میرا خاوند کسی کو معاف نہیں کرے گا۔ وہاں تو یہ صُورتِ حال بنی ہوتی ہے کہ کوئی کسی کا نام لے دے کہ یہ بھی بغاوت میں شامل ہے تو اُسے پکڑ کر اُس پر ایسا تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ دو تین دنوں میں مر جاتا ہے۔ نہ مرے تو اُسے قتل کر دیا جاتا ہے ..... میں نے ایسا انتظام کر لیا ہے کہ سب کو اکیلے اکیلے یہاں سے نکلوا دوں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ شہر کا صرف ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور باہر جانے والے ہر آدمی کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ میں ان آدمیوں کو سرکاری حیثیت دلوا کر یہاں سے نکالوں گی۔"

"سب سے پہلے تو مجھے نکلواؤ" ــــ پادری نے کہا ــــ "بغاوت کا ایک خفیہ اڈہ یہ بھی ہے۔"

"یہ مجھے معلوم تھا" ــــ ایجیلونا نے جھوٹ بولا اور کہا ــــ "میں اس اڈے کو قائم رکھنا چاہتی ہوں۔ میرے متعلق آپ کو یقین ہونا چاہیئے کہ میں نے سالار عبدالعزیز کے ساتھ صرف اس لیے شادی کی ہے کہ اسلامی حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کر سکوں۔ میں یہ کام کس طرح کروں گی؟ یہ نہ پوچھیں۔ صرف یہ بتا دیتی ہوں کہ میں اپنے خاوند کے باپ کو اپنا عاشق بنا کر اُس کے ساتھ تعلقات پیدا کر لوں گی پھر میں ایسا ناٹک کھیلوں گی کہ باپ بیٹا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔"

"مجھے تم پر اعتماد ہے" ــــ پادری نے کہا۔

ایجیلونا نے اپنے حسن و جوانی کا اور زبان کی چاشنی کا جادُو چلا کر پادری کو مسحور کر لیا۔

"اگر اس بغاوت کی قیادت تم اپنے ہاتھ میں لے لو تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں" ــــ پادری نے کہا۔

"ہم کامیاب ہوں گے" ــــ ایجیلونا نے کہا ــــ "ہمیں کامیاب ہونا پڑے گا۔ نہیں ہوں گے تو میں جانتی ہوں کہ عیسائیت کا اور ہمارا انجام کیا ہو گا۔ آپ اپنے محاذ کے اہم آدمیوں سے ملوا دیں۔ کیا کل اسی وقت وہ یہاں آ سکتے ہیں؟"

"آ جائیں گے" ــــ پادری نے کہا۔

ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "میں بھی آجاؤں گی" ۔۔۔ اور وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

پادری بھی اُٹھا۔ ایجیلونا نے بازو پھیلا دیئے۔ پادری کو شاید توقع نہیں تھی کہ ایجیلونا ایسی بے تکلفی کا مظاہرہ کرے گی۔ وہ چونکا پھر ایجیلونا کے بازوؤں میں آگیا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ ایجیلونا نے اُس کے ہونٹ چُوم لیے۔

"میں نے آخر اسی گرجے میں راہبہ بننا ہے" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "لیکن اُندلس کو آزاد کرا کے .... یہ میری زندگی کا مشن ہے"۔

ایجیلونا پادری کے بازوؤں سے نکل کر چلی گئی۔ اُسے ایجیلونا کی چار گھوڑوں کی بگھی کے چلنے کی آواز بھی سنائی دی اور چار گھوڑوں کے قدموں کی ٹاپ بھی سنائی دیتی رہی مگر وہ گم صم کھڑا رہا۔ اُس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے ایجیلونا کے جسم کے لمس سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

دوسرے دن ایجیلونا پھر وہیں موجود تھی لیکن کمرہ کل والا نہیں تھا۔ یہ کمروں میں گھرا ہوا ایک کمرہ تھا۔ گرجے کے باہر آٹھ دس آدمی گرجے کے اِرد گرد ٹہل رہے تھے۔ وہ پہرہ دے رہے تھے کہ کوئی آجائے تو اندر والوں کو خبردار کر دیں۔

اس اجلاس میں بارہ تیرہ آدمی آئے تھے جن میں دو یہودی تھے۔ یہ سب بغاوت کے خفیہ لیڈر تھے۔ ابھی تک ان کی نشاندہی نہیں ہو سکی تھی۔

"ملکہ ایجیلونا!" ۔۔۔ ایک یہودی نے بات شروع کی ۔۔۔ "ہم آپ کو خبردار کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ نے ہمیں دھوکہ دیا تو ہم پکڑے جائیں گے اور ہمیں قتل کر دیا جائے گا لیکن میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ زندہ آپ بھی نہیں رہیں گی۔ ہم نے ایسا انتظام کر رکھا ہے۔ آپ کو ہمارے آدمی فوراً قتل نہیں کریں گے۔ آپ کو اغوا کریں گے۔ آپ تصوّر میں لا سکتی ہیں کہ یہ آدمی آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے اور اُس وقت چھوڑیں گے جب آپ مر چکی ہوں گی"۔

"نہ آپ قتل ہوں گے نہ میں اغوا ہوں گی" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "میرا خیال ہے کہ فادر نے آپ کو میرے متعلق سب کچھ نہیں بتایا"۔

"سب کچھ بتا دیا تھا" ۔۔۔ یہودی نے کہا ۔۔۔ "ورنہ ہم یہاں نہ آتے۔ پھر بھی میں نے آپ کو خبردار کرنا ضروری سمجھا ہے۔ ہم کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ آپ ایک مسلمان فوجی کمانڈر کی بیوی ہیں۔ آپ کی وفاداری اپنے خاوند کے ساتھ ہوگی"۔

"میری وفاداری کلیسا کے ساتھ ہے" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "خاوند کو میں اپنا وفادار بنا رہی ہوں۔ وہ مجھ پر اتنا فریفتہ ہے کہ میں اُس سے اپنی ہر بات منوا سکتی ہوں"۔

"میرا خیال ہے آپ خواب دیکھ رہی ہیں" ۔۔۔ ایک اور آدمی بولا ۔۔۔ "آپ کا یہ خاوند کچھ دنوں بعد کوئی اور شہر یا کوئی اور ملک فتح کرے گا تو وہاں اُسے آپ جیسی کوئی اور لڑکی پسند آجائے گی تو وہ اُس پر فریفتہ ہو جائے گا اور آپ اُس کے لیے بیکار چیز بن کر رہ جائیں گی"۔

"وہ وقت آنے سے پہلے ہماری بغاوت کامیاب ہو چکی ہو گی" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "کیا آپ نہیں جانتے کہ ملاقہ اور غرناطہ میں بھی بغاوت شروع ہو گئی ہے۔ ہم نے اس باغیانہ رجحان کو اور زیادہ پھیلانا ہے۔ یہ آپ کا کام ہے۔ میں نے اپنے ذمے یہ کام لیا ہے کہ مناسب موقع دیکھ کر اپنے خاوند کو زہر دے کر یا کسی اور طریقے سے قتل کرنا ہے لیکن ابھی میں نے خاوند کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آپ سب کو گرفتاری سے محفوظ رکھنا ہے۔ آپ کو فوراً اس شہر سے نکالنا بہت ضروری ہے۔ جو آدمی پکڑے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی سزائے موت سے بچنے کے لیے آپ سب کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ آپ نے یہاں سے نکل کر آرام سے نہیں بیٹھ جانا۔ جہاں کہیں آپ جائیں بغاوت کو گھر گھر پہنچائیں۔"

"یہ تو ہم نے کرنا ہی ہے" ۔۔۔ ایک یہودی نے کہا ۔۔۔ "مسلمانوں کے پاس اتنی فوج نہیں کہ وہ سارے ملک میں پھیلی ہوتی بغاوت پر قابو پا سکیں گے۔"

"میں ایک بات کہنا چاہوں گا" ۔۔۔ دوسرا یہودی بولا ۔۔۔ "بغاوت جہاں بھی ہوتی ہے وہاں یہودیوں نے شروع کرائی ہے۔ ہم شاہ راڈرک سے تنگ آ گئے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری کیا حیثیت رہ گئی تھی۔ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر راڈرک کا تخت الٹ دیا۔ اب ہم مسلمانوں کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ انہیں ہم چین سے بیٹھنے نہیں دیں گے لیکن ہم اپنی بادشاہی قائم نہیں کریں گے۔ بادشاہی عیسائیت کی ہو گی۔ ہم صرف یہ صلہ مانگتے ہیں کہ معاشرے میں اور دربار میں یہودیوں کو وہی حیثیت حاصل ہو گی جو عیسائیوں کو حاصل ہے۔"

"تمہیں اس سے بہتر حیثیت حاصل ہو گی" ۔۔۔ ایک عیسائی لیڈر نے کہا ۔۔۔ "جو کام تم کر سکتے ہو وہ عیسائی نہیں کر سکتے۔ یہودیوں کو اس کارنامے کا انعام ان کی توقع سے بڑھ کر ملے گا۔"

"آپ مطمئن ہو کر کام کریں" ۔۔۔ ایجیلونا نے کہا ۔۔۔ "حقوق اور حیثیت بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی آپ سب اس شہر سے نکلنے کی تیاری کریں۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ آپ کس بھیس میں یہاں سے نکلیں گے۔"

تاریخی تحریروں کے مطابق ایجیلونا نے انہیں بتایا کہ وہ خچر بانوں کا بھیس دھاریں اور پندرہ بیس خچروں پر اناج اور دیگر سامان لادلیں اور ان کے ساتھ امیر کبیر تاجروں کے بھیس میں تین چار آدمی ہوں گے جو شہر کے دروازے پر بتائیں گے کہ قرطبہ کے تاجر ہیں اور اپنا مال بیچ کر یہاں سے مال لے جا رہے ہیں۔ ایجیلونا نے انہیں ایک جگہ بتائی جہاں انہوں نے اکٹھا ہونا تھا۔

دوسرے دن یہ گیارہ آدمی سترہ اٹھارہ خچروں کے ساتھ مقررہ جگہ کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ تین چار اور آدمی جو بغاوت میں شامل تھے، آ گئے۔ وہ اب اُن آدمیوں کا انتظار کر رہے تھے جنہوں نے تاجروں کے بھیس میں ان کے ساتھ جانا تھا۔ ایجیلونا نے کہا کہ یہ آدمی اس کے ہوں گے۔ بغاوت کے یہ لیڈر "تاجروں" کی راہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف سے فوج کے چالیس

بیچاس گھوڑسوار آتے۔ باغی لیڈروں نے منہ دوسری طرف پھیر لیے۔ گھوڑسوار دو دو کی ترتیب میں ان کے قریب سے گزر رہے تھے۔ آدھے سوار گزر گئے تو اچانک سواروں نے گھوڑوں کو موڑا اور آناً فاناً ان لیڈروں کو گھیرے میں لے لیا۔ سب کے پاس برچھیاں تھیں جو انہوں نے ان سرغنوں پر تان لیں۔

"تم سب حراست میں ہو"۔۔۔ گھوڑسواروں کے کماندار نے کہا۔۔۔ "خاموشی سے ہمارے آگے آگے چل پڑو"۔

اِن سب کو لے جاکر عبدالعزیز کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔

"سب کو قتل کر دو"۔۔۔ عبدالعزیز نے حکم دیا۔

حکم کی تعمیل ہوئی اور اس کے ساتھ ہی بغاوت کا خطرہ ٹل گیا۔

"کیا اب آپ کو مجھ پر اعتبار آگیا ہے؟"۔۔۔ ایجیلونا نے عبدالعزیز سے کہا۔۔۔ "میں نے اپنی قوم کے سرکردہ آدمیوں کو دھوکے میں لاکر قتل کروا دیا ہے۔ آپ کے ساتھ شادی کر کے اگر میں نے آپ کا مذہب قبول نہیں کیا تو کیا ہوا۔ میرا مذہب تو آپ کی محبت ہے اور میں آپ کی عبادت کرتی ہوں"۔

عبدالعزیز تو پہلے ہی ایجیلونا پر دل و جان سے فدا تھا۔ فدا بھی اس حد تک کہ اُسے اپنی بیوی بنا کر بھی اُسے عیسائی رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اب ایجیلونا کے اتنے بڑے کارنامے پر عبدالعزیز اُس کا غلام ہو گیا۔ ایجیلونا نے بغاوت کے تمام لیڈروں کو پکڑوا کر بغاوت کو جڑوں سے اُکھاڑ دیا تھا۔ بغاوت کے جرم میں قتل ہونے والوں میں پادری بھی شامل تھا۔

عبدالعزیز نے بغاوت کے جرم میں نوّے عیسائی اور یہودی لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کو قتل کیا تھا۔ یورپی مؤرخوں نے جن میں لین پول، ایس پی سکاٹ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، عبدالعزیز کے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ باغیوں نے تیس عربوں کو قتل کیا تھا لیکن عبدالعزیز نے ایک سو کے قریب عیسائیوں اور یہودیوں کو قتل کرا دیا۔ قتل ہونے والوں میں پادری بھی شامل تھے اور یہودی ربّی (مذہبی پیشوا) بھی۔

عبدالعزیز کو ایجیلونا نے تفصیل سے بتایا تھا کہ بغاوت یہودیوں نے شروع کرائی تھی اور وہ مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں۔ یہودیوں کو مسلمانوں کی مدد کے صلے میں زمینیں دی گئی تھیں۔ عبدالعزیز نے یہ زمینیں اور جائدادیں ضبط کر لیں اور یہودیوں کو سرکاری رُتبوں سے محروم کر کے انہیں معاشرے میں پھر وہی حیثیت دے دی جو انہیں عیسائیوں کے عہدِ حکومت میں حاصل تھی۔ یہ ذلت و رسوائی کی حیثیت تھی۔ یہودی ایسے ہی سلوک کے حقدار تھے۔

عبدالعزیز اُن شہروں میں گیا جہاں بغاوت سر اُٹھا رہی تھی۔ عبدالعزیز نے انتہائی سخت کارروائیاں کیں اور ظالمانہ سزائیں دیں اور تمام مفتوحہ شہروں کو باغیوں سے پاک کر دیا۔

طارق بن زیاد کو امیر مُوسیٰ بن نصیر کی اُندلس میں صرف آمد کی اتنی خوشی تھی کہ اُس نے کہا تھا — "یہ خبر سُن کر ہی کہ امیرِ مصر و افریقہ جو میرا پیر اُستاد بھی ہے، اس ملک میں آگیا ہے، میں اپنے آپ میں روحانی قوت محسوس کرنے لگا ہُوں۔"

پھر طارق کو اطلاع ملی کہ مُوسیٰ بن نصیر نے مریدا اور اشبیلیہ جیسے بڑے شہر فتح کر لیے ہیں تو طارق اپنے جسم اور اپنی روح میں نئی تازگی محسوس کرنے لگا۔

"میں اپنے آقا کے قدموں میں طلیطلہ پیش کرنا چاہتا تھا" — طارق بن زیاد نے کہا تھا — "لیکن اب میں اُسے اُندلس کے اور زیادہ علاقے پیش کروں گا۔"

اُس وقت طارق طلیطلہ میں تھا۔ اُس نے اِردگرد کے غیر مفتوحہ علاقوں کے متعلق معلومات حاصل کرلی تھیں۔ آگے تین بڑے اور اہم شہر مائدہ، مایہ اور گیلیشیا تھے۔ طارق نے ان تینوں شہروں کو فتح کرنے کا فیصلہ کرلیا اور پیشقدمی کا جو راستہ بتایا وہ وادی الحجارہ میں سے گزرتا تھا۔

"لیکن ابنِ زیاد!" — جولیَن نے اُسے کہا — "پیشقدمی کا جو راستہ تم نے منتخب کیا ہے یہ اتنا زیادہ دشوار گزار ہے کہ اس میں سے کوئی گزرتا ہی نہیں۔ تم اتنی فوج، اتنے گھوڑے، اتنا زیادہ سامان اور رسد کیسے گزارو گے؟ تم نے اس وادی کے حُسن کے چرچے سُنے ہیں۔"

"میں جانتا ہُوں آسان راستہ کون سا ہے" — طارق بن زیاد نے کہا — "کیا تم نہیں جانتے وہ راستہ کتنا لمبا ہے؟ میں سفر میں ہی اتنے زیادہ مہینے ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وادی الحجارہ میں سے گزرنے میں نصف سے بھی کم عرصہ لگے گا۔ میرے بربروں کا لشکر اسی دشوار راستے سے گزرے گا.... میں بہت سے علاقے فتح کرکے امیر مُوسیٰ بن نصیر سے ملنا چاہتا ہُوں۔ میں اُس سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ میں اس لیے آگے نہیں بڑھا تھا کہ آگے راستہ دشوار تھا اور میں آسان راستے تلاش کرتا رہا ہوں۔"

"میرے محترم دوست!" — اوپاس نے کہا — "یہ راستہ اتنا خطرناک ہے کہ آپ کی فوج کی کئی جانیں ضائع ہو جائیں گی اور یہ خطرہ بھی ہے کہ فوج راستے میں ہی پھنس کے رہ جائے گی۔"

"اوپاس!" — طارق بن زیاد نے کہا — "وہ کون سا خطرہ ہے جو ہمارے سامنے نہیں آیا۔ وہ خطرہ کیا کم تھا کہ راڈرک ایک لاکھ کا لشکر لے کر آگیا تھا جس میں آدھے گھوڑسوار تھے؟ ہمارے پاس کیا تھا اوپاس! صرف بارہ ہزار.... سوار کم پیادے زیادہ.... اور تمہیں معلوم ہے کہ طلیطلہ کے دفاع کی تفصیلات سن کر ہم سب سوچ میں پڑ گئے تھے اور میں نے کہا تھا کہ اس شہر کو لینا آسان نہیں ہوگا۔ اگر ہم یہ سوچ کر دُور بیٹھے رہتے کہ ہم انسانوں کا اور قدرت کا بنایا ہُوا اتنا مضبوط دفاع

نہیں توڑ سکتے تو اس شہر میں ہم کبھی داخل نہ ہو سکتے۔ ہم آگے بڑھے تو شہر کے دروازے کھلے ہوئے ملے..... ہم اللہ کو ماننے والے لوگ ہیں اوپاس! اللہ راستہ انہیں دیتا ہے جو بے خوف اُس راستے پر چل پڑتے ہیں۔"

جولیئن اور اوپاس طارق بن زیاد کے منہ کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں شک ہو گیا ہو کہ طارق کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔

۞

طارق بن زیاد کا لشکر وادی الحجارہ میں داخل ہو گیا۔ جولیئن اور اوپاس اُس کے ساتھ تھے۔

طارق نے طلیطلہ کے انتظامی امور کے لیے جو حاکم مقرر کیے تھے، ان میں یہودی بھی تھے۔ طارق یہودیوں کو وہی اہمیت دے رہا تھا جو مسلمان حکام کو حاصل تھی۔ وہ بجا طور پر یہودیوں کو اپنا دوست اور بہی خواہ سمجھتا تھا۔ اُسے ابھی معلوم نہیں ہُوا تھا کہ یہودی اپنی اسلام دشمن اور فتنہ پرداز ذہنیت کے مظاہرے کرنے پر اُتر آئے ہیں اور وہ بڑے بڑے شہروں میں بغاوت شروع کرا چکے ہیں۔

وادی الحجارہ میں داخل ہوئے تو عرب اور شمالی افریقہ کے ریگزاروں میں پل کر جوان ہونے والے مجاہدین کو یہ خطۂ ارض جنت جیسا حسین یا بڑے ہی خوبصورت خواب جیسا دلفریب اور روح پرور لگا۔ اُن کے تھکے ہوئے جسم تر و تازہ ہو گئے۔ گھوڑوں کی چال اور رفتار میں بھی شوخی آگئی تھی۔

آگے گئے تو ایک ندی آگئی۔ یہ گہری تو نہیں تھی۔ درمیان میں پانی کی گہرائی کمر تک تھی جس میں سے مجاہدین کے لیے گزرنا کوئی مشکل نہیں تھا لیکن یہ پہاڑی ندی تھی اس لیے اس کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ اتنا تیز کہ طاقتور مجاہدین کے لیے بھی پاؤں جمانا محال تھا۔ اس تیزی اور تُندی کے علاوہ پانی اتنا یخ تھا کہ جسم اکڑتا محسوس ہوتا تھا۔ گھوڑے بھی ٹھٹھرتے اور بدکتے تھے۔

سامان خچروں پر لدا ہُوا تھا۔ بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں ساتھ نہیں لے جائی جا رہی تھیں کیونکہ طارق کو بتایا گیا تھا کہ وادی کے اندر راستہ اتنا تنگ اور دشوار ہے کہ گاڑیاں نہیں گزر سکیں گی۔

چار گھوڑسوار آگے آگے اور ایک دوسرے سے اتنا فاصلہ رکھ کر جا رہے تھے کہ ایک دوسرے کی پکار سن سکتے۔ سب سے آگے والا سوار کوئی دشواری یا رکاوٹ دیکھتا تو بلند آواز سے پیچھے والے کو اور پیچھے والا اپنے پیچھے والے کو خبردار کرتا اور اس طرح سب سے آخر والا سوار لشکر کے ہراول تک اطلاع پہنچا دیتا کہ آگے کیا ہے اور کس طرف مُڑنا ہے۔

ایک ندی میں سے گزرے تو بمشکل دو میل چلے ہوں گے کہ ایک اور ندی آگئی۔ مجاہدین کے کپڑے پہلی ندی کے بھیگے ہُوئے تھے اور ابھی پانی ٹپکا رہے تھے کہ دوسری ندی آگئی۔ یہ پہلی ندی جیسی تھی۔ کمر تک ہی گہری تھی لیکن بہاؤ پہلی ندی کی نسبت زیادہ تیز تھا۔ یہ ندی بھی لشکر نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر پار کی۔ گھوڑسوار تو گھوڑوں کو ندی میں سے گزار کر لے گئے لیکن خچروں کو گھسیٹ گھسیٹ کر اور دھکیل دھکیل کر ندی سے گزارا گیا۔ چار پانچ خچریں ندی کے

درمیان میں جہاں پانی کا دباؤ بھی تیز تھا، قدم نہ جما سکیں اور گر پڑیں۔ تیز و تُند ندی نے انہیں سنبھلنے اور اُٹھنے نہ دیا۔ کسی سالار نے دُور سے کہا کہ انہیں چھوڑ دو، ان کے پیچھے نہ جانا، خود بھی بہ جاؤ گے ـــــ الجارہ کی وادی کے حُسن نے پہلی چار جانیں لے لیں۔

۵

طارق کا لشکر جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا تھا، وادی کا حُسن پُراسرار اور ڈراؤنا ہوتا جا رہا تھا۔ بعض جگہوں پر خاردار درخت تھے۔ بعض جگہوں پر تو پیڑ اتنے گنجان تھے کہ ان میں سے گزرنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ ان درختوں نے سورج کی کرنوں اور تپش کو زمین تک پہنچنے سے روک رکھا تھا۔ زمین اتنی گیلی تھی کہ جگہ جگہ کیچڑ تھا جس میں پیادوں کو چلنے میں بہت دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

پورے دو دن اس گھنے جنگل میں سے ہی گزرنے میں گزر گئے۔ میدانی علاقوں میں یہ لشکر دو دنوں میں چالیس سے پچاس میل کا فاصلہ طے کر جایا کرتا تھا لیکن اس جنگل میں دو دنوں میں پورے دس میل بھی فاصلہ طے نہ ہُوا۔ ان دو دنوں کے درمیان ایک رات پڑاؤ بھی کیا گیا۔

یہ صرف جنگل ہی نہیں تھا بلکہ ٹیلے، ٹیکریاں اور چٹانیں بھی تھیں۔ کھڈ تھے اور نشیب بھی جن میں گھاٹیاں اترتی اور چڑھتی تھیں۔ ان پر پھسلن تھی۔ گھوڑے تو پاؤں جما کر چلے جا رہے تھے، مشکل پیادوں کے لیے تھی۔ وہ ایک دوسرے کو پکڑ کر گھاٹیاں اُترتے اور چڑھتے، گرتے اور اُٹھتے تھے۔

سپہ سالار طارق بن زیاد انتہائی خطرناک دشواریوں میں اپنے لشکر کو ہی نہیں بلکہ اُمّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو نیا راستہ دِکھا رہا تھا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ خاموشی سے نہیں چلا جا رہا تھا بلکہ وہ لشکر کے ہراول تک گھوڑا دوڑاتا جاتا اور وہاں سے لشکر کے آخر تک جاتا۔ وہ چلّا چلّا کر لشکر کا حوصلہ بڑھاتا تھا۔

"تمہیں یہ دریا اور یہ ندیاں نہیں روک سکتیں۔"
"تم پہاڑوں کے جگر چاک کر سکتے ہو۔"
"اللہ تمھارے ساتھ ہے۔"
"منزل قریب ہے اللہ کے شیرو!"
"تم جنّت کے راستے پر جا رہے ہو۔"
"پورا اُندلس تمھارا ہے۔"
"اُندلس کے خزانے تمھارے ہیں۔"
"اللہ کو یاد کرتے ہُوئے چلو۔"

طارق کا انداز ایسا پُرجوش تھا کہ اس دشوار اور جان لیوا کُوچ کی صعوبتوں کے باوجود مجاہدین کے چہروں پر رونق اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ طارق کی حوصلہ افزا للکار کے جواب میں لشکر کی بار بار گرج سنائی دیتی تھی:

"ہم تمھارے ساتھ ہیں طارق!"
"ہم تمہیں اللہ کے سامنے شرمسار نہیں ہونے دیں گے۔"

"اللہ اکبر..... اللہ اکبر"

اس کوچ کی تفصیلات جو تاریخ دانوں نے لکھی ہیں، اتنی طویل ہیں کہ صرف اس کوچ اور راستے کی دشواریوں پر ہی ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہ ایک تاریخ کوچ تھا جس میں اگر ساری نہیں تو آدھی فوج کی تباہی کا خطرہ اور امکان موجود تھا۔ یہاں دو تین حادثوں کا بیان کافی ہوگا۔

۞

ایک ایسا علاقہ آگیا جس کی زمین عجیب و غریب گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی اور درخت نہیں تھے۔ تاریخوں کے مطابق یہ علاقہ کم و بیش ایک میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس ایک میل علاقے میں صرف گھاس تھی جو ایک فٹ سے چار فٹ اونچی تھی۔ وہاں درخت اس علاقے کے اردگرد تھے اور اردگرد اونچی ٹیکریاں تھیں جو درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں وہاں کوئی پگڈنڈی یا راستہ تو تھا نہیں، ہراول دستہ سیدھا اس اونچی گھاس میں داخل ہوگیا۔ یہ سب گھوڑسوار تھے۔ وہ چھ چھ سات سات کی صفوں میں جا رہے تھے۔

گھوڑوں کے قدموں سے گھاس میں سے پانی اچھلنے لگا۔ سواروں نے اتنے سے پانی کی پرواہ نہ کی اور بڑھتے چلے گئے۔ ان کے پیچھے پیادے بھی گھاس میں داخل ہوگئے اور پانی میں چلتے گئے۔ اچانک سب سے آگے جانے والے سواروں کا شور و غل سنائی دینے لگا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ ذرا گہرے پانی میں چلے گئے تھے۔ گھوڑے اتنی زور سے ہنہنا کر بے لگام ہوتے جا رہے تھے جیسے ان کے سامنے بہت بڑا خطرہ آگیا ہو۔

وہ پیادے جو گھاس میں کچھ دور تک پیچھے کو بھاگے۔ ان میں سے کئی ایک گر پڑے۔ چند ایک کی چیخیں سنائی دیں اور ان کا بڑا بلند واویلا سنائی دیا۔ "بچاؤ..... ان بلاؤں سے بچاؤ"۔ ان کے ساتھ تین چار گھوڑے تو ایسی بری طرح ہنہنائے جیسے ان پر درندوں نے حملہ کر دیا ہو۔

"مگرمچھ ہیں" — کوئی چلایا — "بےشمار مگرمچھ ہیں"۔

یہ اونچی گھاس دراصل پانی میں اگی ہوئی تھی اور یہ گھاس نہیں تھی بلکہ پانی میں اگنے والے گھاس نما پودے تھے۔ یہ اتنے زیادہ تھے کہ ان کے نیچے پانی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ آگے پانی گہرا تھا۔ جب سوار اور پیادے آگے گئے تو مگرمچھوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ مگرمچھ ایسے ہی دلدلی اور جنگلاتی پانی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو تھی۔ انہوں نے چند ایک گھوڑوں کو اور چند ایک پیادوں کو پکڑ لیا اور گہرے پانی میں گھسیٹ کر لے گئے۔ باقی سب وہاں سے بھاگ آئے۔

راستہ بدل دیا گیا لشکر پہاڑیوں کے اندر چلا گیا۔

۞

اس وقت تک کئی پڑاؤ ہو چکے تھے۔ مجاہدین کے لشکر کی جذباتی حالت تو ٹھیک تھی لیکن جسمانی طور پر وہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ یہ طارق بن زیاد کی حوصلہ افزائی کے اثرات تھے کہ لشکر چلا

جا رہا تھا اور اس علاقے کی دشواریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایک روز لشکر چلا جا رہا تھا کہ آگے سے چار گھوڑے آئے۔ دو پر تو اپنے ہی سوار تھے، تیسرے گھوڑے پر ایک مجاہد کو اس طرح ڈالا ہُوا تھا کہ اُس کا سر ایک طرف اور ٹانگیں دوسری طرف تھیں اور اُس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ چوتھے گھوڑے پر ایک شیر ڈالا ہُوا تھا جس کے جسم میں تین تیر لگے ہوئے تھے۔ معلوم ہُوا کہ یہ مجاہدین ہراول دستے سے بہت آگے جا رہے تھے کہ اچانک سب سے پچھلے مجاہد پر اس شیر نے حملہ کر دیا۔ اُس کا گھوڑا بھاگ اُٹھا لیکن شیر نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ گھوڑا اس قدر ڈرا ہُوا بھاگ رہا تھا کہ یہ سوار گر پڑا۔ دوسرے مجاہدین نے شیر پر تیر چلائے لیکن شیر مرتے مرتے اس مجاہد کو چیر پھاڑ ڈالا۔

اس جنگل میں جس میں معلوم ہُوا تھا کہ یہ پہلے انسان تھے جو گزر رہے تھے، درندے بے دھڑک گھومتے پھرتے تھے لیکن یہ بہت بڑا لشکر تھا اس لیے درندے قریب نہیں آتے تھے۔ اس کے باوجود چند ایک خچریں اور گھوڑے درندوں کا شکار ہو گئے۔ مجاہدین کو خبردار کر دیا گیا کہ اکیلے دکیلے اِدھر اُدھر نہ جائیں۔

اس کوچ میں کم و بیش ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا اور ابھی تک یہ خوفناک اور خوبصورت علاقہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ تاریخ میں نمایاں ذکر ایک تنگ اور انتہائی بلند راستے کا ہے جو اب شروع ہو رہا تھا۔ یہاں تک مجاہدین بالکل ہی شل ہو چکے تھے۔

یہ راستہ ایک پہاڑی کے ساتھ ساتھ گھومتا ہُوا اوپر ہی اوپر چلا جا رہا تھا اور اتنا تنگ ہوتا جا رہا تھا کہ ایک آدمی یا ایک گھوڑا گزر سکتا تھا۔ لشکر اس راستے پر چلتا گیا۔ دو تین خچریں پھسل کر لڑھکتی ہوئی بہت دُور نیچے جا پڑیں۔ نیچے گہری کھائیاں تھیں۔ انہیں بچایا نہیں جا سکتا تھا۔

آخر کچھ اس طرح ہُوا کہ پہاڑ ایک طرف ہٹ گیا اور دیوار کی طرح کا ایک پہاڑ شروع ہو گیا جو بہت ہی بلند تھا۔ لشکر اس کی چوٹی پر چلا جا رہا تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ اس راستے پر آنے سے پہلے پورا ایک دن سارے علاقے میں آدمی بھیج کر کسی اور راستے کی تلاش میں بھیجا گیا تھا لیکن ہر طرف پہاڑ، چٹانیں اور ندیاں تھیں۔ مجبوراً یہ راستہ اختیار کرنا پڑا۔ مجاہدین سے کہہ دیا گیا کہ وہ دائیں اور بائیں نہ دیکھیں۔ راستہ تنگ تھا اور بلندی اتنی کہ نیچے دیکھنے سے خوف طاری ہوتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دو گھوڑوں کے پاؤں پتھروں پر آنے کی وجہ سے پھسل گئے اور گھوڑے بدک کر اِدھر اُدھر ہوئے تو لڑھکتے، قلابازیاں کھاتے سواروں سمیت نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پھر دو تین مجاہد لڑھک گئے۔ ان کی چیخیں اور واویلا سنائی دیتا رہا جو دُور ہی دُور ہٹتا گیا پھر اس خوفناک وادی میں خاموشی چھا گئی۔ تقریباً ہر مؤرخ نے اس راستے کا ذکر خاص طور پر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ طارق بن زیاد ہی تھا جس نے اتنا بڑا خطرہ مول لے کر لشکر کو اس راستے پر ڈال دیا تھا۔ اگر وہ لشکر کو اس راستے سے گزرنے کے طریقے اور احتیاطی تدابیر ساتھ ساتھ نہ

بتاتا رہتا تو لشکر کے کئی گھوڑے اور آدمی ضائع ہو جاتے۔ یہ تنگ اور بہت ہی بلند راستہ دو دنوں میں طے ہُوا۔ رات کے وقت بھی لشکر کو چلتا رکھا گیا۔ وہاں رکنا خودکُشی کے برابر تھا۔ اگر رُک جاتے تو تھکن سے غنودگی طاری ہو جاتی اور یہ غنودگی مجاہدین کو اُوپر سے نیچے لڑھکا دیتی اور وہ سیدھے موت کے منہ میں جاتے۔

رات کو مشعلیں جلا لی گئی تھیں اور چلنے کی رفتار بہت ہی سست ہو گئی تھی۔

اگلا دن بھی چلتے ہُوتے گزرا۔ راستہ اور زیادہ تنگ اور بلند ہوتا جا رہا تھا۔ لشکر کی اب یہ کیفیت جیسے مجاہدین خواب میں چل رہے ہوں۔ ایک تو نیند کا غلبہ تھا۔ دوسرے سفر کی تھکن تھی اور اعصاب پر خوف کا اثر بھی تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ لشکر کو دو دنوں سے کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا اور گھوڑے بھی بھوکے اور خچریں بھی بھوکی تھیں۔ اس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جانور بے قابو ہو جائیں گے۔ یہ سواروں کا کمال تھا کہ انہوں نے جانوروں کو قابو میں رکھا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے یہ راستہ کھلا ہونے اور نیچے کو جانے لگا اور پھر یہ ایک پہاڑ کے ساتھ ہو گیا۔ پھر تھوڑا ہی فاصلہ آگے یہ راستہ بل کھاتا ہُوا ایک وادی میں اُتر گیا جو اتنی کشادہ تھی کہ یہ پورا لشکر اس میں سما سکتا تھا۔ طارق بن زیاد نے لشکر کو وہیں روک لیا۔ وادی سرسبز اور شاداب تھی۔ گھوڑوں اور خچروں کو چرنے چُگنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ پیادوں کا یہ عالم تھا کہ وہ گر پڑے اور جو جہاں گرا وہیں سو گیا۔

٭

طارق بن زیاد کے حکم سے اس وادی میں دو دن پڑاؤ کیا گیا پھر آگے کوچ شروع ہُوا۔ اب جو علاقہ آیا وہ ہموار نہیں تھا لیکن اس میں وہ دشواریاں اور رکاوٹیں نہیں تھیں جن میں سے لشکر گزر کر آیا تھا۔

ایک پڑاؤ اور کیا گیا۔ جو مجاہدین آگے گئے ہُوتے تھے انہوں نے آکر اطلاع دی کہ ایک بڑا شہر جس کا نام ماندہ ہے ایک دن کی مسافت پر ہے۔

جس راستے سے طارق بن زیاد گزر کر آگے نکلا، اس راستے نے اتنی زیادہ اہمیّت حاصل کی کہ اس کا نام فجِ طارق رکھا گیا اور آج تک یہ راستہ اسی نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

پھر وہ وقت آیا کہ طارق کے لشکر نے ماندہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ ماندہ کا شمار بھی اُندلس کے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ شمالی اُندلس میں اس شہر کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

شہر پناہ پر تیر انداز اور برچھی باز کھڑے تھے اور وہ مسلمانوں کو للکار رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس شہر پر جانیں قربان کر دیں گے۔ طارق بن زیاد شہر کے چاروں طرف گھوڑا دوڑاتا پھر رہا تھا۔ دیوار ہر طرف سے مضبوط لگتی تھی اور صاف پتہ چلتا تھا کہ یہاں کے لوگوں کے دل بھی اس دیوار کے پتھروں کی طرح مضبوط ہیں۔ طارق نے وہاں کی زبان میں اعلان کرایا کہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ شہر کے دروازے کھول دو۔ اگر دروازے تم نے کھول دیتے تو ہم تمہیں دوست سمجھیں گے اور تم سے کوئی تاوان اور جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ اگر دروازے

ہم نے اپنی ہمت سے کھولے تو پھر تمہارے ساتھ وہ سلوک ہو گا جو دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

اس اعلان کے جواب میں دیوار کے اوپر سے تیر برسنے لگے اور اس کے ساتھ یہ للکار کہ دروازے اپنی ہمت سے توڑلو۔

طارق نے دروازوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ دن بھر حملے ہوتے رہے لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہُوا۔

۞

اگلی صبح پھر وہی کُشت وخون ہونا تھا لیکن شہر کا صدر دروازہ کھُلا اور چار گھوڑ سوار باہر نکلے۔ ایک گھوڑ سوار کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔ اُنہوں نے قریب آکر پوچھا کہ تمہارا سپہ سالار کہاں ہے، ہم صُلح کی بات کرنے آئے ہیں۔ انہیں طارق بن زیاد تک پہنچا دیا گیا۔ صُلح کے لیے آنے والا قلعہ دار خود تھا۔

"اے سپہ سالار!"___ قلعہ دار نے پُوچھا ___"کیا یہ صحیح ہے کہ تُو وادی الحجارہ سے اپنے لشکر کو گزار کر لایا ہے؟"

"کیوں؟"___ طارق بن زیاد نے مُسکرا کر پوچھا ___"کیا تُو حیران ہو رہا ہے کہ میں اس وادی میں سے گزر کر آیا ہوں؟"

"ہاں!"___ قلعہ دار نے کہا ___"میں ہی نہیں جو سُنے گا وہ حیران ہو گا ..... اس وادی میں سے وہی گزر سکتا ہے جو جنّات میں سے ہو یا کسی کی بدرُوح ہو۔ کوئی انسان زندہ وسلامت اس میں سے نہیں گزر سکتا۔ ہم لوگ کئی مہینوں کی مسافت قبول کر لیتے ہیں لیکن اس وادی میں سے نہیں گزرتے۔"

"دیکھ لے میرے دوست!"___ طارق بن زیاد نے کہا ___"میں اپنے لشکر کے ساتھ تیرے سامنے زندہ وسلامت موجود ہوں ..... اب یہ سوچ لے کہ جو شخص اپنے لشکر کو جنّات اور بدرُوحوں کی وادی میں سے زندہ نکال لایا ہے اُس کے لیے اس شہر کے دروازے کھلوانا کوئی مشکل نہیں۔ ہاں اگر تُو انسانوں کی خونریزی میں خوش ہے تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں گا لیکن یہ بھی سوچ لے کہ پھر تُو زندہ نہیں رہے گا اور اس شہر کی فوج اور شہریوں کو بہت زیادہ تاوان اور جزیہ دینا پڑے گا۔"

"میں خونریزی نہیں چاہتا"___ قلعہ دار نے کہا ___"میں تسلیم کرتا ہوں کہ جو شخص وادی الحجارہ سے گزر آیا ہے، اُس کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ ہم صُلح کی شرطیں طے کرنے آئے ہیں۔"

"ہاں!"___ طارق بن زیاد نے کہا ___"اپنی شرطیں بتاؤ۔"

"ہمیں شہریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی ضمانت چاہیئے۔ لوگوں کے گھروں میں لُوٹ مار نہ ہو....!"

"یہ شرطیں تمہاری نہیں"___ طارق بن زیاد نے کہا ___"یہ شرطیں اس عظیم مذہب کی ہیں جو ہم اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہم یہاں لُوٹ مار کرنے اور نہتے لوگوں کی عزتوں پر حملہ کرنے نہیں آئے۔

ہم انسانوں کو وہ حقوق دلانے آئے ہیں جو انسان کو اللہ نے دیتے ہیں۔ جاؤ اور شہر کے دروازے کھول دو۔"

اس طرح طارق بن زیاد کو ماندہ کا شہر خون کا ایک قطرہ بھی بہائے بغیر مل گیا۔

اس شہر کا نظم و نسق حکام کے حوالے کر کے طارق بن زیاد گلیشیا پہنچا۔ یہ ماندہ سے ذرا چھوٹا شہر تھا جو تھوڑی سی کاوش سے فتح ہو گیا۔

ایسے ہی طارق بن زیاد نے ایک اور شہر تلویرا فتح کیا۔

یہ ۷۱۴ء کا واقعہ ہے۔ طارق نے مجاہدین کو ذرا لمبا عرصہ آرام دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک مسلمان تاریخ دان ابن القوطیہ نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد جو تجربہ کار اور حقیقت پسند سپہ سالار تھا، کبھی کبھی بچوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ ایک روز اُس نے ہنستے ہوئے کہا کہ وہ تحفے میرے سامنے رکھو جو میں نے اکٹھے کیے ہیں۔ یہ سارا سامان خچروں پر لدا ہوا ساتھ آیا تھا۔ فوراً ہی یہ اُس کے سامنے قرینے سے رکھ دیا گیا۔ یہ بہت ہی قیمتی اشیاء تھیں۔ سب سے زیادہ قیمتی وہ میز تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بتائی گئی تھی۔

"یہ میں اپنے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کو پیش کروں گا" ـــــ اُس نے بچوں کی سی شوخی سے کہا۔

"امیر المومنین کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت تحفہ تو اُندلس ہے" ـــــ ایک سالار نے کہا۔

"اُندلس تو میں نے اللہ کے حضور پیش کر دیا ہے" ـــــ طارق نے کہا ـــــ "یہ ملک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ کون جانے کس وقت دشمن کا ایک تیر مجھے اللہ اور رسولؐ اللہ کے پاس پہنچا دے۔ میں نے اپنا تحفہ پہلے ہی پہنچا دیا ہے..... یہ چیزیں جو سونے اور چاندی کی بنی ہوئی ہیں اور یہ ہیرے، موتی اور چمکتے ہوئے بیش قیمت پتھر دنیا والوں کے لیے ہیں۔ یہ زندہ لوگوں کے لیے ہیں۔"

طارق فوراً ہی جذباتی کیفیت سے نکل آیا اور اُس نے بچوں کے سے انداز سے اِن تحفوں کو الگ الگ کرنا شروع کر دیا ـــــ "یہ اپنے امیر موسیٰ بن نصیر کے لیے ہے..... یہ امیر المومنین کو پیش کروں گا۔"

طارق بن زیاد کو معلوم نہیں تھا کہ اُندلس کے جو علاقے فتح کر لیے گئے تھے وہ کس خطرے میں پڑ گئے تھے۔ تقریباً تمام بڑے شہروں میں بغاوت شروع ہو گئی تھی اور اِدھر طارق نے اپنے لشکر کو اتنی دشوار گزار اور خطرناک وادی میں داخل کر کے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ اللہ کا خاص فضل و کرم تھا کہ دونوں خطرے ٹل گئے تھے۔

۞

اُس وقت جب طارق تلویرا میں اپنے لشکر کو آرام دے رہا تھا، مریدا میں عبدالعزیز

اپنے باپ امیر موسیٰ بن نصیر کو رپورٹ دے رہا تھا کہ اس نے بغاوت کو کس طرح دبایا ہے اور باغیوں کے کتنے سرغنوں کو قتل کیا ہے۔ اُس وقت اُس کی بیوی ایجیلونا اُس کے ساتھ تھی۔

"اور یہ کارنامہ ایجیلونا کا ہے"—— عبدالعزیز نے کہا اور موسیٰ کو تفصیل سے سنایا کہ ایجیلونا نے کس طرح باغیوں کے سرغنوں کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا تھا۔ اُس نے کہا —— "اگر ایجیلونا نہ ہوتی تو بغاوت کا ہمیں اُس وقت پتہ چلتا جب باغی تمام بڑے شہروں پر قابض ہو چکے ہوتے، پھر بغاوت پر قابو پانا ناممکن ہو جاتا۔"

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں نے اپنا مذہب کیوں نہیں چھوڑا تھا؟" —— ایجیلونا نے کہا —— "اگر میں مسلمان ہو چکی ہوتی تو میں کچھ بھی نہ کر سکتی۔ عیسائی اور راڈرک کی بیوہ ہونے کی وجہ سے وہ سب میرے جال میں آ گئے.... میں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ مجھے مذہب تبدیل کرنے کے لیے نہ کہنا، اور سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ یہودیوں کو قابلِ اعتماد قوم سمجھنا چھوڑ دو۔ انہوں نے طارق بن زیاد کو ظاہری طور پر اور در پردہ جو مدد دی ہے وہ انہوں نے اپنے مفاد کے لیے دی تھی۔ وہ شاہ راڈرک کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے کیونکہ شاہ راڈرک یہودیوں کو فتنہ پرداز اور شیطان قوم سمجھتا تھا۔ راڈرک کی تباہی میں وہ کامیاب رہے ہے اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ آپ کی بادشاہی کو قائم ہی نہ ہونے دیں۔"

موسیٰ بن نصیر نے ایجیلونا کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہی تھا جو اُس نے کیا اور وہ اس حسین عورت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس پہلو پر دھیان ہی نہ دیا کہ وہ اُس کے بیٹے کی بیوی ہے لیکن اسلام قبول نہیں کر رہی نہ ہی اُس کا کوئی ارادہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے گی۔

"طارق بن زیاد کو بھی خبردار کر دینا چاہیئے"—— عبدالعزیز نے موسیٰ سے کہا —— "وہ ابھی تک یہودیوں کو اپنا دوست اور اتحادی سمجھ رہا ہوگا۔ وہ اکیلا ہے کہیں دھوکے میں نہ آ جائے۔"

"طارق کو میں کیا خبردار کروں گا"—— موسیٰ بن نصیر درشت لہجے میں بولا —— "وہ سرکش اور نافرمان ہے۔ وہ دھوکے میں آئے گا، نقصان اٹھائے گا تو ہی وہ کچھ سمجھے گا۔ میں نے اُسے حکم بھیجا تھا کہ وہ جہاں ہے وہیں رُکا رہے مگر اُس نے میرے حکم کی پرواہ ہی نہیں کی۔ گذشتہ رات مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ طلیطلہ سے بھی آگے نکل گیا ہے اور ایسے پہاڑی علاقے میں چلا گیا ہے جو خطرناک اور جاں لیوا حد تک دشوار گزار ہے۔"

"کیا طلیطلہ سے کوئی آیا ہے؟"—— عبدالعزیز نے پوچھا۔

"میں نے اپنے قاصد کو بھیجا تھا"—— موسیٰ نے بیزاری کے لہجے میں کہا —— "میں نے پیغام بھیجا تھا کہ طلیطلہ میں میرا انتظار کرنا، میں کسی بھی دن آ جاؤں گا.... گذشتہ رات قاصد واپس آیا ہے۔ طارق تین دن پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ قاصد کو وہاں سے پتہ چلا ہے کہ طارق نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ اُسے جولین اور اوپاس نے اس وادی کے راستے جانے سے روکا تھا لیکن اُس نے کسی کی نہیں سُنی.... میں اُسے وہاں پیغام بھیج رہا ہوں

کہ طلیطلہ میں آکر مجھے ملے۔"

"پیغام کہاں بھیج رہے ہیں؟" ___ عبدالعزیز نے کہا ___ "قاصد کو وہ کہاں ملے گا؟"

"اس وادی کے آگے ایک شہر مانده ہے" ___ موسیٰ نے کہا۔

"گیلیشیا اور تلویرا بھی ہیں" ___ ایجیلونا نے موسیٰ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ___ "اس خطرناک پہاڑی جنگل کے آگے یہی تین چار بڑے شہر ہیں۔ میں شاہ راڈرک کے ساتھ تین چار بار اس علاقے میں گئی ہوں۔ ہم نے شیر بھی مارے ہیں اور ایک بار ایک مگرمچھ زندہ پکڑ کر لائے تھے۔ بہت خطرناک علاقہ ہے۔ محفوظ راستہ اس وادی کے باہر سے جاتا ہے۔"

"قاصد محفوظ راستے سے جائے گا" ___ موسیٰ نے کہا ___ "طارق کا ایک بار میرے سامنے آنا بہت ضروری ہے۔ میں اُسے لگام ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"قابلِ احترام والد!" ___ عبدالعزیز نے موسیٰ کو غصے کی کیفیت میں دیکھتے ہوئے کہا ___ "طارق کو سرزنش کرتے ہوئے آپ کو خیال رکھنا پڑے گا کہ اُس نے اُندلس کے فاتح کا درجہ حاصل کر لیا ہے اور بلاشک و شبہ اُندلس کا پہلا امیر طارق ہی ہو گا۔"

"میں اُندلس کا فاتح اُسی کو تسلیم کرتا ہوں" ___ موسیٰ بن نصیر نے کہا ___ "لیکن میں ایسے خودسر باغی فطرت کے آدمی کو اس ملک کا امیر نہیں بنا سکتا جسے فتح کرتے ہی بغاوتیں سر اٹھا رہی ہیں۔"

"کیا آپ یہ تو نہیں سوچ رہے کہ طارق آپ کا غلام ہوا کرتا تھا؟" ___ عبدالعزیز نے کہا ___ "مجھے شک ہے کہ ایسی ہی سوچ نے آپ کو طارق سے بدظن کر دیا ہے۔"

"نہیں میرے عزیز بیٹے!" ___ موسیٰ نے کہا ___ "اپنے آزاد کیے ہوئے غلام کو حقیر سمجھنا اسلامی احکام کے منافی ہے۔ میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی وفات سے کچھ دن پہلے پیدا ہوا اور حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت دیکھا ہے جو مجھے خواب کی طرح یاد ہے۔ میں اُس وقت بہت چھوٹا تھا۔ میں انہی خلفاء کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا ہوں۔ تم نے سنا ہو گا کہ خالدؓ بن ولید کو خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے سپہ سالاری سے برطرف کر کے گھر بٹھا دیا تھا۔ جانتے ہو ابنِ ولید کتنا عظیم سپہ سالار تھا؟"

"ہاں والدِ محترم!" ___ عبدالعزیز نے کہا ___ "جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ ولید کو اللہ کی تلوار کہا تھا۔ آپؐ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا فتنہ اُٹھا تھا، وہ اسلام کے خلاف بہت بڑی اور منظم بغاوت تھی جو دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ اس بغاوت پر خالدؓ بن ولید نے قابو پایا تھا۔"

"فارس اور روم کی جنگی طاقتوں کو ابنِ ولید نے ختم کیا اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں بہت دُور تک لے گیا تھا" ___ موسیٰ نے کہا ___ "لیکن حضرت عمرؓ نے اُسے ایسی حکم عدولی کی وجہ سے جسے نظرانداز کیا جا سکتا تھا، معزول کر دیا تھا.... اسلام خلیفہ، امیر، امام اور عہدیدار کی حکم عدولی کو برداشت نہیں کرتا بشرطیکہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو۔"

"آپ طارق بن زیاد کو سزا دے سکتے ہیں" ـــــ عبدالعزیز نے کہا ـــــ "اُسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتے کہ وہ اُندلس کا پہلا امیر ہوگا"۔

"آپ خاموش نہیں رہ سکتے عزیز!" ـــــ ایجیلونا نے کہا ـــــ "آپ کے والد سپہ سالارِ اعلیٰ ہیں اُندلس میں کسی کو امیر مقرر کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ یہ آپ سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ یہ جسے اس قابل سمجھیں گے اُسے اُندلس کا امیر بنائیں گے۔ طارق کسی بھی ملک کا فاتح ہو سکتا ہے۔ وہ بہت ہی قابل جرنیل ہو سکتا ہے اور ہے بھی۔ راڈرک کو شکست دینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں لیکن کسی ملک کا امیر بننے کے لیے جن اوصاف اور خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ قابلیت طارق میں نہیں۔ وہ آپ میں موجود ہیں عزیز!"

"مجھ میں؟" ـــــ عبدالعزیز نے حیران ہو کے کہا۔

"ہاں!" ـــــ ایجیلونا نے کہا ـــــ "آپ میں امیرِ اُندلس بننے کی خوبیاں موجود ہیں۔ آپ ایک عظیم باپ کے بیٹے ہیں۔ اس عظیم باپ کو تو خلیفہ ہونا چاہیئے تھا۔ اُنہوں نے آپ کی تربیت اپنی شخصیت اور اپنی عظمت کے مطابق کی ہے۔ میں مانتی ہوں کہ اسلام مساوات کا حکم دیتا ہے۔ اسلام میں آقا اور غلام میں کوئی فرق نہیں لیکن جو آدمی غلامی میں جوان ہوا ہو اُسے آزاد کر دو، اُسے اپنے سر پر بٹھالو، وہ آپ پر جان قربان کر دے گا لیکن وہ آقا نہیں بن سکتا کیونکہ آقا بننے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ اس سے محروم ہے"۔

ایجیلونا بولتی جا رہی تھی اور موسیٰ بن نصیر خاموشی سے سُن رہا تھا۔ ایجیلونا کا حُسن تو بے مثال تھا ہی لیکن اُس کے بولنے کا انداز اُس سے کہیں زیادہ حسین بلکہ سحر انگیز تھا۔ اُس کی آواز میں ترنم تھا۔

موسیٰ بن نصیر جہاندیدہ اور معمر آدمی تھا۔ وہ ایجیلونا کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس حسین چہرے کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

عبدالعزیز جواں سال آدمی تھا۔ اُس نے ایجیلونا کے حُسن سے مسحور ہو کر اُس کے ساتھ شادی کی تھی۔ وہ تو اس پُرشباب عورت کی ایک ایک ادا پر مرتا تھا۔ اب ایجیلونا نے باغیوں کے سر کچل کر عبدالعزیز کے دل میں کوئی اور ہی مقام پیدا کر لیا تھا۔

اُسی رات کو جب عبدالعزیز اور ایجیلونا اپنے سونے کے کمرے میں گئے تو عبدالعزیز نے پھر وہی بات چھیڑ دی جو موسیٰ کے پاس بیٹھے ہو رہی تھی۔

"ایجیلونا!" ـــــ عبدالعزیز نے کہا ـــــ "میں طارق بن زیاد کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا۔ تم اُسے ابھی تک غلام سمجھتی ہو اور مجھے اُس سے برتر قرار دیتی ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عربوں اور بربروں کو دو الگ قومیں کہا جا رہا ہے اور یہ بھی کہ عرب کے باشندے بربروں سے برتر ہیں اور زیادہ قابلِ احترام۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اسلام قبول کر لیا اُس کے دل سے برتر اور کمتر کا امتیاز مٹ گیا۔ اللہ کی نگاہ میں برتر وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے"۔

ایجیلونا صرف حسین ہی نہیں تھی، وہ کسی پیشہ ور ساحرہ سے کم نہ تھی۔ اُس کی زبان میں جادو کا

اثر تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس موقعے پر کس قسم کے ناز و انداز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ عبدالعزیز طارق بن زیاد کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا تو اُس نے پینترا بدل لیا۔ حقیقت یہ تھی کہ ایجیلونا کی دلی خواہش تھی کہ پہلا امیرِ اُندلس اُس کا خاوند عبدالعزیز ہو۔ شادی کے وقت ایجیلونا نے عبدالعزیز سے کہہ بھی دیا تھا کہ وہ بیوی نہیں ملکہ بنے گی۔

"میں دل سے طارق کے خلاف نہیں ہوں عزیز!" —— ایجیلونا نے عزیز کو اپنے ساتھ لگا کر کہا —— "میں اُس کا اتنا ہی احترام کرتی ہُوں جتنا تُم کرتے ہو۔ میں تمہارے سامنے اُس کی تعریف کرتے ڈرتی ہوں۔ تم اس وہم میں نہ پڑ جاؤ کہ تمہاری نسبت مجھے طارق زیادہ اچھا لگتا ہے۔ میں طارق کو کمتر نہیں سمجھتی۔"

عبدالعزیز ایجیلونا کے ریشم جیسے ملائم اور مرمریں شانوں پر بکھرے ہُوتے بالوں کا لمس اپنے گالوں پر محسوس کر رہا تھا اور ان بالوں سے اٹھتی ہُوئی خوشبو اُسے مخمور کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایجیلونا کی مترنم آواز اور اُس کے ساتھ اُس کے نیم عریاں جسم کا گداز۔ یہ وہ جسم تھا جس نے راڈرک جیسے پتھر کو موم کر دیا تھا۔

تھوڑی سی دیر میں عبدالعزیز پوری طرح مسحور ہو چکا تھا۔

"اب خیال رکھنا" —— ایجیلونا نے بہت سی باتیں اور عریاں حرکتیں کر کے کہا —— "اگر تمہارے والد تمہیں امیرِ اُندلس بنانے کا فیصلہ کریں تو یہ نہ کہہ دینا کہ یہ طارق کا حق ہے۔ میں تمہیں اُندلس کے تخت پر بیٹھا ہُوا دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جو تم کہو گی وہی ہو گا ایجیلونا!" —— عبدالعزیز نے مخمور آواز میں کہا اور اُس کے وجود میں سکڑ سمٹ گیا۔

۞

مُوسیٰ بن نصیر نے طارق کو طلیطلہ میں آنے کا پیغام دے کر قاصد کو بھیج دیا تھا۔

ایک شام ایجیلونا اپنے گھر میں عبدالعزیز کے پاس بیٹھی ہُوئی تھی۔ یہ گھر محل جیسا تھا جس میں اس علاقے کا عیسائی گورنر رہا کرتا تھا۔

ایک خادمہ نے کمرے میں آ کر ایجیلونا کو اطلاع دی کہ اُس کی ایک پرانی خادمہ اُسے ملنے کے لیے آئی ہے۔

"کیا نام بتاتی ہے؟" —— ایجیلونا نے پوچھا۔

"نام نہیں بتاتی" —— خادمہ نے جواب دیا —— "کہتی ہے نام بتایا تو ملکہ ملنے سے انکار کر دیں گی.... اور کہتی ہے کہ ملکہ نے مجھے ملنے سے انکار کر دیا تو انہی کا نقصان ہو گا۔"

"بھیج دو اندر!" —— ایجیلونا نے کہا۔

خادمہ کے جانے کے بعد تیس پینتیس سال کے درمیان کی عمر کی ایک دراز قد عورت کمرے میں داخل ہُوئی۔ وہ پُرکشش عورت تھی۔ اُس نے جھک کر سلام کیا۔

"تم ہو!" ـــــ ایجیلونا نے بے رُخی سے کہا ـــــ "نادیہ.... کیا تم اس اُمید پر آئی ہو کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہوگا؟.... اور میری خادمہ سے تم نے یہ کیا کہا ہے کہ میں نے تم سے ملنے سے انکار کر دیا تو میرا ہی نقصان ہوگا؟.... کیا نقصان ہوگا میرا؟"

"میں معافی مانگنے نہیں آئی ملکہ!" ـــــ نادیہ نے کہا ـــــ "اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے آئی ہوں۔ آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت تو دیں۔"

"اس نے کیا جرم کر دیا ہے ایجیلونا؟" ـــــ عبدالعزیز نے پوچھا۔

"شاہ راڈرک جب دریائے گادلیت کی طرف جا رہا تھا تو میں یہاں مریدا آگئی تھی" ـــــ ایجیلونا نے عبدالعزیز کو سنایا ـــــ "یہاں شاہی خاندان کا ایک آدمی سب سے بڑا حاکم تھا۔ یہ بغاوت کے جرم میں قتل ہو چکا ہے.... شاہ راڈرک کی شکست اور موت کی اطلاع آئی تو رازلیو میرا امیدوار بن گیا۔ اُس نے ایسے جذباتی انداز سے میرے آگے اظہارِ محبّت کیا کہ میں نے اُس کی محبت کو قبول کر لیا لیکن میں نے اُسے کہا کہ مریدا کو مسلمانوں سے بچاؤ، اسی شہر کو دارالحکومت بناؤ، فوج تیار کرو اور مسلمانوں کو اُندلس سے نکالو پھر میں تمہاری ہوں....

"رازلیو نے اس شہر کو بچانے کی پوری کوشش کی تھی۔ خود میں نے فوج اور شہر کے لوگوں کو لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ یہ نادیہ میری خاص خادمہ تھی۔ اسے میں نے اپنی ہمراز سہیلی بنا رکھا تھا۔ میں ایک رات شہر کے سرکردہ آدمیوں کو اکٹھا کر کے انہیں بتا رہی تھی کہ شہر کے لوگوں کو اور عورتوں کو کس طرح لڑنے کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس اجلاس میں رازلیو نہیں تھا۔ اُس نے پیٹ کے شدید درد کی شکایت کی تھی....

"میں اجلاس سے فارغ ہو کر اسی کے کمرے کی طرف چلی گئی کہ اسے دیکھ آؤں۔ میں اس کے کمرے تک ابھی پہنچی نہیں تھی کہ میری ایک اور خادمہ نے مجھے روک کر کان میں بتایا کہ نادیہ بہت دیر سے رازلیو کے کمرے میں گئی ہوئی ہے۔ اس خادمہ نے مجھے بتایا کہ اس نے چھت پر جا کر روزن سے دیکھا اور دونوں کو بدکاری کی حالت میں پایا۔ یہ خادمہ نیچے آگئی اور ایک کھڑکی کے ساتھ کان لگائے۔ رازلیو اور نادیہ اتنی اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے کہ کھڑکی کے باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں نشے میں تھے۔ خادمہ نے بتایا کہ ان کی باتوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ رازلیو نے اس نادیہ کو میری جاسوسی پر لگا رکھا ہے کہ میں کون سے جرنیل سے چوری چھپے ملتی ہوں اور کس کے ساتھ میرے تعلقات ہیں....

"میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد نادیہ آگئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں تھیں؟ اس نے جھوٹ بولا۔ میں نے دیکھا کہ یہ نشے میں تھی۔ میں نے اسے صرف اتنا کہا کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤ اور مجھے اس شہر میں نظر نہ آنا۔ اس نے جاتے جاتے کہا کہ رازلیو اسے زبردستی اپنے کمرے میں لے گیا تھا اور قتل کی دھمکی دے کر شراب پلائی اور....؟"

"شاہی خاندانوں میں یہ کوئی نئی اور قابلِ اعتراض بات تو نہیں" ـــــ عبدالعزیز نے کہا ـــــ

"اگر یہ اُس کا حکم نہ مانتی تو قتل نہ ہو جاتی؟ ... تم نے رازلیو سے کچھ نہیں کہا؟"

"نہیں" ۔۔۔ ایجیلونا نے جواب دیا ۔۔۔ "اُسے تو میں نے پتہ ہی نہیں چلنے دیا تھا۔ نادیہ کو نکال کر مجھے افسوس نہیں ہوا۔ مجھے پہلے بھی کسی نے بتایا کہ یہ ہے تو خادمہ لیکن رازلیو کو اس نے مُٹھی میں لے رکھا ہے۔"

"وہ تو جو ہُوا سو ہُوا" ۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا ۔۔۔ "اب اس سے پوچھو کہ یہ کیوں آئی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے آئی ہے۔"

"ہاں، بتاؤ" ۔۔۔ ایجیلونا نے نادیہ سے پوچھا ۔۔۔ "کیا ثبوت پیش کرنے آئی ہو؟ ... بیٹھ جاؤ۔"

۵

"میں یہ عرض کرنے نہیں آئی کہ مجھے معاف کر دیں" ۔۔۔ نادیہ نے کہا ۔۔۔ "نہ میں یہ کہوں گی کہ مجھے پھر اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ میں بےگناہ تھی۔ میں تو آپ کا شکریہ ادا کروں گی کہ آپ نے مجھے خادمہ نہیں بلکہ سہیلی بنا کر رکھا اور مجھے ہمیشہ قیمتی کپڑے پہنائے اور مجھے یہ بھی اجازت دیئے رکھی کہ میں شہزادیوں کی طرح بن سنور کر رہا کروں۔ آپ نے مجھے ایسی حیثیت دی کہ رازلیو جو مریدا کا بادشاہ تھا، مجھے پسند کرنے لگا اور اُس نے مجھے اپنے کمرے میں بلانا شروع کر دیا۔ اُس نے مجھے آپ کی جاسوسی کے لیے کہا تھا لیکن میں نے کبھی آپ کی جاسوسی نہیں کی تھی۔ میں آپ کو یہ دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی۔"

"اب کیا بات ہے؟" ۔۔۔ عبدالعزیز نے پوچھا ۔۔۔ "کیوں آئی ہو؟"

"ملکہ ایجیلونا کے قتل کی سازش ہو رہی ہے" ۔۔۔ نادیہ نے کہا ۔۔۔ "اور اس کے لیے مجھے تیار کیا جا رہا ہے .... اور جس طرح مجھے تیار کیا جا رہا ہے، یہ آپ سُن کر حیران رہ جائیں گے۔"

"ہاں ہاں" ۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا ۔۔۔ "اطمینان سے سناؤ۔ ہم سنیں گے۔"

"میں مریدا سے کچھ دُور ایک گاؤں میں رہتی ہوں" ۔۔۔ نادیہ نے کہا ۔۔۔ "وہاں ایک بہت بڑے زمیندار کے گھر میں آیا ہوں۔ اُس کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہوں۔ اس زمیندار کو میں نے بتا دیا تھا کہ میں ملکہ ایجیلونا کی خاص خادمہ ہُوا کرتی تھی۔ ایک روز زمیندار نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں ایک ساحر کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ تمہاری قسمت بدل دے گا اور تمہیں پھر محل میں نوکری مل جائے گی۔ میں اُس کے ساتھ چلی گئی۔ وہ ساحر اسی گاؤں میں رہتا تھا۔ میں نے پہلے کبھی اُسے اس گاؤں میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ نیا نیا آیا تھا۔ اُس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں ملکہ اُندلس کی خاص خادمہ تھی اور ذرا سی غلطی پر ملکہ نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے۔ ملکہ نے مجھے اپنی سہیلیوں جیسی حیثیت دے رکھی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ ملکہ مجھے پھر اپنی نوکری میں لے لے ....

"میں نے یہ خواہش اپنے دل میں چھپا لی تھی اور میں کسی کو نہیں کہنا چاہتی تھی کہ وہ میری یہ خواہش پوری کر دے۔ معلوم نہیں میرے اس جاگیردار آقا کو میرے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں پیدا ہو گئی تھی کہ اُس نے خود ہی مجھے کہا کہ چلو میں اس ساحر سے ایسا سحر کرواؤں گا کہ تمہیں محل میں وہی

مقام پھر مل جائے گا۔ میں نے یہ سوچ کر بھی اپنی اس خواہش کو دبا لیا تھا کہ ملکہ ایجیلونا اب ملکہ نہیں رہی کیونکہ اُندلس کے تمام بڑے شہروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور شاہ راڈرک مارا جا چکا ہے، پھر بھی میں ملکہ کے پاس ہی آنا چاہتی تھی۔ میں اپنے نئے آقا کی ہمدردی پر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی....

"ساحر نے مجھ سے میری خواہش پوچھی تو میں نے بتا دی۔ اُس نے میری کنپٹیاں انگلیوں سے آہستہ آہستہ ملنی شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے انگوٹھے میرے ماتھے پر آہستہ آہستہ رگڑتا رہا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُس کا عمل ایسا ہے جو اُلٹا کیا جاتا ہے۔ اس لیے میں وہ الفاظ دہراتی جاؤں جو وہ کہتا ہے۔ اُس نے مجھے کہا کہ ملکہ ایجیلونا کا چہرہ اپنے سامنے لاؤ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی رہو۔ میں ملکہ کا تصوّر اپنے سامنے لائی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔ ساحر نے کہا کہ میں اُس کے الفاظ دہراؤں۔ اُس نے یہ الفاظ کہے ——— یہ عورت میری دشمن ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے۔ یہ میرے سامنے آئی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی، ——— میں نے یہ الفاظ دہرائے۔ ساحر نے کہا کہ ایجیلونا کا تصوّر سامنے رکھ کر یہ الفاظ اس طرح دہراتی رہو جیسے تم واقعی اس عورت سے نفرت کرتی ہو اور اسے قتل کر دو گی....

"میں نے یہ الفاظ دہرانے شروع کر دیئے لیکن میں اپنے دل میں حقیقی نفرت پیدا نہ کر سکی اور ساحر کو بتایا کہ میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں اس عورت کو اپنا دشمن سمجھ لوں جس نے مجھے اتنی زیادہ عزت دی تھی۔ ساحر نے ایسے انداز اور ایسے لہجے میں مجھے اپنے عمل کا یہ فلسفہ سمجھایا کہ یہ دراصل نفرت نہیں بلکہ محبت ہے۔ میں اس کی بات مان گئی۔ اُس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ الفاظ خواہش کے اُلٹ کہے جائیں گے....

"اُس نے پھر میری کنپٹیاں اور میرا ماتھا آہستہ آہستہ ملنا شروع کر دیا۔ مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور ملکہ کا چہرہ میرے سامنے اس طرح واضح ہو گیا جیسے یہ تصوّر نہیں بلکہ حقیقی ایجیلونا میرے سامنے بیٹھی ہے.... پھر ایسے ہُوا جیسے میں سو گئی تھی لیکن وہ خواب تھا یا تصوّر تھا کہ ملکہ ایجیلونا میرے سامنے گھومتی پھرتی رہی اور میرے اندر اس قسم کا احساس پیدا ہو گیا کہ یہ عورت مجھے اچھی نہیں لگتی اور اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں....

"یہ تصوّر یا خواب ختم ہو گیا اور میں بیداری کی حالت میں آ گئی۔ میں نے ساحر کو بتایا کہ مجھ پر کیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ کیفیت طاری ہوئی تھی تو تمہیں کامیابی حاصل ہو گی اور اس سے مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ میرا عمل کامیاب ہے۔ اب تم ہر رات اسی وقت میرے پاس آ جایا کرو۔ تمہیں پانچ چھ راتیں آنا پڑے گا پھر ایک روز ایجیلونا خود تمہیں ڈھونڈتی ہُوئی تمہارے پاس پہنچے گی اور پہلے سے زیادہ محبت اور پیار سے اپنے پاس رکھے گی....

"مجھے یہ سب عجیب سا لگا۔ میں نے اپنے آپ میں تبدیلی سی محسوس کی لیکن سمجھ نہ سکی کہ یہ کیا ہے۔ میرا آقا مجھے وہاں سے لے آیا۔ میں حیران تھی کہ یہ شخص مجھ پر اچانک کیوں اتنا مہربان ہو گیا ہے کہ میری قسمت بدلنے کے لیے مجھے اس ساحر کے پاس لے گیا تھا۔ مجھے شک ہُوا کہ یہ

ہمدردی اور کرم نوازی کے عوض مجھ سے کوئی اُلٹی سیدھی فرمائش کرے گا لیکن اُس نے سوائے ہمدردی کے میرے ساتھ کوئی اور بات نہ کی....

"اگلی رات میرا آقا مجھے پھر اس ساحر کے پاس لے گیا۔ ساحر نے پھر وہی عمل دہرایا اور مجھے گذشتہ رات والے الفاظ بار بار دہرانے کو کہا۔ میں دہراتی رہی — 'یہ عورت میری دشمن ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے۔ یہ میرے سامنے آئی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی' — اس دوران ساحر کے کہنے کے مطابق میں نے ملکہ ایجبلونا کا تصوّر اپنے سامنے رکھا۔ ساحر نے اپنے عمل میں یہ اضافہ کیا کہ میرا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ذرا اوپر کیا اور کہا کہ میری آنکھوں میں دیکھو۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو یوں محسوس کیا کہ میں اُس کی آنکھوں سے اپنی آنکھیں آزاد نہیں کرا سکوں گی۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں دو آئینے بن گئیں اور ان میں مجھے ملکہ ایجبلونا کا چہرہ نظر آنے لگا۔ میرے کانوں میں میرے اپنے الفاظ داخل ہو رہے تھے — 'یہ عورت میری دشمن ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے۔ یہ میرے سامنے آئی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی' — یہ الفاظ میرے دل میں ایک ارادہ بن کر اُتر رہے تھے۔ ساحر نے اپنا عمل یہیں روک دیا اور میرا ماتھا اور میری کنپٹیاں مل کر کہنے لگا کہ تمھارا کام جلدی ہو جائے گا....

"میں اپنے آقا کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں واپس آ رہی تھی تو میں نے آقا سے کہا کہ میں سمجھ نہیں سکی کہ میرا کام کس طرح ہو گا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ایجبلونا میری دشمن ہے اور مجھے اس سے نفرت کرنی چاہیئے.... آقا ہنس پڑا پھر کہنے لگا کہ اس جادوگری کے راز سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ یقین رکھو کہ تمہارے دل میں جو نفرت کا احساس پیدا ہو رہا ہے یہ ایجبلونا کے دل میں تمہاری محبت پیدا کر رہا ہے۔ میں خاموش رہی....

"گذشتہ رات آقا پھر مجھے اس ساحر کے گھر لے گیا۔ مجھے ایک اور کمرے میں لے جایا گیا جہاں ساحر کے ساتھ دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے مسکرا کر میرا استقبال کیا اور ہمدردی کے ایک دو کلمات کہے۔ ساحر نے مجھے ساتھ والے کمرے میں بیٹھنے کو کہا۔ میں اس کمرے میں آ گئی۔ اسی کمرے میں مجھ پر عمل کیا جاتا تھا۔ میں ان دونوں کمروں کے درمیانی دروازے کے قریب بیٹھ گئی....

"انھوں نے دروازہ بند کر دیا تھا لیکن کواڑ پوری طرح بند نہیں ہوئے تھے۔ مجھے ان لوگوں کی باتیں سنائی دینے لگیں۔ وہ عبرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے جو یہودیوں کی زبان ہے ان کا خیال تھا کہ میں یہ زبان نہیں سمجھ سکتی۔ شاید اسی لیے وہ اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ ملکہ کو معلوم ہے کہ میں یہودیوں کی زبان بڑی اچھی طرح سمجھتی اور بولتی ہوں....

"انھوں نے باتیں تو بہت کی تھیں، میں آپ کو وہ باتیں سنانے آئی ہوں جو انتہائی ضروری ہیں۔ ان میں سے کسی نے پوچھا، کیا اس عورت سے تم یہ کام کرا لو گے؟ ساحر نے جواب دیا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس عورت کے ہاتھوں کام ہو جائے گا۔ صرف دو بار کے عمل

سے اس نے وہ اثر قبول کر لیا ہے جو میں پیدا کرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ اثر چوتھے دن پیدا ہوگا....

"میرے آقا نے پوچھا کہ اصل کام کتنے دنوں بعد ہوگا؟ ساحر نے جواب دیا کہ ساتویں یا آٹھویں دن.... کسی اور نے پوچھا کہ یہ کام ہو گا کیسے؟ ساحر نے جواب دیا کہ جس طرح آپ کو پہلے بتایا تھا اسی طرح ہوگا۔ یہ عورت ایجیلونا کے پاس جائے گی اور اُس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے گی.... ایک نے پوچھا کہ اگر پکڑی گئی تو بتا نہ دے گی کہ اس پر تم نے کوئی عمل کیا تھا؟.... ساحر نے جواب دیا کہ اس کے ہوش و حواس اپنے قبضے میں ہوں گے ہی نہیں۔ یہ بولے گی ہی نہیں۔ ہر کسی پر چڑیلوں کی طرح حملہ کرے گی اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں....

"ایک نے کہا کہ ہم یہی معلوم کرنے آتے تھے۔ میرا آقا بولا کہ ایجیلونا کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اس نے ہمارے تمام آدمی اور بہت ہی قیمتی آدمی پکڑ کر مروا دیئے ہیں.... ساحر نے کہا کہ میں تم لوگوں پر کوئی احسان کرنے نہیں آیا۔ میں انتقام کی آگ میں جلتا ہُوا آیا ہوں۔ یہودیوں نے اس ملک میں اپنی باعزت جگہ بنائی تھی۔ مسلمانوں نے یہودیوں کو اعلیٰ رُتبے دے دیئے تھے۔ جاگیریں بھی دی تھیں۔ سب کچھ چھن گیا۔ یہ اس شیطان ایجیلونا نے کرایا ہے۔ اس بدبخت کو معلوم نہیں کہ یہودی زمین کے نیچے سے وار کیا کرتا ہے.... ہم کامیاب ہوں گے یہاں پھر عیسائی بادشاہت قائم ہوگی۔ ہماری کامیابی کی نشانی یہ ہے کہ ہمیں ایسی موزوں عورت مل گئی ہے جو کسی رکاوٹ کے بغیر ایجیلونا تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔"

عبدالعزیز کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا۔ ایجیلونا کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"پھر کیا ہُوا؟" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "فوراً بولو۔ ہم تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں گے۔"

"پھر یہ ہُوا" ــــ نادیہ نے کہا ــــ "یہودی ساحر اس کمرے میں آیا۔ میری حالت یہ تھی کہ میرا جسم کانپ رہا تھا۔ پہلے تو میرے دماغ میں آئی تھی کہ ساحر کے آنے سے پہلے ہی بھاگ جاؤں پھر یہ سوچ آ گئی کہ میں بھاگی تو یہ لوگ بھی بھاگ جائیں گے.... ساحر آیا تو اُس نے میرے سامنے بیٹھ کر وہی عمل شروع کر دیا۔ اُس نے کہا کہ ایجیلونا کا تصوّر اپنے سامنے لاؤ تو میں ملکہ کا چہرہ اپنے سامنے لاتی ہی نہیں۔ میں روزمرہ والے الفاظ دہراتی رہی لیکن اپنے آپ کو بیدار رکھا اور کچھ دیر بعد اُس کا عمل ختم ہوگیا....

"یہ گذشتہ رات کی بات ہے۔ میں نے صبح اپنے آقا سے شہر آنے کی اجازت مانگی۔ اُس نے گھوڑا گاڑی دے دی اور اپنا کوچوان ساتھ کر دیا۔ میں نے کوچوان کو شہر کے دروازے سے ہی واپس بھیج دیا ہے۔ اُسے کہا ہے کہ میں خود ہی شام کو آ جاؤں گی۔ میں نے کوچوان سے یہ بھی کہا ہے کہ آقا کو کہنا کہ جہاں ہم روزانہ جاتے ہیں۔ وہاں جانے سے بہت پہلے آ جاؤں گی اور وہاں چلیں گے....

"میں آپ دونوں کو یہی اطلاع دینے آئی ہوں۔ میں ملکہ سے یہ عرض نہیں کروں گی کہ مجھے پہلے

والی نوکری میں لے لیں میں ملکہ کی محبت اور شفقت کا صلہ دینے آئی ہوں۔ ملکہ نے میری بہت پذیرائی کی ہے۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی تھی اس پر یہ مجھے قتل بھی کروا دیتیں تو ان سے کون باز پُرس کر سکتا تھا لیکن اُنھوں نے مجھے زندہ وسلامت شہر سے نکل جانے کی اجازت دی۔ میرے دل میں ملکہ کی جو محبت ہے، وہ کبھی مر نہیں سکتی، کبھی کم نہیں ہو سکتی..... میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے"

"تم شام سے بہت پہلے واپس چلی جانا" — عبدالعزیز نے نادیہ سے کہا — "میں تمہیں اپنی بگھی پر واپس بھیجتا لیکن میری بگھی دیکھ کر تم پر شک ہو گا۔ ہمیں اُس گاؤں کا راستہ اور وہ گھر سمجھا دو جس میں یہ ساحر ٹھہرا ہُوا ہے۔ تم اپنے آقا کے ساتھ وہاں چلی جانا۔ باقی کام ہمارا ہے"

"نادیہ!" — ایجیلونا نے کہا — "تم نے میری محبت کا حق ادا کیا ہے، میں تمہاری محبت کا حق ادا کروں گی"

۞

اُسی رات نادیہ یہودی ساحر کے سامنے بیٹھی ہُوئی تھی۔ اُس کا آقا ساتھ والے کمرے میں تین آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ساحر اپنا عمل کر رہا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہُوئی گھر کے ایک آدمی نے جا کر دروازہ کھولا اور باہر دیکھتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ باہر سے دروازے پر اتنی زور سے دھکا پڑا کہ دونوں کواڑ دھماکے سے کھلے اور دروازہ کھول کر بند کرنے والا پیچھے صحن میں پیٹھ کے بل گرا۔ کم و بیش بیس مجاہدین جو عبدالعزیز کے محافظ دستے کے جانباز تھے اندر چلے گئے اور اس مکان کے کمروں میں پھیل گئے۔ گاؤں میں یہ مکان سب سے بڑا اور امیرانہ تھا۔ گاؤں مجاہدین کے محاصرے میں تھا۔ اس کارروائی کی کمان عبدالعزیز کے پاس تھی۔

ساحر کے بکس سے انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں نکلیں اور کچھ اُوٹ پٹانگ سامان تھا جو کسی جادوگر کا ہی ہو سکتا تھا۔ اس ساحر کو، نادیہ کے آقا اور وہاں جتنے آدمی موجود تھے، ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ نادیہ کو بھی حراست میں لے لیا گیا تا کہ کسی کو شک نہ ہو کہ اس کی مخبری پر چھاپہ مارا گیا۔ گاؤں کے چند سرکردہ لوگوں کو بھی حراست میں لیا گیا اور ان سب کو مریدا میں لا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

"ابوالحسن!" — عبدالعزیز نے اپنے ایک حاکم سے جس کا کام پولیس جیسا تھا، کہا — "ایک یہودی ساحر اور ایک عیسائی جاگیردار سے اقبالِ جرم کرانا ہے" — عبدالعزیز نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ ان کا جرم کیا ہے اور اس کی نشاندہی کس طرح ہُوتی ہے۔

ابوالحسن دونوں کو قید خانے کے اس تہ خانے میں لے گیا جہاں راڈرک اور اُس جیسے بادشاہوں کو اذیتیں دے دے کر مار دیا جاتا تھا۔ یہاں اقبالِ جرم بھی کراتے جاتے تھے۔ اِس تہ خانے میں گیا ہُوا انسان مشکل سے ہی زندہ اوپر آتا۔

وہاں رہٹ کے پہیوں جیسے دو بہت بڑے پہیئے تھے۔ ایک پہیہ ایک آدمی کی ایذارسانی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ آدمی اس پر پیٹھ کے بل لٹا دیا جاتا تھا۔ اس کے پاؤں فرش پر ٹخنوں سے باندھ دیئے جاتے اور بازو لمبے کر کے ہاتھ پہیئے کے ساتھ جکڑ دیئے جاتے تھے۔ پہیئے کو چند انچ آہستہ آہستہ چلایا جاتا تو اس کے ساتھ بندھے ہُوئے آدمی کو یُوں لگتا جیسے اُس کے

بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہو رہی ہوں۔ درد سے اُس کی چیخیں نکل جاتیں۔ پھر اُسے کہا جاتا تھا کہ اپنے جرم کا اقبال کرلے اور اپنے ساتھیوں کی نشاندہی کرے۔ اگر وہ اقبالِ جرم سے انکار کرتا تو پہیہ آہستہ آہستہ ذرا سا اور گھما دیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بندھے ہوتے آدمی کے جسم کے جوڑ کھلنے لگتے تھے۔

یہودی ساحر یہ اذیت زیادہ دیر برداشت نہ کرسکا اور اُس نے اقبالِ جرم پر رضامندی کا اظہار کردیا۔

"لیکن میں اپنا جرم سالار عبدالعزیز کو بتاؤں گا" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "اُس کے ساتھ میں نے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔"

۞

اگلی صبح ساحر عبدالعزیز کے سامنے بیٹھا ہُوا تھا۔

"میں یہودی ہُوں" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "میں نے وہی کیا ہے جو ایک یہودی کو کرنا چاہیئے تھا۔ ایجیلونا کے جرم کو یہودی قوم معاف نہیں کرسکتی۔ اس نے آپ کے خلاف ہماری بغاوت ناکام کرائی ہے اور دھوکہ دے کر بغاوت کے تمام لیڈروں کو سزائے موت دلائی ہے۔ اس عورت کو قتل کرنا ہمارا فرض تھا لیکن قتل کے لیے کوئی آدمی تیار نہیں ہوتا تھا۔ کوئی آدمی تیار ہو بھی جاتا تو قتل کیسے کرتا؟ ہم جانتے تھے کہ ایجیلونا کے لیے خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا اس لیے یہ کچھ عرصہ باہر نہیں نکلے گی۔ یہ فرض مجھے سونپا گیا۔ میرے پاس سحر کا ہی ایک ذریعہ ہے۔ اس کام کے لیے کسی ایسے آدمی یا عورت کی ضرورت تھی جو بلا روک ٹوک ایجیلونا تک رسائی حاصل کرسکے۔"

اس یہودی نے بتایا کہ اُسے نادیہ کا سراغ کس طرح ملا۔ نادیہ کے جاگیردار آقا کے گاؤں میں دو تین ایسے آدمی تھے جن کا رابطہ باغیوں خصوصاً یہودیوں کے ساتھ تھا۔ جاگیردار کے ساتھ بھی ان کے مراسم تھے۔ اس جاگیردار کو پتہ چلا کہ ایجیلونا کے قتل کے لیے ایک ساحر نے کیا مطالبہ کیا ہے۔ جاگیردار نے کہا کہ اُس کے پاس ایسی عورت ہے جو ایجیلونا تک پہنچ سکتی ہے۔ اس اطلاع پر یہودی ساحر اس گاؤں میں آگیا اور نادیہ کو اس کے حوالے کردیا گیا۔

یہ ساحر نادیہ پر جو عمل کر رہا تھا وہ ہپناٹزم جیسا تھا۔ اس سے نادیہ کے ذہن لاشعور میں ایجیلونا کی نفرت ڈالی جارہی تھی۔ نفرت بھی ایسی جو خونی دشمنی تک پہنچا دیتی ہے۔ اس عمل کو اُس حد تک پہنچایا جاتا ہے جہاں انسان قتل کے سوا اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ وہ قتل کرکے ہی تسکین پاتا ہے۔ اس ساحر نے یہ پورا عمل بیان کیا اور اُس نے متعدد آدمیوں کے نام اور پتے بتائے جو اس سازش میں ملوّث تھے۔

"میری سزا کیا ہے؟" ـــــ ساحر نے پوچھا۔

"موت!" ـــــ عبدالعزیز نے جواب دیا۔

"اگر میں کچھ ایسی باتیں بتا دوں جو آپ کو آنے والے خطروں سے بچا لیں تو کیا آپ میری جان مجھے واپس دے دیں گے؟" ــــ ساحر نے پوچھا اور دو چار لمحے خاموش رہ کر کہا ــــ "میں آنے والے وقت کے پردے چاک کر سکتا ہوں۔ انسانوں کے چہرے پڑھ سکتا ہوں۔"

"تمہارے زندہ رہنے کا انحصار اس پر ہے کہ تمہاری پیش گوئی میرے اور سلطنتِ اسلامیہ اُندلس کے کسی کام آسکتی ہے" ــــ عبدالعزیز نے کہا۔

"اور میں وعدہ کرتا ہوں" ــــ ساحر نے کہا ــــ "کہ میری جان بخش دی گئی تو میں آپ کی سلطنت کے خلاف اور کسی مسلمان کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہیں کروں گا جس سے ذرا سا بھی نقصان کا احتمال ہو۔"

"بولو!" ــــ عبدالعزیز نے کہا۔

"محترم سالار!" ــــ یہودی ساحر نے کہا ــــ "پہلی بات یہ ہے کہ یہودی پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔ کسی مسلمان کو تو کسی یہودی پر اعتبار کرنا ہی نہیں چاہیئے۔ یہاں یہودیوں نے جو مسلمانوں کی مدد کی ہے وہ اپنے مفاد کے لیے اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کی ہے.... دوسری بات یہ ہے کہ جس زمین پر آپ اپنی بادشاہت قائم کرنے آئے ہیں، یہ ایک پُراسرار زمین ہے اور اس کی تاریخ خون سے لکھی گئی ہے اور آئندہ بھی خون سے ہی لکھی جاتی رہے گی۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "جس ملک پر حملہ ہوتا ہے وہاں کی فوج لڑتی ہے۔ دونوں طرف خون بہتا ہے۔ دونوں فوجوں کے آدمی مرتے ہیں۔"

"میں اس خون کی بات نہیں کر رہا" ــــ ساحر نے کہا ــــ "اپنے ملک پر تو لوگ جانیں قربان کرتے ہی ہیں اور حملہ آور بھی مرتے ہیں۔ میں اس خون کی بات کر رہا ہوں جو اس ملک میں اپنے اپنوں کا بہاتے چلے آئے ہیں۔ یہ زمین پُراسرار ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے اُندلس پر بدروحوں کا قبضہ ہے۔ دُور پیچھے نہ جائیں۔ راڈرک نے ایک گوتھ بادشاہ وٹیزا کے خلاف بغاوت کی اور اُسے قتل کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ راڈرک نے ہرقل کا بُرج کھولا۔ راہبوں نے اُسے یہ بُرج کھولنے سے روکا تھا مگر راڈرک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ اتنا زبردست اور جابر بادشاہ ہے کہ زمین اپنے راز اُس کے قدموں میں اُگل دے گی۔ اُس نے بُرج کھول لیا اور اُسے ایسی شکست ہوئی کہ اُس کا اتنا بڑا لشکر ذرا سی فوج کے ہاتھوں کٹ گیا اور راڈرک کا پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں گُم ہو گیا ہے....

"میں اُس یہودی ساحر کو جانتا تھا جسے راڈرک نے اپنے محل میں رکھا ہوا تھا۔ وہ منجّم تھا اور وہ غیب دان بھی تھا۔ اُس نے راڈرک کو یقین دلایا تھا کہ وہ شکست کی طرف جا رہا ہے لیکن یہ ساحر اُس کی شکست کو فتح میں بدل دے گا مگر ساحر جو واقعی شکست کو فتح میں بدلنے کی طاقت رکھتا تھا، پُراسرار طریقے سے مارا گیا....

"اس سے پہلے بھی یہاں ایسے خونچکاں واقعات ہوتے ہیں جن کا آج تک کسی کو بھید

نہیں ملا۔ بادشاہ قتل ہوتے رہے ہیں.... میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ اپنی عقل اور اپنے ہوش و حواس پر ایک عورت کو غالب نہ کریں۔ آپ نے جس عورت کو بیوی بنایا ہے وہ بہت حسین ہے میں نے اُسے صرف ایک بار دیکھا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں جادو کا اثر ہے۔ وہ جس کی طرف دیکھتی ہے وہ اس کا غلام ہو جاتا ہے لیکن اُس کی نشیلی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے۔ وہ راڈرک کی بیوی بنی تو وہ مارا گیا۔ باغیوں کے اتنے تجربہ کار اور دانشمند سردار اس سے متاثر ہو گئے اور سب مارے گئے۔ اب وہ آپ کی...."

"کیا تم ایجیلونا کی بات کرتے ہو؟" ــــ عبدالعزیز نے پوچھا۔

"ہاں" ــــ ساحر نے جواب دیا ــــ "میں ایجیلونا کی بات کر رہا ہوں۔"

عبدالعزیز نے قہقہہ لگایا۔

"تم یہودی ہو" ــــ عبدالعزیز نے طنزیہ لہجے میں کہا ــــ "موت کو سامنے دیکھ کر بھی تم عیاری سے باز نہیں آتے.... کیا تم زندہ نہیں رہنا چاہتے؟"

"یہی سوال میں آپ سے پوچھتا ہوں" ــــ ساحر نے پوچھا ــــ "کیا آپ زندہ نہیں رہنا چاہتے؟ .... میں جانتا ہوں آپ کا جواب کیا ہوگا۔ میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ آپ کا سر آپ کے کندھوں پر زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہے گا۔ ایجیلونا زندہ رہے گی.... اور میں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اُندلس مسلمانوں کا ہوگا لیکن مسلمان بادشاہ ایک دوسرے کا خون بہاتے رہیں گے۔ اگر میرے اس سچ نے آپ کو صدمہ پہنچایا ہے تو مجھے قتل کر دیں۔"

"ہمارا مذہب یہودیوں کے جادو اور پیشن گوئیوں کو نہیں مانتا" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر میں تمہاری باتیں مان لوں تو میں مشرک ہوں گا۔"

"یہ مذہب کا معاملہ نہیں سالار!" ــــ ساحر نے کہا ــــ "انسان کا کائنات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ کسی بھی مذہب کا معاملہ نہیں۔ میں آپ کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتا۔ میں نے آپ کو خبردار کر دیا ہے۔"

عبدالعزیز نے یہ سمجھ کر کہ یہودی ساحر اس کے ہاتھوں ایجیلونا کو قتل کرانا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ وہ ایجیلونا کو طلاق دے کر گھر سے نکال دے حکم دیا کہ اس یہودی کو اور جاگیردار کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔

❂

طارق بن زیاد کو تلویرا میں موسیٰ بن نصیر کا پیغام ملا کہ طلیطلہ پہنچو۔ طارق تو جیسے اسی حکم کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسی وقت اپنے محافظ دستے کے چند سواروں کو ساتھ لیا اور طلیطلہ کو روانہ ہو گیا۔ اُس نے مالِ غنیمت کی جو قیمتی اشیاء موسیٰ اور خلیفہ کو تحفوں کے طور پر دینے کے لیے اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ اُس کے ساتھ خچروں پر لدی ہوئی آ رہی تھیں۔

اب طارق سیدھے راستے سے آ رہا تھا اور بہت ہی تیز آ رہا تھا۔ اُس نے بہت کم

پڑاؤ کیے اور کچھ دنوں بعد طلیطلہ پہنچ گیا۔ تاریخوں میں یہ واقعہ اسی طرح آیا ہے کہ طارق شہر کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا تو موسیٰ بن نصیر کو اطلاع دے دی گئی کہ طارق آرہا ہے موسیٰ فوراً اٹھا اور ہنٹر (کوڑا) ہاتھ میں لے کر باہر نکل آیا۔

طارق نے موسیٰ کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر موسیٰ کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس نے اس توقع پر بازو پھیلائے ہوئے تھے کہ موسیٰ اُس کی فتوحات کو دیکھتے ہوئے اُسے گلے لگالے گا اور اُس کا منہ چوم کر اُسے خراج تحسین پیش کرے گا لیکن دیکھنے والوں نے عجب منظر دیکھا اور یہ منظر تاریخ کے سینے پہ نقش ہو گیا کہ موسیٰ بن نصیر نے چمڑے کا کوڑا سیدھا کیا اور گھمایا۔ جونہی طارق قریب آیا، موسیٰ نے پوری طاقت سے کوڑا طارق کو مارا۔

طارق جیسے بے جان بُت بن گیا ہو۔

جیسے وقت ایک مقام پر رُک گیا ہو۔

ارد گرد بہت سے لوگ تھے جن کا شور سنائی دے رہا تھا۔ وہ چُپ ہو گئے۔

ایسی خاموشی طاری ہو گئی جیسے درختوں پہ چہچہاتے پرندے بھی چُپ ہو گئے ہوں۔

"نافرمان!" ــــ موسیٰ بن نصیر کی گرجدار آواز نے سکوت توڑا اور طارق کو ایک اور کوڑا مار کر موسیٰ نے کہا ــــ "میں نے حکم دیا تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ، آگے نہ بڑھنا" ــــ موسیٰ نے ایک اور کوڑا مار کر کہا ــــ "اور تم سارے ملک کو فتح کرنے چل پڑے۔ میرے حکم کی پرواہ نہ کی"۔

طارق بن زیاد خاموشی سے کھڑا کوڑے کھاتا رہا۔ موسیٰ بن نصیر اُسے کوڑے مارے جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے موسیٰ درخت کے تنے کو کوڑے مار رہا ہو۔

"میں تمہیں سپہ سالاری سے معزول کرتا ہوں" ــــ موسیٰ بن نصیر نے فیصلہ سنایا اور اپنے ساتھ کھڑے سالاروں کو حکم دیا ــــ "اسے قید خانے میں چھوڑ آؤ۔ میں اسے آزاد نہیں دیکھنا چاہتا"۔

دو سالار آگے بڑھے۔ ایک اُس کے دائیں اور دوسرا بائیں طرف ہو گیا۔ دونوں نے اُس کے بازو پکڑے اور وہاں سے لے گئے۔

"ہمیں معاف کر دینا ابنِ زیاد!" ــــ راستے میں ایک سالار نے طارق سے کہا ــــ "ہم حکم کے پابند ہیں"۔

"امیر موسیٰ کو یوں نہیں کرنا چاہئے تھا" ــــ دوسرے سالار نے کہا۔

"میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں میرے رفیقو!" ــــ طارق بن زیاد نے صبر و تحمل سے کہا۔ "اللہ کا حکم ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرو ورنہ میں بربروں کو اشارہ کر دوں تو عربوں کا کہیں نشان نہ ملے۔ مجھے خدشہ محسوس ہو رہا ہے کہ بربر میری اتنی زیادہ توہین برداشت نہیں کریں گے۔ میں اگر قید خانے میں بند رہا تو بربروں پر امیرِ موسیٰ اور تم میں سے کوئی بھی قابو نہیں پا سکے گا"۔

۞

طارق بن زیاد نے تو خدشے کا صرف اظہار کیا تھا لیکن یہ خدشہ عملاً سر اٹھا رہا تھا۔ یہ خبر طلیطلہ میں مقیم تمام لشکر پہ پھیلا گئی کہ امیرِ مصر و افریقہ نے آدھے سے زیادہ اُندلس فتح کرنے

والے سپہ سالار طارق بن زیاد کو باہر میدان میں لوگوں کے سامنے کوڑے مارے ہیں۔
"کیوں؟ سپہ سالار کا جرم کیا تھا؟"

اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ کچھ افواہیں تھیں جو لشکر میں گھومتی پھرتی اور ایک دوسری کی تردید کرتی رہیں۔ طلیطلہ کے لشکر میں تقریباً نوّے فیصد بربر تھے۔ وہ مشتعل ہوتے جا رہے تھے۔ فوج کا عہدیدار طبقہ تو زیادہ ہی غصے میں تھا۔ طارق تلویرا میں جو لشکر چھوڑ آیا تھا، تقریباً سب بربر تھے۔ طلیطلہ کے لشکر میں یہ آوازیں سنائی دینے لگیں کہ جو بربر آگے چلے گئے ہیں اُن تک یہ خبر پہنچا دو۔

بغاوت کا سب سے زیادہ خطرہ تو طارق بن زیاد کی طرف سے تھا جسے اُس قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں اُس کے حکم سے اُندلس کی فوج کے چند ایک جرنیلوں اور ان سے کم درجہ عہدیداروں کو بند کیا گیا تھا۔ وہ سب وہیں تھے اور انہوں نے طارق کو قیدی کے روپ میں دیکھا۔ انہوں نے طارق کا مذاق اُڑایا تھا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُس کے دل پر کیا گزر رہی تھی۔ وہ خاموش تھا۔ نہ عملی طور پر اُس نے کسی ردِّعمل کا اظہار کیا نہ اُس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ اُس کا ردِّعمل کیا ہے اور کیا ہو گا۔

یہاں مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ طارق بن زیاد کو رہائی کس طرح ملی۔ معروف مؤرخوں، سپرنگر، لین پول اور ڈوزی نے لکھا ہے کہ مُوسیٰ بن نصیر نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اطلاع دینے کے لیے ایک قاصد کو دمشق بھیجا۔ خلیفہ نے حکم بھیجا کہ طارق کو سپہ سالاری پر بحال کر دیا جائے۔

تین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ طارق نے قید خانے کے اندر سے ہی ایسا خفیہ انتظام کر دیا کہ اُس کے بہی خواہوں نے ایک آدمی کو دمشق روانہ کر دیا۔ اس آدمی کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ خلیفہ سے ملے اور اسے طارق بن زیاد کی فتوحات کی تفصیل سناتے پھر اُسے بتائے کہ مُوسیٰ بن نصیر نے طارق کو سرِعام کوڑے مار کر نہ صرف معزول کیا ہے بلکہ اُسے قید خانے میں پھینک دیا ہے۔ اس آدمی نے خلیفہ سے یہ بھی کہنا تھا کہ طارق کے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ بربر ہے اور مُوسیٰ چاہتا ہے کہ اُندلس میں برتری عربوں کو حاصل ہو اور اُندلس کی فتح کا سہرا مُوسیٰ اپنے سر باندھنا چاہتا ہے۔

ان مؤرخوں میں سے ایک نے لکھا ہے کہ جس آدمی کو دمشق بھیجا گیا تھا اُسے اس کام کی رشوت دی گئی تھی۔ وہ دمشق گیا اور خلیفہ سے طارق بن زیاد کی رہائی اور بحالی کا حکم لے آیا۔

یہ دونوں باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔ دوسرے مؤرخوں نے جن میں کونڈے اور سکاٹ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، قابلِ قبول اور قابلِ فہم دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ نہ مُوسیٰ نے کوئی قاصد خلیفہ کو اطلاع دینے کے لیے بھیجا تھا نہ طارق نے کسی کو رشوت دی اور اپنی رہائی کا خفیہ

انتظام کیا۔ یہ مؤرخ کہتے ہیں کہ گھوڑے پر طلیطلہ سے دمشق جانے اور واپس آنے میں کئی مہینے لگتے ہیں لیکن طارق کی معزولی کے کچھ ہی دنوں بعد تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مُوسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد اکٹھے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہُوئے پیشقدمی کرتے ہیں اور فرانس کی سرحد میں داخل ہو جاتے ہیں۔

یہ تو تسلیم کیا ہی نہیں جاسکتا کہ طارق نے کسی کو رشوت دے کر دمشق بھیجا تھا۔ طارق کے کردار میں کسی غلط حرکت کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ اُس کے کردار کی بلندی کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنے امیر سے کوڑے کھا لیے اور چُپ رہا۔ اگر وہ غلط حرکت پر اُتر آتا تو وہ وہیں بربروں سے مُوسیٰ بن نصیر کے خلاف بغاوت کرا دیتا۔ بربر غالب اکثریت میں تھے۔ وہ ایک دن میں عربوں سے ہتھیار ڈلوا کر پُورے اُندلس کے فاتح حکمران بن جاتے لیکن طارق نے ایسا اقدام سوچا ہی نہیں۔

ایک یورپی مؤرخ بازورتھ سمتھ نے عربی مؤرخوں اور اُس دَور کی کچھ غیر مطبوعہ تحریروں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد نے کردار کی بلندی کا مظاہرہ تو کیا لیکن مُوسیٰ بن نصیر بھی کردار کا کوئی گھٹیا آدمی نہیں تھا۔ طارق مُوسیٰ کو اپنا باپ سمجھتا تھا تو مُوسیٰ طارق کو اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔ مُوسیٰ کا غصہ زیادہ دن نہ رہا۔ یہ معاملہ اس طرح رفع دفع ہُوا کہ مُوسیٰ کو اسی رات اطلاع دی گئی کہ لشکر کے بربر عربوں کے خلاف بھڑکے ہُوئے ہیں اور کسی بھی وقت وہ احتجاج کو کسی سنگین کارروائی کا رنگ دے سکتے ہیں۔

"یہ خطرہ اس طرح بھی بڑھ سکتا ہے" ـــــ مُوسیٰ کو بتایا گیا ـــــ "کہ بربروں نے عرب امارت (مُوسیٰ) کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا ہے۔ اگر کسی عرب سالار، عہدیدار یا کسی بھی عرب نے بربروں کو کوئی ایسی ویسی بات کہہ دی تو خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور غلبہ بربروں کا ہو گا۔ بربر مجاہدین طارق کو اپنا مُرشد مانتے ہیں۔"

"امیرِ مصر و افریقہ!" ـــــ جولیَن نے مُوسیٰ بن نصیر سے کہا ـــــ "آپ کے معاملات اور فیصلوں میں ہم دخل اندازی نہیں کرنا چاہتے لیکن میں نے اور اوپاس نے جس طرح آپ کی فوج کی راہنمائی کی ہے اور جس طرح اوپاس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر گوتھوں اور یہودیوں کو راڈرک کی فوج سے نہ صرف الگ کیا بلکہ راڈرک کی فوج کے خلاف لڑا دیا تھا، اس کے صلے میں ہمیں حق ملنا چاہیئے کہ ہم آپ کے فیصلے کے خلاف اپنی رائے دے سکیں۔"

"قابلِ احترام امیر!" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "اگر عین میدانِ جنگ میں ہزارہا گوتھ اُدھر سے اِدھر طارق کے پاس نہ آجاتے تو گادلیت کی جنگ کا فیصلہ کچھ اور ہوتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنگ گوتھوں نے جیتی تھی۔ فتح بہرحال طارق کی عقل و دانش اور جرأت کا نتیجہ ہے۔ طارق کی جگہ کوئی کمزور جرنیل ہوتا تو اُسے اس سے دُگنے گوتھ مل جاتے تو بھی وہ راڈرک کو شکست نہ دے سکتا۔ راڈرک جیسے کایاں اور تجربہ کار جرنیل کو طارق بن زیاد ہی شکست دے سکتا تھا۔"

"آپ ایسے قیمتی آدمی کو ضائع نہ کریں" ـــــ جولیَن نے کہا۔

"امیر محترم!" ——— سالار مغیث الرومی بولا ——— "اصل خطرہ تو بربروں کی طرف سے ہے آپ کو اطلاع مل چکی ہے لیکن یہ اطلاع نامکمل ہے۔ بربر صرف باتیں نہیں کر رہے۔ یہ لوگ عملاً بھی کچھ کر گزریں گے۔ آپ ان کی فطرت سے واقف ہیں۔ میں نے ان کی قیادت کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میدانِ جنگ میں انہیں قابو میں رکھنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھاگتے نہیں۔ پسپائی کی بجائے موت قبول کر لیتے ہیں۔ دشمن کو سامنے دیکھ کر باؤلے ہو جاتے ہیں۔ دشمن کو چیرے پھاڑے بغیر ان کی تسکین نہیں ہوتی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ بغاوت پر اُتر آتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ اُندلس کی فوج ان کے ساتھ مل جائے گی، پھر ہو گا یہ کہ نہ ہم رہیں گے نہ بربر رہیں گے اور ہاتھ آیا ہُوا اُندلس ہم سے چھن جائے گا.... میں نے راتوں کو چُھپ چُھپ کر ان کی باتیں سنی ہیں۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ طارق کو رہا اور بحال نہ کیا گیا تو بربر عملی اقدام پر اُتر آئیں گے.... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ عرب عہدیدار اور مجاہدین بھی طارق کی معزولی پر خوش نہیں۔"

"میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ طارق نے آپ کا حکم کیوں نہیں مانا تھا" ——— سالار ابُوزرعہ طریف نے کہا۔

"یہ میں تمہاری زبان سے نہیں طارق کی زبان سے سنوں گا" ——— مُوسیٰ بن نصیر نے کہا ——— "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان خطروں کو نہیں جانتا جو تم مجھے بتا رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام امیر کی حکم عدولی کو معاف نہیں کرتا؟ کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو کہ میں طارق کی فتوحات پر مٹی ڈال دوں گا اور اُس کے کارنامے اپنے نام لکھ لوں گا؟ اللہ بہتر جانتا ہے کس نے کیا کیا ہے۔ میں نے آج کے لوگوں کو، کل کے لوگوں کو، ان کے بعد پیدا ہونے والے لوگوں کو اپنے اعمال نہیں دکھانے اللہ کے حضور اپنا اعمال نامہ پیش کرنا ہے.... طارق کو آج کا دن اور آج کی رات قید خانے میں پڑا رہنے دو۔ کل صبح اُسے میرے پاس لے آنا۔ ہم نے آگے جانا ہے۔ آگے فرانس ہے میں معلوم کر چکا ہوں۔ فرانس کی فوج اُندلس کی فوج سے بہت زیادہ بہتر اور بے جگری سے لڑنے والی فوج ہے۔"

"محترم امیر!" ——— مغیث الرومی نے پوچھا ——— "بربروں کو یہ دن اور یہ رات کیسے ٹھنڈا رکھا جائے؟"

"انہیں بتا دو" ——— مُوسیٰ نے کہا ——— "بلکہ باقاعدہ اعلان کر دو کہ طارق کی سزا یا رہائی کا فیصلہ کل ہو گا۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لشکر میں جب یہ اعلان ہُوا تو بربروں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے جو دراصل نعرے نہیں بلکہ اُلٹی میٹم تھا:

"فیصلہ رہائی کا ہو۔"

"ہم طارق کی رہائی چاہتے ہیں۔"

"ہم طارق کے ساتھ آئے تھے طارق کے ساتھ ہی جائیں گے۔"

"ہم وہیں جائیں گے جہاں طارق ہو گا"۔
"ہم کشتیاں جلا آئے تھے، اُندلس کا سب کچھ جلا کر جائیں گے"۔
"طارق نہیں تو ہم بھی نہیں"۔
مُوسیٰ بن نصیر کو بربروں کے اِس ردِعمل سے آگاہ کر دیا گیا۔

•

اگلی صبح طارق کو اس حالت میں مُوسیٰ بن نصیر کے سامنے لایا گیا کہ اُس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھ زنجیروں سے بندھے ہُوئے تھے۔ اُسے قید خانے سے گھوڑا گاڑی میں لایا گیا تھا تاکہ اُسے اس حالت میں کوئی دیکھ نہ سکے۔ مُوسیٰ نے پہلا حکم یہ دیا کہ اس کی بیڑیاں اور زنجیریں کھول دی جائیں۔

"تم نے میرے اس حکم کی خلاف ورزی کیوں کی تھی کہ مزید پیش قدمی نہ کرنا"—— بیڑیاں اور زنجیریں کھُلنے کے بعد مُوسیٰ نے طارق سے پوچھا۔

وہاں طارق کے اور مُوسیٰ کے چار سالار، جولین اور اوپاس بھی موجود تھے۔

"میرے ساتھی یہاں موجُود ہیں اس لیے مجھے کسی گواہ کی ضرورت نہیں پڑے گی"—— طارق بن زیاد نے کہا—— جس وقت آپ کا حکم میرے پاس پہنچا اُس وقت اُندلس کی فوج میرے لشکر کے ہاتھوں بہت بُری شکست کھا کر بھاگ رہی تھی۔ آدھی کے قریب اُندلسی فوج میدانِ جنگ میں کٹی پڑی تھی۔ یہاں کا بادشاہ راڈرک مارا جا چکا تھا۔ بچی کھچی فوج قریبی قصبوں اور شہروں میں پناہ لے رہی تھی۔ میں نے اپنے سالاروں سے پوچھا کہ اس صورتِ حال میں ہمیں اپنے امیر کا حکم ماننا چاہیئے یا نہیں!....

"ان سب نے یہی ایک رائے دی کہ ہم نے دشمن کا تعاقب نہ کیا تو وہ مختلف قلعوں میں جا کر تازہ دم ہو جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بھاگی ہُوئی فوج کسی ایک جگہ اکٹھی ہو جاتی اور اسے ملک کے مختلف شہروں سے کمک مل جاتی۔ میرے اپنے لشکر کا بھی جانی نقصان ہو چکا تھا۔ آپ نے مجھے بہت تھوڑی کمک دی تھی۔ میں دشمن کو سستانے کا اور اسے کمک ملنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرے ان سب ساتھیوں نے یہی مشورہ دیا۔ جولین نے اسی پر زور دیا کہ رُکنا ٹھیک نہیں بلکہ رُکنا نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ میں نے خود بھی پیش قدمی بہتر سمجھی اور اس سے میں نے جو فائدہ حاصل کیا۔ میں آپ کے حضور اُندلس کا دارالحکومت پیش کرتا ہُوں..... اگر آپ مجھے موقع دیتے تو میں یہ صورتِ حال پہلے ہی دیتا لیکن آپ نے مجھے کوڑے مارنے زیادہ ضروری سمجھے"۔

"تم نے جو فائدہ حاصل کیا وہ میں نے دیکھ لیا ہے"—— مُوسیٰ نے کہا—— "اور میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ تمہاری غلطی یہ ہے کہ تم نے مجھے اطلاع نہیں دی تھی کہ تم اس وجہ سے آگے بڑھ رہے ہو۔ اگر اطلاع دے دیتے تو میں تمہیں کمک بھیج دیتا لیکن مجھے خود آنا پڑا۔ مجھے خطرہ نظر آ رہا تھا کہ جوش میں آ کر تم کہیں ایسے پھنس جاؤ گے کہ نکل ہی نہیں سکو گے"۔

ابنِ نصیر!—— جولین نے مُوسیٰ سے کہا—— "ابنِ زیاد نے جو بیان دیا ہے یہ صداقت

پر مبنی ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ امیر افریقہ ناراض ہوئے تو میں انہیں منالوں گا۔ صورتِ حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ آپ کو اطلاع دینے کا ہم میں سے کسی کو بھی خیال نہیں آیا۔ ہم سب آپ سے معافی مانگتے ہیں۔"

"معاف کرنے والا اللہ ہے"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔ "میں نے اسے جو کوڑے مارے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ تم نہیں جانتے جولین! اسلام کے احکام بہت سخت ہیں۔ تم نے سنا ہو گا خالدؓ بن ولید نے دنیا کی سب سے بڑی اور خوفناک جنگی طاقتوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اسلامی سلطنت کو جو وسعت اس نے دی ہے وہ اور کوئی نہیں دے سکا لیکن معمولی سی بات پر امیر المومنین عمرؓ نے اُسے مسجد میں بٹھا کر برا بھلا کہا اور دوسری بار اُسے معزول کر دیا تھا۔ اتنے بڑے اور اتنے با صلاحیت سپہ سالار کو بادشاہ بہت بڑی لغزشوں پر بھی معاف کر دیا کرتے ہیں لیکن اسلام میں معاملہ کچھ اور ہے۔"

ایسی ہی کچھ اور باتیں ہوئیں۔ طارق بن زیاد نے اپنی وکالت میں مزید کچھ نہ کہا۔ اُس نے کچھ کہا بھی تو یہی تاثر دیا کہ وہ موسیٰ بن نصیر کو اپنا امیر ہی نہیں بلکہ اپنا باپ بھی سمجھتا ہے۔ موسیٰ نے طارق کو ذرا اور ڈانٹ ڈپٹ کر معاف کر دیا۔ طارق آگے بڑھا، موسیٰ کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوما اور آنکھوں سے لگایا۔

"ابنِ زیاد!"۔۔۔ تاریخ نویسوں کے مطابق موسیٰ بن نصیر نے طارق سے کہا۔۔۔ "ایک دن آئے گا تیری ہڈیاں قبر میں خاک ہو جائیں گی۔ شاید تیری قبر کا نشان بھی مٹ جائے گا لیکن جب تک اُندلس اس زمین پر موجود رہے گا تیرا نام زندہ رہے گا۔"

اس خراجِ تحسین کے بعد فضا ایسے بدل گئی جیسے کالی گھٹائیں چھٹ گئی ہوں۔ ایک یورپی مؤرخ اور مبصر اے۔ دفرنگ اپنی کتاب "فیلکن آف سپین" (سپین کا شاہین) میں لکھتا ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے رویّے میں ایسی تبدیلی آئی جیسے طارق بن زیاد اُس کا سگا بیٹا ہو۔ موسیٰ کسی بھی نیّت سے اُندلس میں آیا تھا، اب اُس نے کچھ اور ہی رویّہ اختیار کر لیا۔ وہ شاید اپنی ذات میں دو حصّوں میں بٹ گیا تھا۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ طارق بن زیاد کے بغیر وہ مزید فتوحات حاصل نہیں کر سکتا۔

موسیٰ بن نصیر بہر حال اس خراجِ تحسین کا حقدار ہے کہ اُندلس کی فتح میں اُس کا حصّہ نمایاں ہے اور جب اُس نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ فرانس کو بھی سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرے گا تو ایسے نظر آنے لگا جیسے موسیٰ شخصیت و کردار کے لحاظ سے بہت اونچا چلا گیا ہو۔

•

موسیٰ نے طارق کو معافی دینے کے ساتھ ہی اُندلس کے غیر مفتوحہ علاقوں کی طرف پیشقدمی کا پلان بنانا شروع کر دیا۔

"قابلِ احترام امیر!"۔۔۔ طارق بن زیاد نے موسیٰ سے کہا۔۔۔ "مجھے موقع دیں کہ آپ کی خدمت میں یہاں کے تحفے پیش کر سکوں۔"

مُوسیٰ کی اجازت سے طارق نے تحفے منگوائے۔ وہ تلویرا سے یہ تحفے ساتھ لے آیا تھا۔ "تاریخ اُندلس" میں متعدد مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس قدر قیمتی اشیاء دیکھ کر مُوسیٰ بن نصیر کے چہرے پر اور آنکھوں میں حیرت و استعجاب نظر آنے لگا۔ بیشتر اشیاءً سونے کی بنی ہُوئی تھیں اور ان میں بڑے ہی قیمتی چمکتے ہوئے رنگارنگ پتھر اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ ایسی نادر اور نایاب اشیا کسی شہنشاہ کے محل میں ہی ہو سکتی تھیں۔

طارق تحفے دکھاتے ہُوئے کہتا جا رہا تھا ــــ "یہ آپ کے لیے ہے.... یہ امیرالمومنین کے لیے۔"

آخر میں طارق نے وہ میز مُوسیٰ کے آگے رکھی جو طلیطلہ سے بھاگتے ہُوئے راہبوں سے ملی تھی۔ یہ سونے کی بنی ہُوئی تھی۔ اس کے اردگرد اور پایوں میں اُوپر سے نیچے تک ہیرے نایاب موتی، نیلم، زمرد اور زبرجد جڑے ہُوتے تھے۔

"اس میز کے متعلق مجھے عجیب باتیں بتائی گئی ہیں" ــــ طارق نے کہا ــــ "ایک یہ کہ کسی زمانے میں ایک بادشاہ ٹیٹس نے یروشلم پر حملہ کیا تھا اور یہ میز وہاں کی سب سے بڑی عبادت گاہ سے ملی تھی۔ دوسری عجیب بات یہ کہ یہ میز حضرت سلیمانؑ کی ملکیت ہے اور تیسری عجیب بات راہبوں نے یہ بتائی ہے کہ جو بادشاہ اس میز کی ملکیت کا دعویٰ کرے گا اُس کا زوال بھیانک ہو گا اور وہ ذلّت و رسوائی میں بے بسی اور مجبوری کی موت مرے گا۔"

"اور میں اس میز میں ایک اور عجیب بات دیکھ رہا ہوں" ــــ مُوسیٰ بن نصیر نے میز کو چاروں طرف سے دیکھتے ہوئے کہا ــــ "اس کے تین پائے ہیں چوتھا پایہ غائب ہے۔"

"اس کے پائے اُتارے اور چڑھائے جا سکتے ہیں محترم امیر!" ــــ طارق نے کہا ــــ "اتنی قدیم میز نہ جانے کتنے بادشاہوں کے پاس اور کتنے ملکوں میں رہی ہے کسی نے ایک پایہ اتار لیا ہوگا یا کہیں ضائع ہو گیا ہوگا۔"

سب نے دیکھا کہ میز کا ایک پایہ غائب تھا۔ دیکھنے والوں میں وہ سالار وغیرہ بھی تھے جنہوں نے یہ میز پہلے بھی دیکھی تھی۔ جولیئن اور اوپاس نے بھی یہ میز دیکھی تھی۔ سب کو یاد تھا کہ اس کے چاروں پائے صحیح سلامت اس کے ساتھ تھے۔ اب وہ دیکھ رہے تھے کہ چوتھا پایہ نہیں تھا لیکن اُن میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ یہ میز یہاں آئی تھی تو اُس وقت اس کے چاروں پائے موجود تھے۔

تاریخ اس سلسلے میں خاموش ہے کہ سب کیوں خاموش رہے۔ ان کی خاموشی نے طارق کی تائید کر دی کہ میز کے تین ہی پائے تھے۔ پروفیسر ڈوزی نے لکھا ہے کہ سب کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس میز کے متعلق کچھ مافوق العقل اور ڈراؤنی سی پُراسرار باتیں راہبوں سے سنی گئی تھیں۔ وہ سمجھے ہوں گے کہ چوتھا پایہ خود ہی غائب ہو گیا ہے۔ بہرحال کوئی حتمی رائے نہیں دی جا سکتی۔

"میں اس کے ساتھ اس کا چوتھا پایہ لگاؤں گا" ــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "اس کے لیے

ہیرے اور پتھر جو باقی پایوں میں جڑے ہوئے ہیں نہیں مل سکیں گے۔ چوتھا پایہ سونے کا بنواؤں گا اور میں یہ میز امیرالمومنین کو پیش کروں گا.... شہر کے کسی تجربہ کار سنار کو بلاؤ اور اُسے کہو کہ وہ دوسرے پایوں کی شکل کا چوتھا پایہ سونے کا تیار کر دے جو اس کے ساتھ لگ بھی سکے اور اتارا بھی جا سکے۔"

ایک وقائع نگار ڈان پاسکل اُس دَور کی دستاویزات کے حوالے سے لکھتا ہے کہ مالِ غنیمت میں آتے ہوئے سونے کی کمی نہیں تھی۔ وہاں سونا ہی سونا تھا۔ مقامی سنار بھی موجود تھے۔ سب سے زیادہ کاریگر سنار کو بلا کر میز کے دوسرے پائے دکھاتے گئے۔

چند دنوں میں چوتھا پایہ تیار ہو کر میز کے ساتھ لگ گیا۔

کچھ ہی دنوں بعد مجاہدین کا لشکر اراغون کی طرف کُوچ کر رہا تھا۔ اس لشکر کے دو قائد تھے ــــ مُوسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد ــــ مُوسیٰ عمر کے آخری حصے میں اور طارق جوانی کے آخری حصے میں تھا لیکن جذبے، ولولے اور عزم کی دیوانگی کے لحاظ سے دونوں جوان لگتے تھے۔ وہ لشکر کے ساتھ جس راستے پر چلے جا رہے تھے۔ وہ کوئی سہل راستہ نہیں تھا بلکہ وہ راستہ تھا ہی نہیں۔ بڑی ہی دشوار گزار اور وسیع وعریض وادی تھی۔

یہ اراغون کا صوبہ تھا جس کا مرکزی شہر سارگاسا تھا۔ یہ شہر مُوسیٰ اور طارق کی منزل تھی مگر اس منزل تک پہنچنے کے لیے غیر معمولی ہمت اور استقلال کی ضرورت تھی۔ اس شہر کو جانے والا باقاعدہ راستہ بہت لمبا تھا۔ یہ کم و بیش ایک مہینے کی مسافت تھی۔ مُوسیٰ اپنے لشکر کو وادی میں سے گزار کر لے جا رہا تھا۔

یہ علاقہ وادی ابجارہ جیسا ہی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ اس میں میدانی علاقے بھی تھے لیکن جنگل اور اونچی نیچی ٹیکریاں زیادہ تھیں۔ کھڈ اور نالے بے شمار اور ندیاں بھی بہت تھیں۔ بعض ندیاں زیادہ گہری تھیں۔

لشکر کی رسد اور دیگر سامان بیل گاڑیوں اور گھوڑا گاڑیوں کی بجائے خچروں پر جا رہا تھا کیونکہ اس علاقے سے گاڑیوں کا گزرنا ناممکن تھا۔ مشترکہ طور پر سارے لشکر کے لیے کھانا تیار کرنے کے لیے بڑے برتن ساتھ نہیں لیے گئے تھے۔ ہر سوار کو تانبے کا ایک برتن دیا گیا تھا جس میں کھانا پکانا تھا اور اسی میں پانی پینا تھا۔ ہر سوار کے پاس پانی کی ایک چھاگل تھی اور خشک راشن سے بھرا ہوا ایک ایک تھیلا تھا۔

پیادے اتنا سامان نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ہر پیادے کے پاس اپنے ہتھیار کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سواروں کو کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے کھانے اور پانی میں سے پیادوں کو حصہ دیں۔

اس لشکر کو بھی ویسی ہی دشواریاں پیش آئیں جو طارق کے لشکر کو ابجارہ کی وادی میں پیش آتی تھیں۔ گہری ندیاں پار کرتے تین چار مجاہدین ڈوب کر لاپتہ ہو گئے۔ جنگل میں جو پڑاؤ کیے گئے وہاں چند ایک مجاہدین کو سانپوں نے ڈس کر مار دیا۔ بعض مجاہدین کمر تک دلدل میں دھنس گئے اور ان کی طرف رسّے پھینک کر انہیں نکالا گیا۔ سب سے زیادہ صبر آزما اور جاں لیوا دشواری طوفان

بادوباراں نے پیدا کی جو ایک پوری رات اور پورا ایک دن جاری رہا۔ درخت جڑوں سے اُکھڑ رہے تھے۔ بڑے موٹے ٹہن ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ چار پانچ گھوڑے ایک درخت کے تلے کھڑے تھے۔ ان پر آسمانی بجلی گری اور یہ گھوڑے مر گئے۔

آسمانی بجلی سارے لشکر کے لیے پورا دن اور پوری رات مسلسل خطرہ بنی رہی۔ بار بار ایسی کڑک ہوتی تھی جیسے بم پھٹ رہے ہوں۔ لشکر کے پاس خیمے نہیں تھے۔ مجاہدین بجلی سے ڈرتے درختوں کے نیچے نہیں جاتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بجلی درختوں پر گرا کرتی ہے۔ وہ ٹیکریوں اور ٹیلوں کی اوٹ میں ہو گئے تھے لیکن بادوباراں کے اس طوفان کے قہر اور عتاب سے محفوظ رہنا ناممکن تھا۔ خچر اور گھوڑے ٹھٹھر رہے تھے۔ انسانوں کی حالت تصور میں لائی جا سکتی ہے۔

ندی نالوں میں سیلاب آ گیا۔ ٹیکریوں اور چٹانوں کے درمیان بھی بارش کے پانی نے سیلابی کیفیت اختیار کر لی۔ موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور دوسرے تمام سالاروں کی بھی یہی حالت تھی لیکن وہ اِدھر اُدھر پناہیں تلاش نہیں کر رہے تھے بلکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر الگ الگ ہو گئے تھے اور بکھرے ہوئے لشکر میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ٹولیوں میں بٹے ہوئے مجاہدین کے پاس جا کر رُکتے اور ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں کرتے۔ اس سے مجاہدین کے ٹھٹھرتے ہوئے جسموں میں توانائی اور تپش پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

"سمندر تمہیں روک نہیں سکا" — موسیٰ بن نصیر بادوباراں کے قہر بھرے شور میں جگہ جگہ رک کر اور چلا چلا کر کہتا پھر رہا تھا — "اُندلس کے دریا اور پہاڑ تمہیں نہیں روک سکے۔ اُندلس کی فوجوں کی دیواریں تمہیں نہیں روک سکیں۔ تم نے یہاں کے چٹانوں جیسے قلعے توڑے ہیں۔ یہ طوفان بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

ہر سالار مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ موسیٰ ہر کسی سے یہ ضرور کہتا تھا کہ مجھے دیکھو۔ میری عمر دیکھو۔ اس عمر میں جسم بڑھاپے سے ہی کانپنے لگ جاتے ہیں لیکن میں اس یخ طوفان میں بھی اپنے جسم کو نہیں کانپنے دے رہا۔

یہ تو کہنے کی باتیں تھیں۔ ہر کوئی ٹھٹھر رہا تھا، البتہ کسی نے ہمت و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا۔ اُنہوں نے تو جیسے اپنی روحانی قوت بیدار کر لی تھی۔

•

طوفانِ بادوباراں بھی گزر گیا اور طوفانی رات بھی گزر گئی۔ صبح لشکر کی حالت اس بحری جہاز جیسی تھی جو طوفان میں سمندری چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا ہو اور ٹکڑے سمندر میں بکھر گئے ہوں۔ مجاہدین کوچ کے قابل نہیں رہے تھے۔ کئی مجاہدین بیمار ہو گئے۔ لشکر کو صرف ایک دن اور رات آرام دیا گیا۔ اگلے دن لشکر کوچ کر گیا۔ اُن پیادہ مجاہدین کو جو بیمار ہو گئے تھے۔ گھوڑوں پر سوار کرا دیا گیا تھا۔

کوچ فجر کی نماز کے بعد شروع ہوا تھا۔ نماز اس حالت میں پڑھی گئی تھی کہ زمین گیلی تھی اور درختوں کے پتوں سے شبنم ٹپک رہی تھی۔ نماز کے بعد موسیٰ بن نصیر نے لشکر سے مختصر سا خطاب کیا جو

تاریخ اسلام کا حصہ بن گیا ہے:

"اللہ طوفانوں سے انہیں ثابت وسلم نکالتا ہے جن پر مہربان اور راضی ہوتا ہے۔ طوفانِ نوحؑ سے اللہ نے صرف انہیں نکالا تھا جو نوحؑ کے پیروکار تھے اور جو اپنے اعمال سے اللہ کی خوشنودی چاہنے والے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ انعام دیتا ہے انہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ تم کفر کی اس زمین پر اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر آئے ہو۔ بیشک اس زمین کو تمہارے قدموں نے اور تمہارے سجدوں نے اور شہید ہونے والوں کے لہو نے پاک کر دیا ہے۔ یہاں کی فضاؤں کو تمہاری اذانوں نے معطر کر دیا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تم ایمان والے اور ثابت قدم رہنے والے ہوئے تو دس ایک سو پر اور ایک سو ایک ہزار پر غالب آئیں گے.... اور یاد رکھو! نہ تم بربر ہو نہ عرب ہو۔ تم مسلمان ہو۔ تم میں نہ کوئی کمتر ہے نہ برتر ہے۔ برتر وہی ہے جس میں اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کرنے کا جذبہ ہے۔ میرے رفیقو! اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

لشکر نئے جوش اور نئے ولولے سے منزلیں طے کرتا اراغون کے مرکزی شہر سارگاسا پہنچ گیا۔ ارد گرد کا علاقہ بہت خوبصورت تھا۔ دفاع کے لحاظ سے شہر بہت مضبوط تھا۔ موسیٰ نے شہر کو محاصرے میں لینے سے پہلے ایک سالار کو یہ کہہ کر آگے بھیجا کہ قلعے والوں سے کہے کہ خونریزی کے بغیر دروازے کھول دیئے جائیں۔ اگر مقابلہ کیا گیا اور ہم نے قلعہ سر کر لیا تو کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ خود دروازے کھول دو گے تو ہر رعایت اور نرمی کے حق دار قرار پاؤ گے۔

سالار نے آگے جا کر اعلان کیا۔

"اگر یہیں سے واپس چلے جاؤ گے تو ہم تمہارا تعاقب نہیں کریں گے"۔۔۔ قلعے کی دیوار کے اوپر سے جواب آیا۔۔۔ "اس قلعے کو سر کرنے کے خواب اپنے ساتھ لے جاؤ"۔

"ہم خونریزی نہیں کرنا چاہتے"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"ہم خونریزی کرنا چاہتے ہیں"۔۔۔ اوپر سے جواب آیا۔۔۔ "وہ راڈرک مر گیا ہے جسے تم نے شکست دے لی تھی۔ یہاں کوئی راڈرک نہیں"۔۔۔ اس کے ساتھ ہی دیوار پر کھڑے تمام آدمیوں نے بڑا بلند قہقہہ لگایا۔

"واپس آ جاؤ"۔۔۔ موسیٰ بن نصیر نے گرجدار آواز میں اپنے سالار کو واپس آنے کا حکم دیا۔

شہر کو محاصرے میں لے لیا گیا۔ شہر کی فوج نے باہر آ کر دلیرانہ حملے کئے اور اندلسی بڑی بے جگری سے لڑے لیکن مسلمانوں کو پیچھے نہ ہٹا سکے۔ شہر کی فوج کے ایک دو دستے باہر

آتے، لڑتے اور دروازوں میں داخل ہو جاتے تھے۔ تمام تر اُندلس میں اُندلسیوں کے لڑنے کا یہی طریقہ تھا۔ سارگاسا کی فوج نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں کا خاصا جانی نقصان ہُوا۔

آخر یہی طریقۂ دفاع سارگاسا کی فوج کو لے ڈوبا لیکن چند ایک مجاہدین کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑی۔ تاریخوں میں ان کی تعداد پچاس اور ساٹھ کے درمیان لکھی گئی ہے۔ ایک پرتگالی تاریخ نویس نے ان کی تعداد ایک سو سے کچھ زیادہ لکھی ہے۔ ان کی تعداد پچاس تھی یا ایک سو تھی، انہوں نے جانبازی کا یہ مظاہرہ کیا کہ محاصرے کے آٹھویں یا نویں روز جب شہر کے دو دروازے کھلے اور اندر سے گھوڑ سوار نکلنے لگے تو مسلمان تیر اندازوں نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اُس وقت تک کم و بیش چار سو گھوڑ سوار ایک دروازے سے باہر آ چکے تھے اور دوسرے دروازے میں سے تین سو کے لگ بھگ پیادے نکل آئے تھے۔ ابھی ان کے پیچھے اور سوار اور پیادے آ رہے تھے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ تیر اندازوں کو آگے کیا گیا۔ تیروں کی بوچھاڑوں نے سواروں اور پیادوں کو گرایا بھی اور بھاگنے پر مجبور بھی کر دیا۔ واپس دروازوں کے اندر جانے والے دروازوں میں پھنس گئے۔ انہوں نے اندر جا کر دروازے بند کر لینے تھے۔ اس موقع پر پچاس یا ایک سو جانباز مجاہدین نے حیران کُن کارنامہ کر دکھایا۔ وہ ان سواروں اور پیادوں میں گھس گئے اور ان کے ساتھ ہی اندر چلے گئے۔

مُوسیٰ بن نصیر نے اپنے دو دستوں کو ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ دروازوں کے اندر جانبازوں نے معرکہ لڑا اور دروازے بند نہ ہونے دیئے۔ وہ تمام کے تمام شہید ہو گئے اور مسلمانوں کا لشکر ان دروازوں پر ہلّہ بول کر اندر چلا گیا۔ شہر کی فوج نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن مسلمان جس قہر اور غضب سے اندر گئے تھے، اس کے سامنے شہر کی فوج ٹھہر نہ سکی۔ بہت خونریزی ہُوئی اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

مُوسیٰ بن نصیر نے شہر کی بچی ہُوئی فوج کو اس کے افسروں سمیت قید کر کے اسے تمام حقوق اور مراعات سے محروم کر دیا۔ شہریوں پر تاوان اور جزیہ عائد کیا گیا۔

مُوسیٰ نے نہایت تیزی سے شہر کی انتظامیہ کے لیے حاکم اور عمّال مقرر کیے جو سب کے سب مسلمان تھے۔ کسی یہودی اور عیسائی کو حکومت میں شامل نہ کیا گیا۔ شہر کا سب سے بڑا حاکم جو پورے صوبے کا حاکم تھا، حسین بن عبداللہ کو مقرر کیا گیا۔ اس کی حیثیت گورنر جیسی تھی۔ حسین بن عبداللہ کا نام اس وجہ سے آج تک تاریخ میں زندہ ہے کہ اس نے سارگاسا میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔

•

مُوسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کی جارحانہ قیادت، صلاحیتوں اور جذبے کو دیکھتے ہوئے اُسے سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کر دیا اور سارگاسا سے آگے بڑھے۔ قتلونہ اور ویلینیشیا، دو بڑے شہر

فتح کیے۔ دو صوبے ــــ گلیشیا اور الیتریاس ــــ رہ گئے تھے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ ان دونوں صوبوں کے عیسائی گورنر خودمختار بن بیٹھے ہیں اور وہاں عملاً حکومت پادریوں کی ہے جنہوں نے لوگوں پر مذہبی جنون طاری کر رکھا ہے۔

یہ علاقے کوُچ اور پیش قدمی کے لیے وادی انجارہ اور وادی اراغون جیسے دشوار گزار تھے۔ دریا بھی، چھوٹی بڑی ندیاں اور نالے بھی تھے۔ گھنے جنگلات بھی تھے، کٹے پھٹے بنجر میدان اور سنگلاخ وادیاں بھی تھیں۔ موسم کا کچھ اعتبار نہیں تھا۔ کہیں تیز و تند آندھی مجاہدین کو آگے بڑھنے سے روکتی تھی اور کبھی طوفانِ باد و باراں ان کے قدم اکھاڑنے اور حوصلے توڑنے کی کوشش کرتا تھا۔ بپھری ہوُئی سیلابی ندیوں نے، نالوں نے اور دلدل نے مسلمانوں کی پیشقدمی کو پسپائی میں بدلنے کو بہت جوش مارا لیکن اللہ اکبر کے نعرے رعد کی چمک اور کڑک کا منہ چڑاتے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ وہ دشت و جبل کا سینہ چاک کرتے گئے۔ جہاں گئے وہاں غازیوں اور شہیدوں کے خون سے زمین لالہ زار ہوئی۔ اسلام کے پرچم اُڑتے لہراتے رہے۔

موُسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی قیادت میں مجاہدین کے لشکر کی یہ پیشقدمیاں ہی ایسی حیران کن ہیں کہ یورپ کے متعصب تاریخ نویسوں نے بھی حیرت کے اظہار کے ساتھ مسلمانوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ مشہور و معروف اور ساری دنیا میں مستند مانا جانے والا موٴرخ گبن لکھتا ہے کہ یہ (مسلمان) قوم اپنی ہی قسم کے جذبے کے جنون میں مبتلا تھی کہ انہیں نہ آفاتِ فلکی روک سکیں نہ ان کے آگے طاقتور فوج ہی ٹھہر سکی اور وہ فرانس کی سرحد میں بھی داخل ہو گئے۔

مجاہدین نے گلیشیا اور الیتریاس کے صوبے بھی فتح کر لیے۔ ان فتوحات کی تفصیلات ویسی ہی ہیں جیسی پہلی ہر فتح کی بیان ہو چکی ہیں۔

”عزیز بیٹے!“ ــــ موُسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد سے کہا ــــ ”کیا اُندلس کا کوئی اور شہر، کوئی اور قلعہ رہ گیا ہے جو ہم نے فتح نہ کیا ہو؟“

”نہیں امیرِ محترم!“ ــــ طارق نے کہا ــــ ”اُندلس کا کوئی ایسا شہر، کوئی ایسا قلعہ نہیں رہ گیا جس پر سلطنتِ اسلامیہ کا پرچم نہ لہرا رہا ہو۔“

”اور خدا کی قسم ابنِ زیاد!“ ــــ موُسیٰ نے کہا ــــ ”تم میری تائید کرو گے کہ ہمیں فرانس کی سرحد میں داخل ہونا چاہیئے۔“

”سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں ہوتی قابلِ احترام امیر!“ ــــ طارق نے کہا ــــ ”ہمیں فرانس کی اگلی سرحد تک پہنچنا چاہیئے۔“

نواب ذوالقدر جنگ بہادر اپنی کتاب ”خلافتِ اُندلس“ میں مختلف موٴرخوں کے حوالوں سے لکھتے ہیں کہ موُسیٰ بن نصیر نے فرانس کی سرحد کے قریب کچھ دن قیام کیا تاکہ لشکر ذرا ستا لے اور زخمی لڑنے کے قابل ہو جائیں۔ اس دوران موُسیٰ اور طارق نے پورے یورپ کو فتح کرنے کا پلان تیار کیا اور ایک صبح فرانس کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

"خلافتِ اُندلس" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے فرانس کے دو بڑے شہروں بارسلونا اور ناربون بغیر مزاحمت فتح کر لیے تھے۔ ناربون کے متعلق لکھا ہے کہ طلیطلہ سے تین سو فرسخ (ایک ہزار پچاس میل) کے فاصلے پر تھا۔ یہ دونوں شہر آج بھی موجود ہیں۔ بیشتر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فرانسیسی فوج نے مسلمانوں کا بڑا ہی سخت مقابلہ کیا تھا اور یہ بھی کہ لڑنے کے جذبے اور صلاحیت کے لحاظ سے فرانس کی فوج اُندلس کی فوج سے بدرجہا بہتر تھی۔

اس سے آگے فرانس کا بہت ہی دشوار گزار سلسلۂ کوہ پائرینیس تھا جسے مسلمانوں نے جبل البرتات کا نام دیا تھا۔ ان میں بعض پہاڑوں کی چوٹیاں بہت ہی بلند تھیں۔ مؤرخ گبن اپنی مشہور کتاب "سلطنتِ روم کا عروج و زوال" میں لکھتا ہے "مُوسیٰ بن نصیر نے پائرینیس کی ایک چوٹی پر کھڑے ہو کر فرانس کو اپنے قدموں میں دیکھا اور کہا تھا کہ وہ اپنی فوج میں مزید نفری شامل کر کے یورپ کو فتح کرتا ہُوا قسطنطنیہ تک پہنچے گا اور وہاں سے اپنے ملک شام میں داخل ہو گا۔"

گبن آگے چل کر لکھتا ہے:

> "اگر اس مسلمان جرنیل کو آگے بڑھنے کا موقع مل جاتا تو یورپ کے دینی مدرسوں اور دوسرے سکولوں میں انجیل کی بجائے قرآن پڑھایا جا رہا ہوتا، اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کے سبق دیئے جا رہے ہوتے اور آج روم میں پوپ کی بجائے شیخ الاسلام کے احکام نافذ ہوتے۔"

موسیٰ بن نصیر فرانس کے یہی تین چار شہر اور یہ سارا علاقہ فتح کر کے آگے کیوں نہ بڑھا؟.... اس سوال کا ایک جواب تو ایک روایت کی صورت میں تاریخ میں ملتا ہے جو متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے۔ روایت یہ ہے کہ مُوسیٰ اور طارق فرانس کا ایک اور شہر لیون فتح کر کے آگے بڑھے تو راستے میں انہیں قدیم عمارتوں کے کھنڈر نظر آئے۔ دونوں لشکر سے ہٹ کر یہ کھنڈر دیکھنے چلے گئے۔ ایک ستون کھڑا تھا۔ اس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔ "اے اولادِ اسمٰعیل! یہاں تک تم پہنچ گئے۔ یہیں سے واپس چلے جاؤ" — اسی ستون کی دوسری طرف لکھا تھا — "اگر تم یہاں سے آگے بڑھے تو تم میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جو تمہاری جمعیت اور طاقت کو تباہ و برباد کر دے گی۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مُوسیٰ گہری سوچ میں گُم ہو گیا، پھر اُس نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا۔ سب نے مشورہ دیا کہ واپسی ہی بہتر ہے۔ ہم نے جو ملک فتح کر لیا ہے، اسی کا نظم و نسق اور دیگر امور سنبھال لیں تو بہتر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُندلس بدنظمی کا شکار ہو جائے۔ چنانچہ مُوسیٰ نے واپسی کا حکم دے دیا۔

فرانس سے واپسی کی یا مزید آگے نہ بڑھنے کی ایک وجہ بالکل واضح ہے۔ وہ یہ کہ مُوسیٰ بن نصیر فرانس کے ایک مقام لیوگو میں تھا اور طارق وہاں سے کچھ دُور ایک مقام استورگا میں تھا۔ ایک روز دمشق سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا خاص ایلچی ابو نصر مُوسیٰ کے پاس یہ حکم لے آیا کہ وہ اور طارق مزید پیش قدمی روک دیں اور فوراً دمشق پہنچیں اور مزید احکام کے لیے بارگاہِ خلافت میں

حاضری دیں۔

"کیا امیرالمومنین کو معلوم نہیں کہ میں اور طارق یہاں سے چلے گئے تو فتح کیا ہوا اُندلس ہمارے ہاتھ سے نکل سکتا ہے؟" ــــ موسیٰ نے ابونصر سے پوچھا۔

"امیرالمومنین کو کیا معلوم ہے اور کیا معلوم نہیں ہے، یہ میں نہیں جانتا" ــــ ابونصر نے کہا ــــ "انہوں نے حکم دیا ہے کہ موسیٰ اور طارق فوراً دمشق پہنچیں۔"

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے پہلے بھی موسیٰ کو دمشق بلایا تھا لیکن موسیٰ پیشقدمی اور فتوحات میں اس قدر مصروف تھا کہ وہ دمشق نہ گیا۔ خلیفہ ولید کے ساتھ موسیٰ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اُسے ایسا خطرہ نہیں تھا کہ خلیفہ ناراض ہو گا لیکن خلیفہ نے اپنا ایک ایلچی بھیج دیا اور بڑا سخت حکم بھیجا کہ فوراً دمشق پہنچو۔

"ابن نصیر!" ــــ ابونصر نے موسیٰ سے کہا ــــ "اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً میرے ساتھ دمشق روانہ ہو جاؤ۔"

موسیٰ نے اُسی وقت ایک تیز رفتار قاصد طارق کی طرف بھیجا کہ وہ فوراً اُس کے پاس لیوگو پہنچے۔

طارق تو جیسے اُڑتا ہوا پہنچا ہو۔ موسیٰ نے اُسے بتایا کہ امیرالمومنین کا بلاوا آیا ہے اور کل فجر کی نماز کے بعد روانہ ہونا ہے۔

"امیر محترم!" ــــ طارق نے موسیٰ سے کہا ــــ "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ امیرالمومنین کو....."

"ابن زیاد!" ــــ ابونصر نے طارق کو ٹوک کر کہا ــــ "امیرالمومنین کوئی جواز قبول نہیں کریں گے۔ اُن کے عتاب کو میں جانتا ہوں۔"

"طارق بیٹا!" ــــ موسیٰ کے یہ الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں جو اُس نے طارق سے کہے ــــ "چلنا ہی پڑے گا۔ واپس چلنے میں ہی ہماری بہتری ہے۔"

"میں نے اپنی بہتری کی کبھی پرواہ نہیں کی" ــــ طارق نے کہا ــــ "میرے سامنے سلطنتِ اسلامیہ کی بہتری ہے۔"

"تم نے میری حکم عدولی کی تھی تو میں نے تمہیں معاف کر دیا تھا" ــــ موسیٰ نے کہا ــــ "امیرالمومنین اپنے حکم کی خلاف ورزی معاف نہیں کریں گے .... جا طارق بیٹے! جانے کی تیاری کر لے۔ ہم واپس آئیں گے۔ فرانس کے یہ بلند و بالا پہاڑ ہمارا انتظار کریں گے۔"

موسیٰ اور طارق دمشق کو روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ انہیں ذرا سا بھی شک نہ ہوا کہ وہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے جا رہے ہیں اور دمشق کا قید خانہ موسیٰ بن نصیر کا اور ہمیشہ کی گمنامی طارق بن زیاد کی منتظر ہے۔

طارق بن زیاد

تو امیرالمومنین کی حکم عدولی کے لیے بھی تیار ہو گیا تھا لیکن اُس کے ساتھ اُس کا امیر مُوسیٰ بن نصیر تھا۔ طارق اُس کے حکم کا پابند تھا۔ طارق نے مُوسیٰ کی حکم عدولی کی تھی لیکن اُس وقت وہ آزاد تھا۔ اب اُس پر اُس کا امیر موجود تھا اور امیر نے کہہ دیا تھا کہ امیرالمومنین کے بلاوے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پیغام لانے والے ابونصر نے بھی طارق سے کہا تھا کہ امیرالمومنین کے عتاب سے بچو۔

اگر خلیفہ ولید کے حکم میں ذرا سی بھی لچک ہوتی تو مُوسیٰ اُسے یقیناً یہی جواب دیتا کہ وہ اس صورتِ حال میں کہ اُندلس اُس کے قبضے میں اور فرانس اُس کے قدموں میں ہے، ابھی دمشق نہیں آسکتا ورنہ مفتوحہ اُندلس بھی ہاتھ سے نکل جائے گا، مگر مُوسیٰ نے دمشق چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔

مشہور و معروف اور مستند یورپی مؤرخ گبن کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مُوسیٰ بن نصیر کی قیادت میں مسلمان پائیرینیس (جبل البرتات) سے آگے فرانس کے وسط تک چلے گئے تھے۔ اُس وقت فرانس کا بادشاہ چارلس مارٹل تھا جس کی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی، منظم بھی تھی اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بہت طاقتور تھی۔ گبن نے اس جنگ کی کوئی تفصیل نہیں لکھی۔ اُس نے اتنا ہی لکھا ہے کہ چارلس مارٹل نے مسلمانوں کو فرانس کے ایک وسطی علاقے میں شکست دی تو مسلمانوں کے سپہ سالار نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی فتوحات کو اُندلس تک محدود رکھے اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔

گبن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُدھر تُرکوں نے جرمنی پر حملہ کر دیا لیکن پولینڈ کے بادشاہ سوبلسکی نے تُرکوں کو جرمنی کی سرحد پر روک لیا اور کبھی بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ گبن لکھتا ہے کہ تُرکوں اور عربوں کے یہ حملے کامیاب ہو جاتے تو آج یورپ کا مذہب عیسائیت کی بجائے اسلام ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک آمریت کا یہ مظاہرہ نہ کرتا کہ مُوسیٰ اور طارق کو دمشق حاضری دینے کا حکم بھیج دیا، تو یہ دونوں تاریخ ساز سپہ سالار فرانس کو فتح کر کے ہی دم لیتے۔ مُوسیٰ بن نصیر جو میدانِ جنگ میں ایک قابل بے خوف اور جارح سپہ سالار تھا، میدانِ جنگ کے باہر غیر معمولی طور پر دانشمند تھا۔ نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے اپنی کتاب "خلافتِ اُندلس" میں دو تین غیر مسلم مؤرخوں کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے جو عربوں کی خصوصی ذہانت کا پتہ دیتا ہے۔

یہ واقعہ اشبیلہ کے محاصرے کا ہے۔ یہ محاصرہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اشبیلہ کی فوج نے مسلمانوں کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا لیکن مسلمانوں کے دباؤ سے گھبرا کر وہ

صُلح کی بات پر آ گئے تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایک جگہ سے مسلمانوں نے شہر کی دیوار توڑ لی تھی اور بہت سے مسلمان جو سب کے سب عرب تھے، اندر جانے لگے۔ عیسائی فوج نے ان عربوں پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ ان تمام عربوں کو مار ڈالا۔ بعد میں وہاں ان شہیدوں کا یادگاری مینار تعمیر کیا گیا تھا جو بُرج شہدائے کے نام سے مشہور ہُوا اور آج بھی موجود ہے۔

اتنے زیادہ نقصان سے گھبرا کر موسیٰ نے صُلح کی پیش کش کی۔ شہر کے چند سرکردہ افراد مُوسیٰ کے پاس آئے۔ مُوسیٰ نے اپنی شرائط پیش کیں جو شہر والوں نے قبول نہ کیں۔ دوسری ملاقات دو روز بعد طے ہُوئی۔ مُوسیٰ کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔ اُس وقت تک خضاب سے صرف مسلمان واقف تھے۔ خضاب مسلمانوں کی ہی ایجاد تھی۔ اُندلس کے لوگ خضاب سے ناآشنا تھے۔

اشبیلیہ کا وفد صُلح کی شرائط طے کرنے کے لیے دوسری بار آیا تو مُوسیٰ نے داڑھی اور سر کو حنا کا خضاب لگا رکھا تھا جس کا رنگ سرخ تھا۔ وفد کے آدمی مُوسیٰ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس کے سفید بال سرخ کیسے ہو گئے ہیں۔ صلح کی شرائط پر مذاکرات شروع ہوئے اور ناکام ہو گئے۔ ایک اور ملاقات کا فیصلہ ہُوا۔

دو دنوں بعد فریقین کی پھر ملاقات ہوئی۔ یہ مذاکرات اس وجہ سے ناکام ہو رہے تھے کہ مُوسیٰ کی شرائط بڑی سخت تھیں۔ وہ انہیں ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہا تھا۔ آخری ملاقات کے لیے اشبیلیہ کا وفد گیا تو دیکھا کہ مُوسیٰ کی سرخ داڑھی اور سر کے بال سرخ کی بجائے کالے تھے۔ اُس نے کالا خضاب لگا لیا تھا۔ مُوسیٰ کی عمر اسّی سال کے قریب تھی اور وہ ذرا سا جُھک کے چلتا تھا۔ آخری ملاقات کے دوران مُوسیٰ جوانوں کی طرح سیدھا ہو کر ٹہلتا رہا۔ اُس روز بھی مذاکرات ناکام رہے۔ موسیٰ نے بڑے سخت الفاظ میں وفد سے کہا کہ اب وہ اُن سے شہر کے اندر ملے گا اور اُن کی فوج کی لاشوں پر اپنی فوج کو گزار کر شہر میں آئے گا۔ اب میری تلوار شرائط طے کرے گی۔

نواب ذوالقدر جنگ بہادر لکھتے ہیں کہ اشبیلیہ کا وفد واپس چلا گیا اور یہ سرکردہ افراد آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔

"ان کی شرطیں مان لو" ——— وفد کے لیڈر نے اپنے ساتھیوں سے کہا ——— "اس سپہ سالار (مُوسیٰ) کے پاس کوئی مافوق الفطرت طاقت ہے۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ وہ کتنا بوڑھا تھا؟ اُس کی داڑھی کا ایک بال بھی کالا نہیں تھا۔ پھر اس کے بال سرخ ہوئے اور آج وہی بال کالے ہو گئے ہیں اور اب وہ جوانوں کی طرح چلتا اور بولتا ہے۔ یہ بھی دیکھو کہ یہ مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے سارے ملک پر چھا گئے ہیں۔"

موسیٰ کی تمام شرائط مان لی گئیں۔

یہ ایک نفسیاتی حملہ تھا جو کامیاب رہا تھا، اور یہ مُوسیٰ بن نصیر کی عقل و دانش کا ایک مظاہرہ تھا۔ مُوسیٰ نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ اُسے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے چنانچہ وہ اور طارق بن زیاد دمشق کے لیے روانہ ہو گئے اور طلیطلہ پہنچے۔ سالار مغیث الرومی بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ مُوسیٰ اُسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھا۔

"امیرِ محترم!" ـــــ مغیث الرومی نے کہا ـــــ "میں نے قرطبہ فتح کیا تھا۔ قرطبہ کے گورنر نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور ہمیں بہت جانی نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ میں نے گورنر کو گرفتار کر لیا تھا۔ آپ اپنے ساتھ امیرالمومنین کو پیش کرنے کے لیے تیس ہزار جنگی قیدی اور بہت سی کنیزیں اور لونڈیاں لے جا رہے ہیں۔ میں صرف یہ ایک قیدی امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کیا میرا حق نہیں؟"

"یقیناً یہ تمہارا حق ہے" ـــــ مُوسیٰ نے کہا اور اُسے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

مُوسیٰ بن نصیر طلیطلہ میں کچھ دن قیام کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک تیز رفتار قاصد اس پیغام کے ساتھ دمشق کو دوڑا دیا تھا کہ وہ اور طارق آ رہے ہیں۔ طلیطلہ میں مُوسیٰ نے تمام تحفے جو خلیفہ کو پیش کرنے تھے اور تمام مالِ غنیمت جو بیت المال کے لیے رکھا گیا تھا، الگ کروانا شروع کر دیا۔ جنگی قیدی ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مُوسیٰ نے ان قیدیوں کو بھی دیکھنا اور ان میں سے اپنے ساتھ دمشق لے جانے کے لیے قیدیوں کا انتخاب کرنا تھا۔

جولیَن اور اوپاس مُوسیٰ کے ساتھ تھے۔ اوپاس میرینا کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میرینا کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اوپاس اور میرینا نوجوانی میں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اُس وقت اوپاس کا بڑا بھائی وٹیزا اُندلس کا بادشاہ تھا۔ اوپاس میرینا کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن اُس کے بادشاہ بھائی نے اُسے اجازت نہ دی کیونکہ میرینا یہودن تھی اور وہ ایک عام خاندان کی لڑکی تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد راڈرک نے فوج کو اپنے زیرِ اثر کر کے وٹیزا کے خلاف بغاوت کر دی جو کامیاب رہی۔ راڈرک نے وٹیزا کو قتل کرا دیا۔ وٹیزا کا خاندان اُندلس سے بھاگ کر سیوستہ چلا گیا جہاں کے حکمران جولیَن نے انہیں پناہ دی۔

ایک روز اتفاق سے راڈرک کی نظر میرینا پر پڑ گئی۔ میرینا بڑی ہی حسین اور دلکش لڑکی تھی۔ راڈرک بادشاہ تھا۔ اُس نے میرینا کو شاہانہ حکم سے اپنے ہاں بلایا اور اُسے اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ میرینا جو ایک بھلی لڑکی تھی، گناہوں کی دنیا میں پہنچ گئی۔ وہ یہودن تھی۔ اوپاس کے ساتھ تو وہ مخلص تھی لیکن اُسے زبردستی شاہی حرم میں داخل کر کے اُس کے جذبات کا گلا گھونٹا گیا تو اُس میں یہودیوں کے فطری اوصاف بیدار ہو گئے ـــــ فتنہ، ریاکاری، عیّاری ـــــ ان اوصاف کی بدولت وہ راڈرک کی منظورِ نظر بن گئی اور شاہی محل پر چھا گئی۔

پہلے یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ طارق بن زیاد اُندلس میں داخل ہُوا تو اوپاس بھیس بدل کر طلیطلہ گیا اور میرینا سے ملا اور اُسے طارق بن زیاد کی درپردہ مدد کے لیے آمادہ

کیا۔ اب اوپاس اور میرینا ادھیڑ عمری میں تھے۔ میرینا نے جو مدد کی وہ پہلے بیان ہو چکی ہے اُس نے راڈرک کے ساحر کو قتل کر دیا تھا جو راڈرک کی فتح کے لیے کالا جادو کر رہا تھا۔

راڈرک مارا گیا تو میرینا کی دنیا ہی بدل گئی۔ جب طارق طلیطلہ پہنچا تو میرینا نے یہودی ساحر کی لاش طارق کو بطورِ تحفہ پیش کی اور خود غائب ہو گئی۔ اب موسیٰ بن نصیر طلیطلہ آیا تو اوپاس میرینا کو ڈھونڈنے لگا۔ تلاشِ بسیار کے بعد اُسے میرینا کا سراغ مل گیا۔ وہ وہاں پہنچا۔ وہ چھوٹی سی ایک عبادت گاہ تھی۔ میرینا طلیطلہ کی رہنے والی تھی لیکن وہ اپنے گھر نہیں گئی تھی، اُس کے ماں باپ کہیں چلے گئے تھے۔

یہ عبادت گاہ قدیم اور غیر آباد تھی۔ میرینا نے اُسے صاف کر کے وہاں ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ اُس نے سادہ سا لباس پہن لیا تھا۔ سر پر ایک کپڑا لپیٹ کر رکھتی تھی جس میں سے ایک بال بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اوپاس کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر وہ تاثر نہ آیا جس کی اوپاس کو توقع تھی۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثر سے عاری رہا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" ـــــ اوپاس نے اُس سے پوچھا۔

"عبادت!" ـــــ میرینا نے وجدانی سی کیفیت میں جواب دیا ـــــ "خدا سے بیہودہ گناہوں کی بخشش مانگ رہی ہوں.... تم کیوں آئے ہو؟"

"تمہیں اپنے ساتھ لے جانے آیا ہوں میرینا!" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "تمہاری جگہ یہ نہیں۔ تم شاہی محل کی ایک اہم فرد ہو۔"

"شاہی محل؟" ـــــ میرینا نے طنزیہ کہا ـــــ "وہ محل جس میں میرے جذبات کا، میری جواں اُمنگوں کا اور میری محبت کا خون ہُوا تھا؟"

"اب اس محل میں راڈرک نہیں" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "راڈرک کے خاندان کا ایک بھی فرد نہیں۔ اس محل میں اب مسلمان حکمران آ گئے ہیں اور وہاں بدی کا نام و نشان نہیں۔ وہاں کوئی شراب نہیں پیتا۔ کسی عورت کے ساتھ زیادتی نہیں ہوتی۔ محل پاک ہو گیا ہے۔"

"میں ناپاک ہوں اوپاس!" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "میں باقی عمر اپنی روح کو پاک کرنے میں گزار دوں گی۔"

"میں تمہیں مسلمانوں کے امیر کے پاس لے جانا چاہتا ہوں" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "میں اُسے بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ہے وہ عورت جس نے دریائے گادلیت کی جنگ میں راڈرک کو شکست دلائی تھی۔"

"پھر مسلمانوں کا امیر مجھے انعام دے گا" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "تم یہی کہنا چاہتے ہو نا.... اوپاس! میں انعام و اکرام کی دنیا سے بہت دُور نکل آئی ہوں۔"

"امیر مُوسیٰ بن نصیر تمہیں دیکھنا چاہتا ہے میرینا!" ـــــ اوپاس نے کہا ـــــ "کیا تمہارے دل میں میری محبت نہیں رہی؟ میں تمہیں محبت کا واسطہ دیتا ہوں، میرے ساتھ چلی چلو پھر واپس آ جانا.... امیر مُوسیٰ دمشق جا رہا ہے۔"

محبت کے نام پر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اوپاس کے ساتھ چل پڑی۔
ایک یورپی مؤرخ گیانگوز نے لکھا ہے کہ میرینا کی تو شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ وہ تارک الدنیا ہو گئی تھی۔ اس حد تک کہ اُس کی روحانی قوتیں بیدار ہو گئی تھیں۔

طارق بن زیاد، جولین اور اوپاس نے موسیٰ بن نصیر کو تفصیل سے سنایا تھا کہ میرینا نے راڈرک کی فوج کو کس طرح شکست دلائی تھی۔ اب وہ میرینا اُس کے سامنے کھڑی اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"بیٹھ جاؤ خاتون!" ـــــ موسیٰ نے میرینا سے کہا ـــــ "ہمارے لیے تم قابلِ قدر ہو۔ ہم اس کا صلہ دیں گے۔"
اوپاس نے میرینا کو اپنی زبان میں بتایا کہ امیر نے کیا کہا ہے۔ تمام باتیں اوپاس کی معرفت ہوئیں۔ میرینا کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے وہ کچھ سُن ہی نہ رہی ہو۔ اُس کی نظریں موسیٰ کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔
"اپنے امیر سے کہو اپنے وطن واپس نہ جائے" ـــــ میرینا نے پریشان سے لہجے میں کہا ـــــ "یہ سفر ان کے لیے ٹھیک نہیں۔"
"اگر میں چلا گیا تو کیا ہو جائے گا؟" ـــــ موسیٰ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کے لیے بہت بُرا ہو گا" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "ذلت و رسوائی ہو گی۔ شاید کچھ اور بھی ہو جائے" ـــــ اُس کی آواز بلند ہو گئی اور اُس کی آواز میں گھبراہٹ آگئی۔ وہ کہہ رہی تھی ـــــ "نہ جائیں امیر!..... نہ جائیں..... انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ آپ کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ ان آنکھوں کو پھر کبھی اُندلس دیکھنا نصیب نہیں ہو گا۔"
موسیٰ ہنس پڑا۔
"مسلمان اپنے اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں خاتون!" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "اللہ کے کاموں کے متعلق کوئی انسان پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی انسان کی پیش گوئی کو سچ سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرے گا تو شرک کا گناہگار ہو گا۔"
"میں کسی مذہب کی بات نہیں کر رہی" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "میں شاید اپنے مذہب کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتی۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ مجھے کس طرح پتہ چلا ہے کہ آپ کے اس سفر کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ مجھے اشارے سے مل رہے ہیں۔ مجھے آپ کے اردگرد موت گھومتی پھرتی دکھائی دے رہی ہے۔"
"کیا تم نے کسی استاد سے یہ علم حاصل کیا ہے؟" ـــــ موسیٰ نے پوچھا۔
"نہیں" ـــــ میرینا نے جواب دیا ـــــ "میرے اندر سے، میرے اپنے ہی وجود سے ایک روشنی پھوٹتی ہے۔ میں آپ کو گناہگار نہیں کرنا چاہتی۔ یہ بتا دیتی ہوں کہ میں کیا تھی اور کیا ہو گئی ہوں۔ کہاں تھی اور کس دنیا میں جا پہنچی ہوں۔"

"اوپاس مجھے سب کچھ بتا چکا ہے" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "تم پر جو ظلم ہوا ہے وہ میں جانتا ہوں۔ اس سے آگے بتاؤ تم کہاں پہنچ گئی ہو؟"

"دنیا کے ایک تاریک گوشے میں میرا بسیرا ہے" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "میں مظلوم تو ہوں لیکن میں اپنے آپ کو گناہگار سمجھتی ہوں۔ میں راڈرک کی داشتہ بنی رہی۔ میں نے راڈرک کو اپنی مٹھی میں لینے کے لیے عیاریاں کیں، فریب کاری کرتی رہی اور اپنے فائدے کے لیے جس کسی کو دھوکہ دینے کی ضرورت پڑی اُسے دھوکہ دیا.... اور اسی ریاکاری میں میری جوانی گزر گئی، پھر میں نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ یہ میری قوم کا ساحر تھا۔ اگر میں اُسے قتل نہ کرتی تو ایک بیگناہ لڑکی اُس کے ہاتھوں قتل ہو جاتی۔ وہ راڈرک کی فتح کے لیے اس لڑکی کی جان کی قربانی دینا چاہتا تھا۔"

"یہ میں سن چکا ہوں" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "یہ ہم پر بہت بڑا احسان تھا۔ میں تمہیں اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔"

"نہیں میرے بزرگ!" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ احسان کیا ہے تو اپنے آپ پر کیا ہے۔ میں نے راڈرک سے انتقام لینا تھا۔ لے لیا۔ اب میرے دل میں کسی صلے یا انعام کا لالچ نہیں۔ میں اپنی روح کو گناہوں سے پاک کر رہی ہوں۔ اب تو سارے اُندلس کی بادشاہی میرے قدموں میں رکھ دو تو بھی میں اس گوشے سے نہیں نکلوں گی جس میں مَیں نے اپنے آپ کو قید کر رکھا ہے۔ میری روح پاک ہو گئی ہے۔ میں جہاں رہتی ہوں وہاں اب عالمِ ارواح کی روحیں بھی آتی ہیں۔ شاید وہ مجھے آنے والے وقت کی خبریں سناتی ہیں۔"

موسیٰ بن نصیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس نے اپنی زبان میں اپنے سالاروں سے کہا کہ اس عورت کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔

"اور میں آپ کو ایک اور خطرے سے آگاہ کر دیتی ہوں" ـــــ میرینا نے کہا ـــــ "مجھ پر مہربان نہ ہو جانا۔ یہ نہ سوچنا کہ مجھے اس قدیم عبادت گاہ سے اٹھا کر اپنے محل میں لے آئیں گے اور مجھے عیش و آرام میں رکھیں گے۔ اوپاس نے مجھ سے محبت کی تھی تو اس کے خاندان کی بادشاہی خاک و خون میں ڈوب گئی اور اس کا بھائی جو بادشاہ تھا، قتل ہو گیا۔ راڈرک مجھے محل میں لے آیا اور مجھے منظورِ نظر بنا لیا۔ اُس کی بھی بادشاہی کا نام و نشان مٹ گیا اور وہ مارا گیا.... میں آپ کے محل میں نہیں رہوں گی" ـــــ اُس نے ذرا خاموش رہ کر کہا ـــــ "میں آپ سے ایک بار پھر کہتی ہوں کہ اس سفر کا خیال دل سے نکال دیں۔"

وہ چُپ ہو گئی۔ سب خاموش تھے جیسے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ میرینا اُٹھی اور پُروقار سی چال چلتی دروازے تک گئی، رُکی اور پیچھے کو مڑی۔

"مسلمانوں کے امیر!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "اُندلس بدروحوں کا دیس ہے۔ یہاں انسانوں کا خون بہتا آیا ہے اور خون ہی بہتا رہے گا۔ یہاں کی زمین میں بڑے خوفناک اور پُراسرار راز دفن ہیں۔ یہاں کی فضا میں بھید پوشیدہ ہیں" ـــــ اور وہ دروازے سے نکل گئی۔

"مجھے اس لڑکی کے ساتھ دلی ہمدردی ہے" ــــ موسیٰ بن نصیر نے کہا ــــ "سفر کی تیاری جلدی مکمل کر لو۔ اُندلس کا دارالحکومت طلیطلہ نہیں اشبیلیہ ہوگا۔ ایک دو دنوں میں ہمیں اشبیلہ کو روانہ ہونا ہے۔"

وہ خاصا بڑا قافلہ تھا جو دو دنوں بعد اشبیلیہ کی طرف جا رہا تھا۔ موسیٰ کا بیٹا عبدالعزیز اشبیلیہ میں تھا۔ اُسے پہلے اطلاع دے دی گئی تھی کہ موسیٰ اور طارق آ رہے ہیں۔ اس اطلاع پر عبدالعزیز کی بیوی ایجیلونا یکلخت سرگرم ہوگئی۔

"امیر کا استقبال سارا شہر کرے گا" ــــ ایجیلونا نے عزیز سے کہا ــــ "شہر کی آبادی شہر سے باہر جا کر راستے کے دونوں طرف کھڑی ہو کر امیر موسیٰ بن نصیر کا استقبال کرے گی۔"

"نہیں ایجیلونا!" ــــ عبدالعزیز نے کہا ــــ "امیر موسیٰ پسند نہیں کریں گے۔ ہمارا مذہب ایسے شاہانہ انداز کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو راستے میں کھڑا کر کے استقبال کرایا جائے۔ اسے ہم غرور اور تکبّر کہتے ہیں۔ یہ فرعونوں کا طریقہ ہے۔"

"یہاں کے لوگ مسلمان نہیں" ــــ ایجیلونا نے کہا ــــ "یہ تمہیں، امیر موسیٰ اور سپہ سالار طارق کو بادشاہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بادشاہوں کے عادی ہیں۔ اگر تم نے انہیں یہ تاثر دیا کہ تم بھی انہی جیسے انسان ہو تو ان پر تمہارا رعب اور دبدبہ قائم نہیں ہوگا اور یہ بغاوت پر اُتر آئیں گے۔ میں تمہارے عظیم باپ کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکوں گی کہ وہ عام لوگوں کی طرح آئیں اور رعایا ان کی طرف توجہ ہی نہ دے.... یہ انتظام میں کروں گی۔"

تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ ایجیلونا ایک بڑا ہی حسین سحر بن کر عبدالعزیز پر غالب آگئی تھی اور عبدالعزیز زن مریدوں جیسی حرکتیں کرنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عبدالعزیز بڑا ہی قابل اور زبردست سپہ سالار اور دانشمند منتظم تھا۔ ایجیلونا ملکہ بننا چاہتی تھی۔ اُسے پتہ چلا کہ موسیٰ بن نصیر آ رہا ہے تو اُس نے سارے شہر میں منادی کرا دی کہ امیر مصر، افریقہ و اُندلس کچھ دنوں بعد آ رہے ہیں۔ شہریوں کو جوں ہی بتایا جائے گا کہ وہ آج پہنچ رہے ہیں تو شہر کے تمام لوگ، عورتیں اور بچے بھی شہر کے باہر جا کر امیر کا استقبال کریں گے۔

ایجیلونا موسیٰ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ وہ حاکموں کو حکم دیتی پھرتی اور عبدالعزیز اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ ایجیلونا مسلمان تو تھی نہیں کہ مردوں میں نہ جاتی۔ وہ عیسائی تھی۔ لباس مسلمان عورتوں جیسا پہنتی تھی۔ شہر کے لوگوں میں وہ پہلے ہی بہت مقبول تھی۔ اشبیلیہ کو جب مسلمانوں نے محاصرے میں لیا تھا تو ایجیلونا نے شہر کے دفاع میں بہت کام کیا تھا۔ تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں۔

دو سواروں کو طلیطلہ کی طرف بھیج دیا گیا کہ انہیں شہر سے چند میل دُور موسیٰ کا قافلہ آتا نظر آئے تو گھوڑے سرپٹ دوڑاتے واپس آ کر اطلاع دیں۔

موسیٰ بن نصیر کی آمد کا دن آ گیا۔ دوپہر کے وقت دونوں سوار جو آگے گئے ہوئے تھے، گھوڑے سرپٹ دوڑاتے شہر میں داخل ہوئے اور عبدالعزیز کے ہاں جا کر انہوں نے بتایا کہ امیر افریقہ و اندلس آرہے ہیں۔ انہوں نے جو فاصلہ بتایا وہ کم و بیش ایک گھنٹے کی مسافت تھی۔ ایجیلونا کو اطلاع ملی تو دوڑی باہر آئی۔ اُس نے اصطبل سے گھوڑا منگوانے کی بجائے ان دونوں سواروں میں سے ایک کا گھوڑا لیا۔ کود کر اس پر سوار ہوئی اور گھوڑا دوڑا دیا۔ اُس نے پہلے انتظام کر رکھا تھا کہ کس کس کو ملنا ہے اور کس کے ذمے کیا کام ہے۔

موسیٰ بن نصیر کا قافلہ خاصا لمبا تھا۔ آگے موسیٰ، طارق بن زیاد اور مغیث الرومی تھے۔ ان کے پیچھے دو اڑھائی سو گھوڑ سواروں کا حفاظتی دستہ تھا۔ اس کے پیچھے ہزاروں جنگی قیدی تھے جن کے ہاتھ مضبوط رسّیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان قیدیوں میں اندلس کی یعنی شاہ راڈرک کی فوج کے اعلیٰ اور ان سے کم درجہ افسر بھی تھے۔ انہیں یہ سہولت دی گئی تھی کہ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان میں ایک قیدی جو گھوڑے پر سوار تھا، سب سے زیادہ اہم تھا۔ وہ قرطبہ کا گورنر تھا جو مغیث الرومی کا خاص قیدی تھا۔

اس قافلے میں گھوڑا گاڑیاں بھی تھیں۔ ان میں کنیزیں اور لونڈیاں تھیں۔ ان کے پیچھے خچریں اور خچروں والی گاڑیاں تھیں۔ یہ سب مالِ غنیمت سے لدی ہوئی تھیں۔

قافلہ شہر سے ڈیڑھ میل کے فاصلے تک پہنچا تو راستے کے دونوں طرف شہریوں کا ہجوم کھڑا نظر آیا۔ شہریوں کے آگے مسلمانوں کے لشکر کے مجاہدین ہاتھوں میں برچھیاں لیے کھڑے تھے۔ ہر برچھی کی اَنی کے قریب سبز رنگ کی تکون جھنڈی بندھی ہوئی تھی۔ ہر مجاہد کی برچھی کا نیچے والا سرا زمین پر اور انی آگے کو تھی۔ دُور تک جھنڈیاں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ مجاہدین کا ایک جیسا سفید لباس تو اور ہی زیادہ خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ جہاں پیادوں کی دو رویہ قطاریں ختم ہو جاتی تھیں وہاں سے گھوڑ سواروں کی قطاریں شروع ہوتی تھیں۔

پیادوں اور سواروں کے پیچھے شہری کھڑے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو آگے کھڑا کیا گیا تھا۔ وہ سب بازو اوپر کر کے ہلا رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی زبان میں "امیرِ موسیٰ بن نصیر خوش آمدید" اور "موسیٰ بن نصیر زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کے پاس پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں تھیں۔ وہ موسیٰ کے راستے میں آگے بڑھ کر پھول بکھیر رہی تھیں۔

موسیٰ کے ہونٹوں پر کچھ اور ہی قسم کی مسکراہٹ تھی اور اُس کی گردن اکڑی ہوئی تھی۔ پروفیسر ڈوزی، ڈان پاسکل، ابن بشکوال اور ڈاکٹر کوندے نے چند اور تاریخ دانوں اور اُس وقت کی دستاویزات کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسلمان فاتحین اس قسم کے شاہانہ جاہ و جلال اور شان و شوکت کے قائل نہیں تھے نہ اسلام انہیں شاہانہ انداز اور طریقے اختیار کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ موسیٰ بن نصیر اس شاہانہ استقبال کو ناپسند کرتا اور پوچھتا کہ اس بدعت کا اہتمام

ں نے کیا ہے اور اسے سرزنش کرتا لیکن اُس نے اس شاہانہ استقبال کو پسند کیا۔ اُس کی بحراہٹ اور چہرے کا تاثر بتاتا تھا کہ وہ پھُولا نہیں سما رہا۔ البتہ طارق بن زیاد، مغیث الرومی دوسرے سالاروں کے چہروں پر ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔

شہر کے دروازے پر مُوسیٰ کا جو استقبال ہُوا اُس کی تو شان ہی نرالی تھی۔ شہر کی سرکردہ شخصیتیں سی بھی مسلمان بھی، ایک صف میں کھڑی تھیں۔ مُوسیٰ، طارق، مغیث اور دیگر سالار گھوڑوں ، اُترے۔ مسلمان زعمائے تو ان سے سیدھے کھڑے رہ کر مصافحہ کیا لیکن اُندلسی پہلے ع کی طرح جھکتے پھر مُوسیٰ کا ایک ہاتھ دونوں میں لیتے اور چومتے تھے۔ طارق بن زیاد اور نام سالاروں سے وہ اس طرح ملتے تھے جس طرح عام آدمیوں سے رسمی طور پر تا ہے۔

مختصر یہ کہ ایجیلونا نے مُوسیٰ بن نصیر کو اُندلس کے بادشاہوں جیسا بادشاہ بنا دیا۔

■

"عزیز!"۔۔۔ رات کو ایجیلونا نے اپنے خاوند عبدالعزیز سے کہا ۔۔۔ "میں حیران ہوں کہ تم خود پنے عظیم باپ کو عام سے آدمی کیوں سمجھتے ہو۔ تمہارے والد شہنشاہ ہیں اور تم شہزادے ہو۔ ارے والد کو شہنشاہ کا رتبہ دے رہی ہوں۔"

ایجیلونا کے متعلق تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ جواں سال عورت خوبصورت اور اس کا حسن غیر معمولی تھا لیکن اُس سے زیادہ حسین عورتیں بھی تھیں پھر ایجیلونا میں کیا جادو راڈرک جیسے پتھر دل بادشاہ کو اُس نے موم کر دیا تھا اور عبدالعزیز جیسے مردِ مومن اور دانشمند کو اُس نے اپنی مُٹھی میں بند کر لیا تھا۔ مؤرخوں کی رائے کے مطابق ایجیلونا کا جادو اس کی ں اور اس کے انداز و اطوار میں تھا۔ اُس کا یہی کمال مُوسیٰ جیسے معمر اور جہاندیدہ آدمی کو متاثر ے کے لیے کافی تھا کہ اُس نے اسے شہنشاہ بنا دیا تھا۔ ایجیلونا نے مُوسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز ر دیا کہ وہ اس کے خاندان کی عزت افزائی میں دلچسپی رکھتی ہے۔

قلوپطرہ جسے دنیا کی یا تاریخ کی حسین ترین عورت سمجھا جاتا ہے، دراصل اتنی حسین نہیں تھی۔ خادماؤں میں دو تین جوان لڑکیاں اُس سے کہیں زیادہ حسین اور دلکش تھیں لیکن قلوپطرہ میں جو وہ اور کسی عورت میں نہیں تھا۔ قلوپطرہ چالباز اور مکار عورت تھی۔ جولیس سیزر جیسا فاتح،

ر میدان جنگ کا دیوتا اُس کے آگے ڈھیر ہو گیا تھا اور پھر جولیس سیزر کا جانشین انیتھونی مصر ور ہُوا تو قلوپطرہ نے اُس کے مقابلے کے لیے اپنی فوج بھیجنے کی بجائے اُسے اپنے ت میں گرفتار کر لیا اور اُس کی عقل پر ایسا قبضہ کیا کہ اُس مردِ میدان نے خودکشی کر لی۔

یجیلونا میں بھی کچھ ایسا ہی جادو تھا۔

وسیٰ بن نصیر اشبیلیہ میں زیادہ دن نہیں ٹھہرا۔ اُس نے ایک کام یہ کیا کہ اپنے بیٹے یز کو اُندلس کا امیر مقرر کیا اور اسے تمام تر اختیارات دے دیئے۔

وہ دن ایجیلونا کی زندگی کا خوشگوار ترین دن تھا۔ ایسا خوش نصیب دن اُس کی زندگی میں اُس وقت بھی نہیں آیا تھا جب وہ اُندلس کے بادشاہ راڈرک کی بیوی تھی۔ وہ راڈرک کی منظورِ نظر تو بن گئی تھی اور راڈرک اُس کی ہر بات مان لیتا تھا لیکن وہ من مانی نہیں کرسکتی تھی۔ راڈرک نے ملکہ کا درجہ ایک اور بیوی کو دے رکھا تھا۔ اب وہ عبدالعزیز کی بیوی تھی اور من مانیاں کرسکتی تھی۔

٭

مُوسیٰ بن نصیر نے اشبیلیہ میں رکھا ہُوا وہ مالِ غنیمت اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار کرایا جو بیت المال کے حصے کا تھا۔ کچھ قیمتی تحفے خلیفہ کے لیے بھی تھے۔ اشبیلیہ میں بھی جنگی قیدی تھے۔ ان میں کاؤنٹ (نواب) اور امرا و زرا بھی تھے۔ انہیں اپنے ساتھ دمشق لے جانے کے لیے تیار کیا گیا۔

مُوسیٰ ایک روز اشبیلیہ سے جبل الطارق کو روانہ ہُوا۔ فاصلہ تین سو میل سے کچھ زیادہ تھا۔ راستے میں کئی چھوٹے بڑے قصبے اور تین چار شہر آتے تھے۔ مُوسیٰ کا قافلہ جس قصبے اور جس شہر کے قریب سے گزرتا تھا وہاں کے لوگ اشبیلیہ کے لوگوں کی طرح راستے کے دونوں طرف کھڑے بازو لہرا لہرا کر نعرے لگاتے اور خوشی کا اظہار کرتے اور راستے میں پھول پھینکتے تھے۔

مُوسیٰ کے جلوس کے اس استقبال کا اہتمام ایجیلونا نے کیا تھا۔ اُس نے مُوسیٰ کے راستے میں آنے والی آبادیوں کے حاکموں کو حکم بھیجا تھا کہ مُوسیٰ کے استقبال کے لیے شہر کے تمام لوگوں کو باہر نکالیں۔

مُورخوں نے مُوسیٰ کے جلوس کو جس طرح بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ مُوسیٰ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں اُندلس کی تمام تر شان و شوکت پیش کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا مقصد نمائش تھی کہ اُس نے ایک ملک ہی فتح نہیں کیا بلکہ وہاں کے زعماء کے دلوں پر بھی فتح حاصل کی ہے۔

مُوسیٰ اُندلس کی جن سرکردہ شخصیتوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا ان میں گوتھ قوم کے سردار وغیرہ تھے۔ اُندلس کے عیسائی سردار تھے۔ یہ سب باجگزار تھے۔ چند ایک اُندلسی جرنیل قیدیوں کی حیثیت سے ساتھ تھے اور کچھ سردار قومِ یہود کے بھی تھے۔

اس قافلے یا جلوس میں تیس ہزار جنگی قیدی تھے۔ گھوڑا گاڑیوں میں سینکڑوں لونڈیاں اور کنیزیں تھیں۔ ایک یورپی مؤرخ ایس پی سکاٹ نے لکھا ہے کہ لونڈیوں اور کنیزوں کی تعداد لاکھوں میں تھی جو بالکل غلط ہے۔ دیگر یورپی مؤرخوں نے تعداد سینکڑوں لکھی ہے۔ یہ وہ اُندلسی عورتیں تھیں جنہوں نے خود مسلمانوں کے ساتھ جانے کی خواہش کی تھی۔ یہ لونڈیاں تھیں۔ کنیزوں میں امراء، وزراء اور دیگر سرکردہ خاندانوں کی جوان لڑکیاں تھیں۔ انہیں بھی ان کی رضامندی سے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ مؤرخوں نے ان سب کے حسن و جمال کی بہت تعریف کی ہے۔

مالِ غنیمت اتنا زیادہ تھا کہ سینکڑوں خچروں پر لدا ہُوا تھا۔ اس میں تلواریں، برچھیاں، کمانیں زرہ بکتریں، جنگی کلہاڑے اور خنجر وغیرہ بھی تھے۔

تقریباً تمام مورخوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ شان و شوکت کسی شہنشاہ جیسی تھی جس سے لوگوں نے تو متاثر ہونا ہی تھا، خود موسیٰ بن نصیر پر یہ اثرات مرتب ہوئے کہ اُن کے انداز اور گفتار میں تکبّر اور غرور پیدا ہو گیا۔

بہت دنوں بعد یہ قافلہ جبل الطارق پہنچا جہاں بحری جہازوں اور کشتیوں کا بیڑہ منتظر کھڑا تھا۔ وہاں بھی لوگ موسیٰ کی سلامی کے لیے کھڑے تھے۔ اُندلس کے بے شمار نامی گرامی افراد جبل الطارق تک موسیٰ کو الوداع کہنے آتے تھے۔ موسیٰ کے آگے ان کے رکوع فرشی سلام اور خوشامدانہ کلمات موسیٰ کے دماغ میں رعونت پیدا کر رہے تھے۔ اسلام کا یہ بنیادی اصول ـــ "کوئی انسان دوسرے انسانوں سے برتر نہیں" ـــ بری طرح مجروح ہو رہا تھا۔

■

یہ بیڑہ افریقہ کے ساحل پر قیروان کے مقام پر جا رکا۔ قیروان مصر اور افریقہ کا دارالحکومت تھا۔ وہاں ایک دو روز قیام کر کے موسیٰ کا جلوس دمشق کو روانہ ہُوا۔ وہاں سے عرب کے معزز چند ایک بربر سردار اور کچھ مصری زعماء بھی اس جلوس میں شامل ہو گئے۔ "تاریخ اُندلس" میں مختلف مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مصر اور افریقہ کے سردار اور سالار موسیٰ کے اردگرد یوں گھیرا ڈالے ہوئے چلے جا رہے تھے جیسے اُسے حصار میں لے رکھا ہو۔ ان کے انداز غلامانہ تھے۔

سب سامان خچروں اور گھوڑا گاڑیوں کی بجائے اونٹوں پر لدا ہُوا تھا۔ خچریں جبل الطارق تک ساتھ آئی تھیں۔ ان سے سامان اتار کر جہازوں اور کشتیوں میں لاد دیا گیا تھا۔ قیروان سے یہ اونٹوں پر لدا ہوا جا رہا تھا۔ اونٹوں کو بھی رنگا رنگ اور چمکدار کپڑوں سے سجایا گیا تھا۔

کسی بھی مورخ نے نہیں لکھا کہ یہ قافلہ کتنی مدت بعد دمشق پہنچا۔ یہ کم و بیش تین مہینوں کی مسافت تھی۔ البتہ یہ بالکل واضح ہے کہ موسیٰ جمعہ کے روز اس وقت دمشق میں داخل ہُوا جب نمازِ جمعہ کی اذان میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔

طارق بن زیاد اور مغیث الرومی موسیٰ سے بہت پیچھے ہو گئے اور ان کے گھوڑے پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ دمشق کا شہر نظر آ رہا تھا۔ طارق اور مغیث کے چہروں پر ایسے تاثرات تھے جن میں ناراضگی کی جھلک نمایاں تھی۔ دمشق سے کچھ دور پیچھے موسیٰ نے ایک ایسا مظاہرہ کیا تھا جس کی طارق اور مغیث کو توقع نہیں تھی اور وہ حیران و پریشان تھے کہ موسیٰ جیسے معمر مردِ مومن کو کیا ہو گیا ہے۔

یہ واقعہ تاریخوں میں آیا ہے "خلافتِ اُندلس" میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔ آخری پڑاؤ۔ موسیٰ بن نصیر کا یہ قافلہ علی الصبح روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ اُسے جمعہ کی نماز سے پہلے

دمشق پہنچ جانا تھا۔ موسیٰ نے روانگی سے پہلے مغیث الرومی کو بلایا۔ طارق بن زیاد وہاں موجود تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مغیث الرومی نے غیر معمولی جنگی مہارت اور شجاعت کا مظاہرہ کر کے قرطبہ کو فتح کیا تھا۔ وہاں کے گورنر نے شہر فتح ہونے کے بعد بھی بہت مقابلہ کیا تھا۔ مغیث نے گورنر کو گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا تھا اور اب موسیٰ کی اجازت سے اس گورنر کو اپنے ذاتی قیدی کی حیثیت سے دمشق لے جا رہا تھا۔ وہ گورنر کو خلیفہ کے حوالے بطور تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ دمشق قریب آیا تو موسیٰ کا دماغ پھر گیا۔ اُس نے مغیث کو بلایا۔

"اپنے اس قیدی کو میرے حوالے کر دو مغیث!" — موسیٰ نے کہا — "یہ بڑا اہم قیدی ہے۔ یہ ایک صوبے کا گورنر تھا۔ اسے میں خود امیر المومنین کے حضور پیش کروں گا۔"

"یہ تو میرا قیدی ہے امیر محترم!" — مغیث نے کہا — "آپ مجھے اجازت دے چکے ہیں کہ اسے میں..."

"میں کہہ رہا ہوں یہ قیدی میرے حوالے کر دو" — موسیٰ نے شاہانہ رعب سے کہا۔

"لیکن میں امیر المومنین کو یہ تو ضرور بتاؤں گا کہ اس گورنر کو میں نے پکڑا تھا" — مغیث نے کہا — "اور میں یہ بھی بتاؤں گا کہ میں نے قرطبہ کو کس مشکل اور کتنی قلیل نفری سے فتح کیا تھا۔"

"میں تمہیں امیر المومنین کے سامنے نہیں جانے دوں گا" — موسیٰ نے کہا۔

"کیوں؟" — مغیث نے پوچھا — "کیا میں نے کسی بھی جگہ پیٹھ دکھائی تھی؟ آپ نے اٹھارہ ہزار نفری سے جو فتوحات حاصل کی ہیں، میں نے ایسی فتوحات ایک ہزار نفری سے حاصل کی ہیں۔ کیا آپ مجھے اتنا حق نہیں دے سکتے ہیں کہ میں امیر المومنین سے ملوں؟"

"نہیں دے سکتا" — موسیٰ نے کہا — "تمہیں احساس نہیں کہ میں نے تمہاری اتنی عزت افزائی کی ہے جس کے تم حقدار نہ تھے۔ تم یہودی تھے پھر تم گوتھ ہوئے پھر تم نے اسلام قبول کیا۔ تم دوسرے درجے کے سالار ہو لیکن میں نے تمہیں عربی سالاروں کا درجہ دیا۔"

"اسلام انسانوں کو درجوں میں تقسیم نہیں کرتا" — مغیث الرومی نے کہا — "یہی وجہ ہے کہ میں نے اسلام قبول کیا تھا۔ مجھے آپ جتنا ذلیل کر سکتے ہیں کریں میں مسلمان ہی رہوں گا اور مسلمان ہی مروں گا... اور امیر محترم! میں آپ کو اپنا قیدی نہیں دوں گا۔"

موسیٰ نے اپنے ایک محافظ کو بلایا اور اُسے کہا کہ قرطبہ کے عیسائی گورنر کو یہاں لے آئے۔ محافظ دوڑتا گیا اور مغیث الرومی کے قیدی کو لے آیا۔

"یہ ہے تمہارا قیدی؟" — موسیٰ نے مغیث سے پوچھا۔

"یہی ہے" — مغیث نے جواب دیا۔

موسیٰ قیدی گورنر کے پیچھے ہو گیا۔ اچانک موسیٰ نے تلوار نکالی اور قیدی پر ایسا زوردار وار کیا کہ اُس کی گردن صاف کٹ گئی۔ سر الگ جا پڑا اور دھڑ گر کر کچھ دیر تڑپا اور ساکت ہو گیا۔

مغیث الرومی اور طارق بن زیاد وہاں سے ہٹ آئے۔

قافلہ دمشق کو روانہ ہُوا مغیث الرومی اور طارق بن زیاد مُوسیٰ سے دُور پیچھے اکٹھے جا رہے تھے۔ دونوں کے دلوں پر بوجھ تھا جو اُن کے چہروں کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا۔

"اسلام نے اسی لیے شاہانہ جاہ و جلال کی ممانعت کی ہے کہ اُمرا اور حکام کے دماغ ٹھکانے رہیں"۔۔۔ طارق بن زیاد نے کہا۔۔۔ "دیکھ لو۔ اتنے معمر اور اتنے زیادہ دانشمند امیر کے دماغ کا کیا حال ہو گیا ہے"۔

"مجھے ایک اور شک ہے"۔۔۔ مغیث الرومی نے کہا۔۔۔ "عبدالعزیز کی عیسائی بیوی ایجیلونا نے اس بُڈھے کا دماغ خراب کرنے کے لیے ہی اس کے شاہانہ استقبال کا یہ انتظام کیا تھا"۔

مُوسیٰ نے اُندلس کا امیر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مقرر کیا تھا۔ قیروان میں آکر اُس نے افریقہ کا والی اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو مقرر کیا۔ مغربی حصے کا امیر اپنے تیسرے بیٹے عبدالملک کو اور باقی علاقوں کا امیر اپنے سب سے چھوٹے بیٹے مروان کو بنا دیا اور دمشق کو روانہ ہو گیا۔

"اِس بُوڑھے نے اُندلس اور افریقہ میں اپنی خاندانی بادشاہی قائم کر دی ہے"۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔ "اور اب یہ اپنے بیٹوں کی تقرریوں کی منظوری امیرالمومنین سے لے گا۔ کسی ایک بربر کو کہیں کا حاکم مقرر کر دیتا تو ہمارے دل خوش ہو جاتے"۔

"تمہاری میز پر بھی اس نے قبضہ کر لیا ہے"۔۔۔ مغیث الرومی نے کہا۔۔۔ "یہ امیرالمومنین کو بتائے گا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی میز ہے اور یہ اس نے بڑی مشکل سے حاصل کی ہے"۔

"اگر اس نے ایسا کیا تو اسے بہت شرمندہ ہونا پڑے گا"۔۔۔ طارق نے کہا۔۔۔ "میں نے ایک انتظام کر لیا ہے"۔

مُوسیٰ بن نصیر نے مغیث الرومی اور طارق بن زیاد کو اپنا دشمن نہیں بنا لیا تھا تو اپنا دوست بھی نہیں رہنے دیا تھا۔

■

دمشق میں پہلے ہی خبر پھیل گئی تھی کہ اُندلس کے فاتح آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ جنگی قیدی، کنیزیں اور مالِ غنیمت بھی ہے۔ دمشق کے لوگ ان کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے اور شہر سے کچھ دُور جا کر نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ شہر میں داخل ہُوئے تو عورتوں کا ایک ہجوم راستے میں، اپنے گھروں کے دروازوں میں اور چھتوں پر کھڑا داد و تحسین کے نعرے لگا رہا تھا۔ عورتیں بازو بلند کیے لہرا رہی تھیں۔

قافلہ ایک وسیع میدان میں رُکا اور اونٹوں کو بٹھا کر ان سے سامان اتارا جانے لگا۔ ایک گھوڑ سوار مُوسیٰ کے پاس آکر رُکا اور وہ گھوڑے سے اُترا۔ اُس نے مُوسیٰ کو الگ کر کے ایک پیغام دیا جو کوئی اور تو نہ سن سکا لیکن یہ پیغام آج تک تاریخ میں محفوظ ہے۔ پیغام خلیفہ ولید

بن عبدالملک کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے تھا جس کی حیثیت صرف یہ تھی کہ وہ خلیفہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ پیغام لانے والا کوئی معمولی حیثیت کا قاصد نہیں بلکہ سلیمان کا خاص آدمی تھا۔

"سلیمان بن عبدالملک نے آپ کے لیے پیغام دیا ہے"۔۔۔ اس سوار نے کہا۔۔۔ "انہوں نے کہا ہے کہ امیرالمومنین ایسی بیماری میں مبتلا ہیں کہ کسی بھی وقت اُن کا انتقال ہو سکتا ہے۔ آپ ان سے ملنے نہ جائیں نہ انہیں کوئی تحفہ یا مالِ غنیمت کا حصہ دیں۔ کچھ دن انتظار کریں۔ ان کے انتقال کے بعد امیرالمومنین سلیمان ہوں گے۔ پھر تحفے، کنیزیں اور مالِ غنیمت ان کو پیش کریں"۔

"کیا یہ حکم ہے؟ درخواست ہے یا مشورہ ہے؟"۔۔۔ موسیٰ نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ لیں"۔۔۔ پیغام بر نے جواب دیا۔۔۔ "میں نے آپ کو پیغام دے دیا ہے"۔

"سلیمان کو میرا سلام کہنا"۔۔۔ موسیٰ نے کہا۔۔۔ "میں یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا کہ سلیمان کے بھائی کی موت کا انتظار کروں۔ یہ اُسے کہنا۔ میں امیرالمومنین کے حکم پر آیا ہوں اور ان کے پاس ہی جاؤں گا۔ اگر خدانخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو ان کا جانشین ان کا بڑا بیٹا ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ سلیمان ہی ان کا جانشین ہو۔۔۔ لیکن اس وقت امیرالمومنین ولید ہیں۔ میں ان کے آگے جوابدہ ہوں۔ جو دینا ہے انہی کو دوں گا اور جو لینا ہے وہ انہی سے لوں گا۔ میں سب سے پہلے انہی سے ملوں گا"۔

"نہیں امیر!"۔۔۔ پیغام بر نے کہا۔۔۔ "آپ امیرالمومنین سے نہیں مل سکتے۔ سلیمان ان کا بھائی ہے۔ اُس نے سختی سے منع کیا ہے۔ امیرالمومنین بیمار ہیں اور طبیب نے سختی سے کہا ہے کہ ان کے پاس کوئی نہ آئے"۔

سلیمان کا پیغام لانے والا چلا گیا۔ موسیٰ بن نصیر کو بہت مایوسی ہوئی۔ وہ تو فوراً خلیفہ ولید کے پاس جانا چاہتا تھا۔

اللہ نے اُس کی مراد پوری کر دی۔ وہ اس طرح کہ کسی نے اُسے بتایا کہ طبیب کے منع کرنے کے باوجود خلیفہ ولید مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھنے جا رہا ہے۔ وہ نماز پڑھنے نہیں بلکہ نماز پڑھانے جا رہا تھا۔ اُسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ آخری بار امامت کی سعادت حاصل کرے۔ وہ مردِ حق تھا۔ ہر لحاظ سے مردِ مومن تھا۔ سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع اور فروغِ اسلام میں وہ بہت دلچسپی لیتا تھا۔ محمد بن قاسم کو سندھ پر حملے کی اجازت اُسی نے دی اور اُس کی پشت پناہی کی تھی۔ طارق بن زیاد کو اُسی نے اندلس پر چڑھائی کی اجازت دی تھی اور اُس کی ضروریات کا خیال رکھا تھا۔

٭٭٭

موسیٰ کو جونہی پتہ چلا کہ خلیفہ مسجد میں آ رہا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ خلیفہ کے لیے جو تحفے اور مالِ غنیمت الگ کیا گیا تھا وہ فوراً مسجد میں پہنچایا جائے۔ موسیٰ مسجد میں گیا۔ خلیفہ ولید

انتہائی نقاہت کے باوجود مسجد میں آگیا۔ مُوسیٰ اُسے ملا۔ طارق بن زیاد اور مغیث الرومی بھی خلیفہ سے ملے۔ خلیفہ پر جذبات کی شدت سے رقت طاری ہو گئی۔

نماز کے بعد مُوسیٰ نے خلیفہ ولید کو مسجد میں ہی تحفے اور مالِ غنیمت پیش کیا۔ اس قدر بیش قیمت اشیاء دیکھ کر خلیفہ کی آنکھیں حیرت سے باہر آنے لگیں۔ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ خالص سونے کی اشیاء کبھی دیکھی نہ سنی تھیں۔

خلیفہ کا بھائی سلیمان بھی وہیں تھا۔ اُس کے چہرے پر قہر و غضب کا تاثر تھا اور وہ مُوسیٰ کو یوں دیکھتا تھا جیسے اُس کا بس چلے تو مُوسیٰ کو زندہ درگور کر دے۔ اس خزانے سے اپنا گھر بھرنے کے لیے ہی تو اُس نے مُوسیٰ کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ کچھ دن ٹھہر جائے۔ اُسے توقع تھی کہ ولید کی موت چند دن ہی دُور رہ گئی ہے۔

اب مُوسیٰ نے ایسی حرکت کی جس کی توقع مُوسیٰ کے کردار کے آدمی سے نہیں کی جاسکتی تھی۔ اُندلس کی تاریخ کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو تمام مستند مؤرخوں نے لکھا ہے۔ مُوسیٰ نے دوسری اشیاء پیش کر کے آخر میں سونے کی وہ میز پیش کی جو طارق بن زیاد کو طلیطلہ کی فتح کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ یہ میز طارق کے لشکر کے مجاہدین نے ایک گھوڑا گاڑی کو روک کر راہبوں سے لی تھی جو اس گاڑی میں سوار تھے اور طلیطلہ سے بھاگ رہے تھے۔ یہ میز حضرت سلیمان علیہ السّلام کی بتائی گئی تھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مُوسیٰ جب طلیطلہ گیا تو اُس نے یہ میز طارق سے حکماً لے کر اپنے پاس رکھ لی۔ اُس وقت اس میز کے تین پائے تھے۔ جب یہ میز طارق کو ملی تھی اُس وقت اس کے پائے پورے چار تھے۔ مُوسیٰ کو بتایا گیا تھا کہ یہ میز پُر اسرار ہے۔ راہبوں نے اس کے متعلق خبردار کیا ہے کہ یہ میز صرف عبادت گاہ میں رکھی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اسے اپنی ذاتی ملکیّت میں رکھے گا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

مُوسیٰ اس میز سے وابستہ یہ روایت سُن کر ہنس پڑا تھا۔ اُس نے میز کو اپنی ملکیّت میں رکھ لیا تھا اور اُس کا چوتھا پایا سونے کا بنوا کر اس میں لگا دیا تھا جو بالکل الگ تھلگ لگتا تھا۔ اس کے باقی پائے سونے کے ہی تھے لیکن ان میں بڑے ہی قیمتی ہیرے اور نایاب پتھر جڑے ہوئے تھے۔

"امیر المومنین!" ۔۔۔۔ مُوسیٰ نے کہا ۔۔۔ "میں نے یہ میز طلیطلہ کے راہبوں سے بڑی مشکل سے برآمد کروائی ہے اور یہ میں آپ کے لیے خاص طور پر لایا ہُوں۔ دیکھئے، اس میں جو نگینے، ہیرے اور پتھر جڑے ہوئے ہیں یہ آج کل کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ میز حضرت سلیمان علیہ السّلام کی ملکیّت تھی اور نہ جانے کس طرح اُندلس میں پہنچی۔"

خلیفہ ولید میز کو ہر طرف سے دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے پر ایسا عجیب و غریب تاثر آگیا تھا جس میں مسرّت تو تھی لیکن حیرت زیادہ تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی مناسبت کی وجہ سے ولید میز کو مقدس بھی سمجھ رہا تھا۔

"ابنِ نصیر!— خلیفہ ولید نے بیساختہ کہا— "میرے لیے تم جو تحفے لائے ہو ان کی قیمت کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا لیکن اس میز کی کیا بات کروں۔ مُنہ سے مانگو، کیا انعام دوں!"

"امیر المومنین!— طارق بن زیاد جو پاس کھڑا مُوسیٰ کی باتیں سن رہا تھا اور پیچ و تاب کھا رہا تھا، بول پڑا— "انعام کا حقدار میں ہوں کیونکہ یہ میز امیر مُوسیٰ نے کہیں سے نہیں لی بلکہ یہ میرے مجاہدین کا کمال تھا کہ وہ یہ میز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ امیر مُوسیٰ نے یہ میز مجھ سے حکماً لے لی تھی۔"

خلیفہ ولید کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آہستہ آہستہ اس رنگ میں غصے کی جھلک نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ کو طارق بن زیاد پر اس لیے غصہ آیا تھا کہ اُس نے اپنے امیر پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا تھا۔ مُوسیٰ جیسے معمر امیر پر دروغ گوئی کا الزام کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"ابنِ زیاد!— خلیفہ نے قہر بھری آواز میں طارق بن زیاد سے کہا— "کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم نے کس شخصیت پر کتنا گھٹیا الزام عائد کیا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس جرم کی سزا کیا ہے.... کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ یہ میز امیر مُوسیٰ نے نہیں بلکہ تم نے کہیں سے برآمد کی تھی؟"

"ہاں امیر المومنین!— طارق نے جواب دیا— "ایک نہیں میں کئی ثبوت پیش کر سکتا ہوں.... میں اپنے اُن آدمیوں کو یہاں بلاؤں گا جنہوں نے یہ میز ایک گھوڑا گاڑی سے برآمد کی تھی اور پھر میں اُندلس سے ان راہبوں کو بلاؤں گا جو یہ میز گھوڑا گاڑی میں چُھپا کر طلیطلہ سے لے جا رہے تھے۔"

"ہم تمہیں اتنا وقت نہیں دے سکتے"— خلیفہ ولید نے کہا— "میری زندگی کا کچھ پتہ نہیں کتنے دن اور جیوں گا۔ اُن آدمیوں کے آنے میں نہ جانے کتنے مہینے لگ جائیں۔ تمہارے کارناموں اور فتوحات کو دیکھتے ہوئے ہم تم سے یہ رعایت کر سکتے ہیں کہ اپنے امیر سے معافی مانگو اور اپنے گھر چلے جاؤ۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس بیہودہ جرم کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں یہیں ایک ثبوت پیش کر سکتا ہوں امیر المومنین!— طارق بن زیاد نے کہا— "اس میز کے چاروں پائے دیکھیں۔ تین پائے ایک جیسے ہیں اور چوتھا پایہ سونے کا ہے اور بالکل سادہ"— خلیفہ ولید نے میز کے پائے دیکھے۔ تب اسے نظر آیا کہ تین پایوں میں تو بڑے قیمتی اور نایاب نگینے، ہیرے اور پتھر جڑے ہوئے ہیں اور چوتھا پایہ بالکل سادہ ہے۔

"اس کا چوتھا اور اصل پایہ میرے پاس ہے"— طارق نے کہا— "جب امیر مُوسیٰ طلیطلہ میرے پاس آئے تو انہوں نے سب سے پہلے مجھے میرے لشکر کے سامنے کوڑے مارے اور پھر مجھے قید خانے میں ڈال دیا"— طارق نے خلیفہ ولید کو تفصیل سے بتایا کہ امیر مُوسیٰ نے اُسے پیش قدمی روک لینے کا حکم بھیجا تھا جو اُس نے اس لیے نہ مانا کہ وہ پیشقدمی

روک لیتا تو دشمن جو بکھر کر پسپا ہو رہا تھا منظم ہو کر اُسے پسپا کر دیتا۔ یہ ساری تفصیل
طارق نے کہا ــــ "مجھے امیر موسیٰ کی نیت پر شک ہوا۔ میں نے ان کے ساتھ اس میز کا ذ
تو انہوں نے بڑے غصے سے حکم دیا کہ میں یہ میز ان کے حوالے کر دوں۔ انہوں نے
کر دیا تھا۔ میں یہ میز لینے کے لیے گیا تو ایک شک کی بنا پر اس کا ایک پایہ الگ کر کے
اور امیر موسیٰ سے کہا کہ یہ میز بڑی ہی پُراسرار ہے۔ پہلے اس کے پائے چار تھے، ا
ایک پایہ غائب ہو گیا ہے۔ میرے دل میں اُس وقت جو شک پیدا ہوا تھا وہ آج آپ
سامنے صحیح ثابت ہو گیا ہے۔ میں اس میز کا اصل پایہ ابھی پیش کر دوں گا۔ یہ چوتھا پایہ ام
نے طلیطلہ میں سونے کا بنوا کر اس میں لگایا تھا۔"

خلیفہ ولید کے کہنے پر طارق باہر نکلا۔ فوراً ہی واپس آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں میز کا
پایا تھا۔ اُس نے میز سے وہ پایہ اتار لیا جو موسیٰ نے بنوا کر لگایا تھا اور میز کا اصل اور قدیم
اُس جگہ لگا دیا۔

"امیر المومنین!" ــــ مغیث الرومی جو وہاں موجود تھا، بول پڑا ــــ "مزید شہادت پیش
کے لیے زیادہ وقت نہیں چاہیئے۔ میں گواہ ہوں کہ یہ میز طارق کے قبضے میں تھی اور ام
نے یہ طارق سے حکماً چھینی تھی۔ ہمارے ساتھ دو عہدیدار آئے ہیں۔ وہ بھی اس کے گواہ

"ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ اس میز کا مالک طارق بن زیاد ہے" ــــ خلیفہ ولید نے کہ
"موسیٰ بن نصیر کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس میز کے چار پائے تھے۔"

"امیر المومنین!" ــــ مغیث الرومی نے کہا ــــ "میں امیر موسیٰ کے خلاف کچھ اور بھی کہنا
ہوں جس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ یہ اجازت اسلام نے پہلے ہی
رکھی ہے کہ خلیفہ بھی کوئی غلطی کرے تو قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا فرد بھی اُسے
سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔"

"تم کہو مغیث!" ــــ خلیفہ ولید نے کہا ــــ "جو کہنا ہے کہو۔"

"امیر المومنین!" ــــ مغیث الرومی نے کہا ــــ "میں نے صرف سات سو سواروں
قرطبہ کا شہر طوفانِ باد و باراں میں رات کے وقت فتح کیا تھا وہ میں آپ کو سناؤں گا اور ک
نے اردگرد کے علاقے کے دو اور قصبے انہی تھوڑے سے سواروں سے فتح کیے۔
وہ بھی سناؤں گا۔ اس کا انعام مجھے اللہ دے گا اور میں نے یہ جہاد اللہ کی خوشنودی کے
کیا ہے لیکن امیر موسیٰ نے مجھے یہ الفاظ کہے کہ تم پہلے یہودی تھے پھر گوتھ قوم کے ف
اور پھر اسلام قبول کیا اس لیے تم عربی سالاروں کی برابری نہیں کر سکتے۔ میں نے آپ کے حضو
کرنے کے لیے قرطبہ کے گورنر کو اپنی ذاتی قید میں رکھا تھا لیکن سفر کے آخری پڑاؤ میں امیر
نے مجھے حکم دیا کہ میں یہ قیدی ان کے حوالے کر دوں اور یہ ظاہر کر دوں کہ یہ میرا نہیں بلکہ ا
قیدی ہے۔ انہوں نے میرے انکار پر اس قیدی کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔"

"خدا کی قسم!" ــــ اچانک خلیفہ ولید کا چھوٹا بھائی سلیمان چلا کر بولا ــــ "امیر موسیٰ کا یہ

قابلِ معافی نہیں۔ انہوں نے طارق کی میز اور مغیث کے قیدی کو اپنے کھاتے میں ظاہر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے اُندلس میں جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے نہیں بلکہ امیرالمومنین کو خوش کرنے کے لیے حاصل کی ہیں۔"

"اور ان کا یہ جرم کیا کم ہے" ——— مغیث الرومی نے کہا ——— "کہ انہوں نے اُندلس کا امیر اپنے بیٹے کو مقرر کیا اور افریقہ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کی امارت اپنے تین بیٹوں کے سپرد کر دی .... کیا اُندلس اور افریقہ میں کسی بربر سالار کا کوئی حصہ اور کوئی حق نہیں ؟ اُندلس کے بادشاہ اور اُس کی ہیبت ناک جنگی طاقت کو بربروں نے شکست دی تھی۔ امیر مُوسیٰ کے راستے میں تو کوئی رکاوٹ رہ ہی نہیں گئی تھی۔"

"مجھ میں مزید کچھ سننے کی تاب نہیں رہی" ——— خلیفہ ولید نے کہا ——— "ایک طرف تمہاری وہ فتوحات ہیں جنہیں زمانہ یاد رکھے گا۔ آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی اور تمہاری قبروں پر پھول چڑھائیں گی مگر دوسری طرف تمہارے دلوں اور تمہاری نیّتوں کا یہ فتور کہ تم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں اُلجھے ہوتے ہو۔ میں حیران ہُوں کہ مُوسیٰ بن نصیر جیسا معمر، جہاندیدہ اور دانش مند امیر اس پستی تک جا سکتا ہے تو ملّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا مستقبل کیا ہوگا ؟"

خلیفہ ولید بڑے اونچے کردار کا انسان تھا اور وہ اللہ سے ڈرنے والا اور ہر کام اللہ کی رضا کے مطابق کرنے والا خلیفہ تھا۔ ان دنوں وہ خاصا بیمار تھا۔ طبیب نے اُسے بستر سے اُٹھنے سے منع کر رکھا تھا لیکن اس اطلاع پر کہ اُندلس کے فاتحین آ رہے ہیں، نہ صرف اُٹھ کھڑا ہُوا بلکہ اُس نے نمازِ جمعہ مسجد میں پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے امامت کے فرائض ادا کیے۔ وہ ہشاش بشاش رہا لیکن مُوسیٰ بن نصیر کی ان اوچھی حرکتوں اور طارق اور مغیث کی کھری باتوں سے ایسا دلبرداشتہ ہُوا کہ بولتے بولتے اُس پر اس بیماری کا شدید حملہ ہُوا۔

"ان سب کو پچاس پچاس ہزار دینار انعام دے دو" ——— خلیفہ ولید نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ کہے ——— "میں انہیں خالی ہاتھ نہیں جانے دوں گا.... سب چلے جاؤ۔"

ولید کی حالت بگڑنے لگی اور اُسے اٹھا کر بستر پر ڈال دیا گیا۔ طبیب کو بلایا گیا۔ طبیب نے آ کر دیکھا تو بڑے غصے میں سب سے کہا کہ تم لوگوں نے امیرالمومنین کو مار ڈالا ہے۔

تمام مستند تاریخوں میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد لکھا گیا ہے کہ خلیفہ ولید نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی میز مکّہ بھجوا دی تھی۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے میز مکّہ بھجوانے سے پہلے اس میں سے ہیرے اور پتھر وغیرہ نکال لیے گئے تھے۔ اس کے بعد یہ میز تاریخ کی تاریکیوں میں گم ہو جاتی ہے۔

*

اس کے بعد خلیفہ ولید سنبھل نہ سکا اور چند دنوں بعد فوت ہو گیا۔ اس دوران مغیث الرومی نے امیر مُوسیٰ کے خلاف خلیفہ کے چھوٹے بھائی سلیمان سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ طارق بن زیاد بھی امیر مُوسیٰ کے سلوک سے نالاں تھا۔ یہ دونوں سالار سلیمان کو یہ باتیں نہ بتاتے تو بھی سلیمان مُوسیٰ

کا دشمن ہو چکا تھا۔ خلیفہ ولید نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی کہ وہ تحریری حکمنامہ جاری کر سکتا۔ اس سے سلیمان نے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ خود خلیفہ بن گیا اور اس کا خطبے میں نام شامل ہو گیا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ مُوسیٰ بن نصیر کو اپنے دربار میں طلب کیا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مُوسیٰ سے سلیمان نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مُوسیٰ اُندلس سے تحفے اور مالِ غنیمت کا حصہ ولید کو پیش نہ کرے لیکن مُوسیٰ نے اس کی یہ خواہش پوری نہ کی۔ ایک تو سلیمان کے دل میں مُوسیٰ کے خلاف یہ ناراضگی تھی کہ اُس نے اُس کی بات نہیں مانی تھی اور یہ ناراضگی اُس وقت دشمنی کی صورت اختیار کر گئی جب سلیمان نے وہ تحفے اور مالِ غنیمت دیکھا جو مُوسیٰ نے ولید کو پیش کیا تھا۔ یہ تو نایاب اور بے تحاشہ قیمتی خزانہ تھا۔ سلیمان نے مُوسیٰ کو جب اپنے دربار میں طلب کیا تو دربار میں سلیمان کے حاشیہ بردار اور اپنے حلقے کے چاپلوس قسم کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

"مُوسیٰ بن نصیرؒ!" ——— سلیمان نے کہا ——— "آج سے تم کسی بھی ملک کے امیر نہیں ہو۔ تم بددیانت، جھوٹے اور خائن ہو" ——— سلیمان نے بھرے دربار میں میز کا واقعہ سنایا اور پھر مغیث الرومی نے جو الزام مُوسیٰ پر عائد کیے، وہ سنائے اور کچھ الزام اپنی طرف سے عائد کر کے حکم دیا ——— "اسے قید خانے میں ڈال دو۔"

تقریباً تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخ لکھتے ہیں کہ کردار کے لحاظ سے سلیمان اپنے بڑے بھائی ولید سے بالکل اُلٹ تھا۔ ولید کو اگر دن کی روشنی سے تشبیہہ دی جائے تو سلیمان سیاہ کالی رات کی مانند تھا۔ وہ پہلا خلیفہ تھا جس نے آمریت کی بنیاد رکھی تھی۔ شرعی قانون کے مطابق ہوتا تو یہ چاہئے تھا کہ مُوسیٰ کو قاضی کی عدالت میں پیش کیا جاتا اور سزا یا معافی قاضی دیتا لیکن سلیمان نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مُوسیٰ کو قید میں ڈال دیا۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ قید خانے میں یہ حکم بھیجا کہ اس قیدی کو اتنی اذیتیں دی جائیں کہ یہ زندہ رہنے کے قابل بھی نہ رہے اور اسے زندہ بھی رکھا جائے۔

یہ ایک ظالمانہ حکم تھا جس کی اسلام میں نہ صرف یہ کہ کوئی گنجائش نہیں تھی بلکہ شرعی لحاظ سے یہ جرم تھا۔ مُوسیٰ کی عمر اسّی برس کے قریب ہو چلی تھی۔ وہ ذرا سی بھی سختی برداشت کرنے کے قابل نہیں تھا لیکن اسے چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور کبھی ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ مُوسیٰ کی جلد پھٹنے لگی اور جگہ جگہ چھالے اُٹھ آئے۔ سلیمان نے وہ تمام رقوم جو ولید مرحوم نے مُوسیٰ کو انعام دی تھیں اور ذاتی جائیداد بھی ضبط کر لی جس کے نتیجے میں مُوسیٰ کا خاندان فاقہ کشی تک پہنچ گیا اور خاندان کے افراد محنت مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی کھانے لگے۔

سلیمان کا جذبۂ انتقام پھر بھی سرد نہ ہُوا۔ سال ڈیڑھ سال بعد جب مُوسیٰ پہچانا بھی نہیں جاتا تھا، سلیمان حج کو گیا اور مُوسیٰ کو بیڑیاں پہنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ مکہ معظمہ میں اُسے علی الصبح

خانہ کعبہ کے باہر بٹھا دیا جاتا کہ وہ بھیک مانگے۔ دن بھر مُوسیٰ، جو اس ظالمانہ سلوک سے اور مسلسل ایذا رسانی کے اثر سے اپنی حیثیت اور شخصیت کو بھول ہی چکا تھا، حاجیوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا اور شام کو سلیمان کے آدمی اُسے وہاں سے لے جاتے اور اُس سے دن بھر کی بھیک کی کمائی لے لیتے۔ سلیمان نے اُس پر جرمانہ عائد کر رکھا تھا۔ یہ رقم اُس جرمانے کے حساب میں لکھی جاتی تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ وہ بھیک مانگ کر جرمانہ ادا کرتا رہے اور جب پوری رقم ادا ہو جائے گی تو اُسے رہا کر دیا جائے گا۔

یہ ہے ایک فاتح اُندلس کا انجام جس سے ہم نے اس داستان کا آغاز کیا۔ مُوسیٰ کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک ہُوا وہ ہم نے اس داستان کے پہلے باب میں تفصیل سے بیان کیا تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کیا مُوسیٰ بن نصیر کو اتنی زیادہ سزا ملنی چاہیئے تھی؟..... اس میں کوئی شک نہیں کہ مُوسیٰ کی یہ حرکت بڑی گھٹیا تھی کہ امیر المومنین کی خوشنودی کی خاطر اُس نے طارق بن زیاد سے حضرت سلیمانؑ کی میز چھین لی اور خلیفہ کو اس طرح پیش کی جیسے یہ خود اُس نے راہبوں سے حاصل کی تھی۔ پھر اُس نے قرطبہ کے گورنر کو قتل کر کے مغیث الرومی کا دل دُکھایا اور اُسے اپنا دشمن بنایا تھا لیکن مُوسیٰ کی شجاعت، عسکری دانشمندی اور فتوحات اتنی زیادہ تھیں کہ اس کا یہ جرم معاف کیا جا سکتا تھا۔ مُوسیٰ کی ساری عمر جنگ وجدل میں گزری تھی۔ بیشک اُس نے بربروں کو عربوں کے مقابلے میں حقیر جانا تھا لیکن یہ بھی اُس کا کمال تھا کہ اُس نے بربروں جیسی پسماندہ اور وحشی قوم کو جو قبیلوں میں بٹی ہُوئی تھی، ایک جھنڈے تلے متحد اور منظم کر لیا تھا۔ بربروں نے کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ یہ مُوسیٰ ہی تھا جس نے بربروں کو دمشق کی خلافت کا مطیع بنا دیا تھا اور طارق بن زیاد اُسی کا تیار کیا ہُوا سپہ سالار تھا جس نے اُندلس کی جنگی طاقت کو انتہائی قلیل نفری سے ریزہ ریزہ کر دیا اور اسلام کے پرچم کو اُندلس کی سرحد سے بھی آگے لے جا کر فرانس کی زمین تک پہنچا دیا تھا۔

مُوسیٰ بن نصیر کا اصل کردار ایک ہی واقعے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہُوا یوں کہ ایک روز خلیفہ سلیمان نے حکم دے دیا کہ مُوسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔ ایک سرکردہ آدمی امیر ابن المہلب وہاں موجود تھا جو مُوسیٰ کا بہی خواہ تھا اور سلیمان پر اُس کا اثر و رسوخ چلتا تھا۔ اُس نے سلیمان سے کہا کہ وہ مُوسیٰ کو معاف کر دے۔ سلیمان نے ابن المہلب کی اتنی سی بات مانی کہ مُوسیٰ کو قتل نہ کیا اور اُسے معاف نہ کیا۔ ابن المہلب غصے کی حالت میں قید خانے میں گیا۔ اُس نے دیکھا کہ مُوسیٰ بن نصیر دھوپ میں کھڑا ہے اور اُس کا سر ڈول رہا ہے۔ پھر وہ گر پڑا۔

"اِسے کوٹھڑی میں لے چلو"۔۔۔ امیر ابن المہلب نے حکم دیا۔۔۔ "اور اسے پانی پلاؤ"۔

مُوسیٰ کو اُٹھا کر کوٹھڑی میں لے گئے۔ اُس کے منہ میں پانی ڈالا گیا اور اُس کے سر اور چہرے پر پانی پھینکا گیا تو وہ ہوش میں آگیا۔

"مجھے پہچانتے ہو ابنِ نصیر!"۔۔۔ ابن المہلب نے پوچھا۔

"ہاں!" ـــــ موسیٰ نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولتے ہوئے جواب دیا ـــــ "تو میرا دوست ابن المہلب ہے ... کیا تو مجھے رہا کرانے آیا ہے یا یہ دیکھنے کہ میں کب مروں گا؟"

"تم نے آج مرجانا تھا ابن نصیر!" ـــــ ابن المہلب نے کہا ـــــ "سلیمان نے تمہارے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ میں نے تمہاری جان بچالی ہے مگر تمہارے اس اوچھے دشمن نے تمہیں معاف نہیں کیا ... تم میں عقل کی کمی تو نہیں تھی ابن نصیر! میں حیران ہوں کہ تم نے یہ بیوقوفی کیوں کی کہ خلیفہ کے بلاوے پر یہاں آ گئے۔ تمہاری لیاقت اور شجاعت کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا تم اپنی مثال آپ ہو۔ تمہیں معلوم تھا کہ خلیفہ ولید بیمار ہے اور اتنا عمر ہو چکا ہے کہ اب اس بیماری سے جانبر نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان خلافت کی مسند پر بیٹھے گا اور یہ تمہارا دشمن ہے۔ اسے تمہارے خلاف ایک بہانے کی ضرورت تھی جو اسے مل گیا۔"

"میں نہ آتا تو ولید ناراض ہوتا" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "اس کا حکم کچھ سخت تھا۔"

"تم نہ آتے" ـــــ ابن المہلب نے کہا ـــــ "ابن نصیر! تم نہ آتے۔ تم نے ایک ملک فتح کر لیا تھا۔ طارق بن زیاد، مغیث الرومی اور دوسرے تمام سالار تمہیں امیر نہیں اپنا باپ سمجھتے تھے، پھر تمہارے پاس ایک جری اور فاتح لشکر تھا۔ خزانے میں کوئی کمی نہیں تھی۔ بربر تمہارے ساتھ تھے۔ ملک ایسا زرخیز کہ خوراک کی کمی نہیں تھی۔ پھر تم دمشق کے جہنم میں کیوں آ گئے؟ اندلس کے خود مختار حکمران بن جاتے۔ کوئی خلیفہ دمشق سے تمہارے خلاف فوج نہیں بھیج سکتا تھا۔ درمیان میں سمندر حائل تھا۔"

"میں گناہگار ہوں ابن المہلب!" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "لیکن میں امیر المومنین کی حکم عدولی کا گناہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے طارق بن زیاد کو کوڑے مارے تھے کہ اس نے میری حکم عدولی کی تھی۔ اگر ہمارے مفتوحہ ممالک کے امیر اپنی اپنی جگہ خود مختار ہو جائیں تو سلطنت اسلامیہ کے پرخچے اُڑ جائیں اور اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شیرازہ بکھر جائے اور اسلام مکہ مکرمہ میں قید ہو کر رہ جائے۔"

"آفرین ابن نصیر!" ـــــ ابن المہلب نے کہا ـــــ "میرا مطلب یہ نہ تھا کہ تم وہی کرتے جو میں نے کہا ہے۔ میں تمہاری نیت دیکھنا چاہتا تھا۔ اب میں کوشش کروں گا کہ خلیفہ سلیمان کے ساتھ تمہاری صلح ہو جائے۔"

موسیٰ بن نصیر نے جو الفاظ کہے وہ آج تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔

"ابن المہلب!" ـــــ موسیٰ نے کہا ـــــ "پانی کے جانوروں کی نگاہیں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ دریا اور سمندر کی تہہ تک کا ذرّہ ذرّہ دیکھ لیتی ہیں لیکن انہیں وہ جال نظر نہیں آتا جو انہیں پھانسنے کے لیے پھینکا جاتا ہے ... میں دور اندیش تھا لیکن سلیمان کے جال میں آ گیا۔"

مورخ لکھتے ہیں کہ ابن المہلب نے موسیٰ بن نصیر کی فتوحات وغیرہ کے حوالے سے سلیمان سے اس کی رہائی کا حکم نامہ لینے کی بہت کوشش کی لیکن سلیمان ایسا پتھر دل ثابت ہوا کہ اس

نے مُوسیٰ کو معاف نہ کیا۔
اس دوران مغیث الرومی قتل ہو گیا۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ اُسے کس نے قتل کیا ہے اور کیوں کیا ہے۔ ایک خیال یہ کیا جاتا ہے کہ اُسے مُوسیٰ کے کسی بھی خواہ یا عزیز نے انتقاماً قتل کیا تھا کہ اُس نے مُوسیٰ کے خلاف زہر اُگل کر اُسے اس حال تک پہنچایا ہے لیکن قابلِ قبول رائے یہ ہے کہ مغیث کا قاتل بھی سلیمان ہی تھا۔
سلیمان نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اسلام کی تمام نامور شخصیتوں کو قتل کروا دیا تھا۔
ہندوستان میں اسلام پھیلانے والے فاتح سندھ محمد بن قاسم کو سلیمان نے دمشق کے اسی قید خانے میں بند کر کے پہلے اُسے اذیتیں دیں پھر قتل کروا دیا تھا۔
فاتح سمرقند قتیبہ بن مسلم کو سلیمان نے دمشق کے قید خانے میں قتل کروایا تھا۔
یزید ابنِ ابی مسلم جو حجاج کا معتمد خاص اور عراق کا والی تھا، سلیمان کے حکم سے دمشق کے قید خانے میں قید ہُوا لیکن خوش قسمت تھا کہ قتل نہ ہُوا، قید میں پانچ سال پڑا رہا۔ سلیمان مر گیا تو اُسے رہائی ملی اور افریقہ کا امیر مقرر ہُوا۔
سلیمان کا دوست تھا تو ابن المہلب تھا۔ اُس کا پورا نام یزید ابن المہلب تھا۔ دولت اُڑانے اور عیش و عشرت کرنے کا عادی تھا۔ وہ بیت المال کے ساٹھ لاکھ درہم ہضم کر گیا تھا۔ حجاج نے اسے رقم کی واپسی کا حکم دیا جو وہ واپس نہ کر سکا۔ حجاج نے اُسے قید خانے میں ڈال دیا جہاں سے وہ فرار ہو گیا اور اُس وقت واپس آیا جب حجاج فوت ہو چکا تھا، خلیفہ ولید کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور اب سلیمان خلیفہ تھا۔ سلیمان نے اسے پھر پہلے والا رتبہ دے دیا اور کہا ——"مہلب کی اولاد کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا"—— سلیمان کے یہ الفاظ تاریخ کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیمان جس قسم کا خود بدطینت، بددیانت اور بدکردار تھا ایسے ہی کردار کے لوگوں کو وہ رتبے اور عہدے دے کر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔
طارق بن زیاد اس حد تک خوش قسمت تھا کہ سلیمان کے ہاتھوں قتل نہ ہُوا۔ شاید اس لیے کہ طارق بربر تھا اور سلیمان کے ساتھ اُس کی کوئی خاندانی دشمنی نہیں تھی نہ اُس کی سلیمان کے ساتھ اقتدار کی یا کسی اور قسم کی سیاست چل رہی تھی جیسی حجاج بن یوسف کے ساتھ چلتی تھی۔ ولید مرحوم نے مُوسیٰ اور طارق بن زیاد کو انعام و اکرام سے نوازا تھا اور دونوں کو ایک ایک مکان بھی دیا تھا۔ سلیمان نے مُوسیٰ کو انعام کی رقم اور مکان سے محروم کر دیا تھا لیکن طارق کو مزید نقد انعام دیا اور اُسے کہا کہ وہ باقی زندگی گھر میں گزارے۔
کسی بھی تاریخ میں تفصیل سے نہیں لکھا کہ طارق بن زیاد نے باقی عمر دمشق میں گزاری یا اپنے وطن شمالی افریقہ چلا گیا تھا۔ تاریخ اتنا ہی بتاتی ہے کہ سلیمان نے طارق کو کسی بھی جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس طرح فاتح اُندلس جس نے اُندلس کے ساحل پر جا کر جہازوں کو آگ لگا دی تھی کہ واپسی کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے، گمنامی کی تاریکی میں لاپتہ ہو گیا لیکن ——"کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں"—— جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فتح

کی بشارت دی تھی، اُس کا نام گمنامی سے ایسا ابھرا کہ آج دنیائے اسلام کے بچے بھی طارق بن زیاد کا نام لیتے ہیں اور کوئی غیر مسلم بھی اُندلس کا ذکر کرتا ہے تو طارق بن زیاد کو نہ صرف یاد کرتا ہے بلکہ اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔

موسیٰ بن نصیر قید خانے میں گل سڑ رہا تھا۔ ادھر اُس کا بیٹا عبدالعزیز امیر اُندلس اُس ملک کے لوگوں کی کایا پلٹ رہا تھا۔ عبدالعزیز زاہد و پارسا تھا۔ اسلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدا تھا۔ اُس نے مدبرانہ طرزِ حکومت اور اسلامی اصول کی پابندی سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں اتحاد پیدا کر کے دونوں کو ایک قوم بنا دیا۔

اُندلس میں بیگار اور غلامی کا رواج تھا۔ وہاں کے عیسائی اور یہودی امرا، روسا اور جاگیردار غریب کسانوں اور مزدوروں کو روٹی کپڑے کے عوض غلاموں کی طرح استعمال کرتے تھے اور غریبوں کو اپنی زمین خریدنے اور اپنا مکان بنانے کا حق نہیں تھا۔ عبدالعزیز نے اس ظالمانہ سلسلے پر پابندی عائد کرنے کی بجائے یہ حکم جاری کیا کہ جو مزدور پیشہ شخص اسلام قبول کرے گا وہ بیگار اور غلامی سے آزاد ہو گا اور اُسے زمین اور مکان کے مالکانہ حقوق ملیں گے۔ اس حکم یا قانون کے یہ اثرات دیکھنے میں آئے کہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہیں ویران ہونے لگیں اور مسجدوں کی تعمیر شروع ہو گئی۔ سپین کے بعض شہروں میں آج بھی اُس دور کی بڑی خوبصورت مسجدیں موجود ہیں۔

عبدالعزیز نے اُندلس کے کچلے مسلے ہوئے عوام کا معیارِ زندگی بلند کیا اور انہیں باعزت زندگی دی۔ عیسائیوں کے مذہب میں، اُن کی عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں میں مداخلت نہ کی، البتہ پادریوں نے مذہب کے پردے میں جو بدکاری روا رکھی ہوئی تھی وہ ختم کر دی اور بڑے پادریوں نے اپنی جو حکمرانی قائم کر رکھی تھی، اُس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

عبدالعزیز اُندلس کا پہلا امیر یعنی حکمران تھا۔ مسلسل جنگ و جدل کی وجہ سے ملک میں انتشار بدنظمی اور عدم اعتماد کی کیفیت طاری تھی۔ لوگ گھروں سے اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ عبدالعزیز نے ایسی فضا پیدا کر دی کہ بھاگے ہوئے لوگ واپس آ گئے۔ عبدالعزیز نے جاگیرداروں اور نوابوں کی بے تاج بادشاہی کا بھی خاتمہ کر دیا اور عوام کو تعظیم و تکریم دی۔ صنعت و تجارت کو ایسا فروغ دیا کہ وہ لوگ جو بادشاہوں کے زمانے میں نیم فاقہ کش رہتے تھے، خوشحال ہو گئے۔

عبدالعزیز عالم اور فاضل تھا۔ اُس نے تبلیغ سے نہیں بلکہ اعمال اور کردار سے اسلام کو مقبولِ عام کیا۔ لوگ اسلام قبول کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ فجر کی نماز اور جمعہ کی نماز کی امامت وہ خود کرایا کرتا تھا لیکن اُس کی عیسائی بیوی ایجیلونا اُس کی بہت بڑی کمزوری بن گئی۔ عبدالعزیز جیسا جابر جری اور عالم فاضل ایجیلونا کے سامنے جاتا تو وہ کمزور سا انسان بن کے رہ جاتا تھا۔ عیسائی ہونے

کی وجہ سے وہ بے پردہ گھومتی پھرتی اور ماتحتوں پر حکم چلاتی تھی۔ اُس کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ ملکہ بنے۔ وہ ملکہ بن گئی تھی۔ اُس نے ملکہ والے طور طریقے اختیار کر لیے تھے۔

عبدالعزیز کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے دل میں ایجیلونا کی بے پناہ محبت تھی۔ ایجیلونا اپنی زبان کے جادو سے، دلکش اور جذباتی ناز و انداز سے عبدالعزیز پر غالب آجاتی تھی۔ عبدالعزیز سیدھا سادا مسلمان تھا۔ وہ بادشاہ نہیں بننا چاہتا تھا لیکن ایجیلونا نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ عبدالعزیز کو بادشاہوں جیسی حیثیت دے دی۔ وہ اس طرح کہ عبدالعزیز سے کوئی ملنے آتا تو ایجیلونا خادم سے کہلا بھیجتی کہ امیر اس وقت نہیں مل سکتے، فلاں وقت آؤ۔ اگر سالاروں یا انتظامیہ کے اعلیٰ حاکموں میں سے کوئی آجاتا تو خود انہیں ملتی اور بات چیت کرتی تھی۔ انہوں نے بعض عسکری یا شہری مسائل کے متعلق بات کر کے امیر کا فیصلہ لینا ہوتا تھا۔ اکثر اوقات ایجیلونا خود فیصلہ دے دیتی تھی۔

مسلمانوں میں یہ طریقہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کی موجودگی میں بیوی کو اختیار حاصل نہیں تھا کہ امورِ مملکت میں دخل اندازی کرتی اور فیصلے دیتی۔ مسلمانوں کا دستور تو یہ تھا کہ کسی بھی اعلیٰ حاکم کو سپہ سالار کو، یہاں تک کہ امیرالمومنین کو بھی کسی بھی وقت کوئی بھی شخص ضروری بات یا پیغام کے لیے مل سکتا تھا۔ آدھی رات کو انہیں جگایا جا سکتا تھا۔

ایجیلونا نے جو وطیرہ اختیار کر لیا، اس سے سالار اور شہری حکام ناراض ہونے لگے تھے۔ عبدالعزیز سے انہوں نے شکایت کی تو اُس نے ہنس کر ٹال دیا۔ ایک طرف عبدالعزیز کے کردار کی یہ بلندی کہ اُس نے اسلام کو سرکاری مذہب بنانے کے ساتھ ساتھ اسلام کو لوگوں کے دلوں میں اتار دیا اور دن رات محنت کر کے ایسی اصلاحات نافذ کیں اور ایسے قوانین رائج کیے کہ عوام کو خوشحالی کے ساتھ ساتھ عزت اور تکریم بھی ملی، دوسری طرف عبدالعزیز کا یہ حال کہ ایک عورت کو اپنے اعصاب پر سوار کر کے اپنے رفیقوں کی ناراضگی مول لے لی۔

ایجیلونا نے عبدالعزیز کے لیے باقاعدہ دربار لگوانا شروع کر دیا اور عبدالعزیز کے پیچھے کھڑے ہونے کے لیے دو چوبدار مقرر کر دیئے جو شہنشاہوں کے چوبداروں کی طرح زرق برق لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ یہ انداز بھی غیر اسلامی تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ایجیلونا نے اعلیٰ حکام پر حکم چلانے بھی شروع کر دیئے۔ اعلیٰ حکام نے آخر آپس میں مل بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ یہ شکایت خلیفہ تک پہنچائی جائے۔ بعض نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ ایک بار عبدالعزیز کو الگ بٹھا کر کہا جائے کہ وہ اس عورت کے جال سے نکلے۔ ورنہ اس کے نتائج اس ملک کے لیے اور اسلام کے لیے بہت بُرے ہوں گے۔

اسی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ ہُوا۔

☆

عبدالعزیز مصروف تھا اس لیے ان حکام کو جلدی نہ مل سکا۔ نہ ملنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ایجیلونا انہیں ملنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ انہی دنوں ایجیلونا نے عبدالعزیز کو ایک روز ایک مشورہ دیا۔

"آپ اس ملک کے حکمران ہیں"۔۔۔ ایجیلونا نے کہا۔۔۔ "میں نے دیکھا ہے کہ مسلمان حاکم آپ کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہیں کہیں کہ وہ جب آپ سے ملنے آئیں یا دربار میں آئیں تو آپ کو جھک کر سلام کیا کریں تاکہ ان پر آپ کا رعب قائم رہے ورنہ ایک روز یہ لوگ آپ کا حکم ماننے سے انکار کر دیں گے"۔

"نہیں ایجیلونا!"۔۔۔ عبدالعزیز نے کہا۔۔۔ "میں اس حد تک نہیں پہنچوں گا۔ ہمارے اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کے آگے نہ جھکے سوائے اللہ کے۔ ہمارے رسول اکرمؐ کے آگے بھی کوئی نہیں جھکتا تھا۔ کسی کے آگے جھکنا یا کسی کو اپنے آگے جھکانا گناہ ہے"۔

ایجیلونا نے عبدالعزیز کو اپنا ہم خیال بنانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ ایجیلونا اپنی بات منوا کر دم لینے والی عورت تھی۔ اُس نے عبدالعزیز کی ملاقات کے لیے آنے والوں کے لیے ایک اور جگہ تیار کی۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے لیے دروازہ ایسا لگوایا جس کی بلندی اتنی کم تھی کہ گزرنے والے کو تقریباً رکوع کی حالت میں جھکنا پڑتا تھا۔ سامنے عبدالعزیز بیٹھا ہوتا تھا۔ اس طرح ایجیلونا نے اپنی اُنا کی تسکین کر لی۔

سالاروں اور اعلیٰ عہدوں کے حکام نے یہ دروازہ دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ پھر دربار امارت کے کسی کارندے نے انہیں بتا بھی دیا کہ چھوٹا سا یہ دروازہ انہیں امیر کے آگے جھکانے کے لیے ایجیلونا نے لگوایا ہے۔ یہ ایسی چوٹ تھی جسے کوئی بھی برداشت نہ کر سکا۔ سب کہتے تھے کہ یہ ہماری توہین کا نہیں بلکہ یہ اسلام کی توہین کا اہتمام کیا گیا ہے۔

انہی دنوں عبدالعزیز اُندلس کے لوگوں سے وصول کیے ہوئے محصولات وغیرہ کی کثیر رقم دارالخلافت اور بیت المال کے لیے دمشق بھیج رہا تھا۔ یہ پہلی رقم تھی جو اُندلس سے جا رہی تھی جو ایک نائب سالار لے جا رہا تھا۔ تاریخ میں اس نائب سالار کا نام نہیں لکھا۔

●

نائب سالار کا قافلہ دمشق پہنچا تو نائب سالار نے خلیفہ سلیمان کے ہاں جا کر رقم اور اُندلس کے کچھ تحفے پیش کیے۔

"کیا حال ہے اُندلس کا؟"۔۔۔ خلیفہ سلیمان نے پوچھا۔۔۔ "کیسی چل رہی ہے اپنی حکومت؟"

"حکومت تو ٹھیک چل رہی ہے امیر المومنین!"۔۔۔ نائب سالار نے کہا۔۔۔ "لیکن حکومت چلانے والے ٹھیک نہیں چل رہے"۔

"پوری بات کرو"۔۔۔ سلیمان نے کہا۔۔۔ "معلوم ہوتا ہے وہاں کچھ اور ہو رہا ہے جو نہیں ہونا چاہیے"۔

"امیر المومنین!"۔۔۔ نائب سالار نے کہا۔۔۔ "آپ کے سوال کا جواب وہ سالار اور وہ تمام حاکم جو اس وقت اُندلس میں ہیں، دے رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کام بھی سونپا تھا کہ میں آپ

کو وہاں کی صحیح صورتِ حال سے آگاہ کروں۔ اندلس پر اس وقت ایک غیر مسلم عورت حکومت کر رہی ہے۔"

"یہ وہی عیسائی عورت تو نہیں جس کے ساتھ عبدالعزیز ابن موسیٰ نے شادی کی تھی؟" ——— سلیمان نے پوچھا ——— "اور اُس نے شاید ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا!"

"وہی امیر المومنین!" ——— نائب سالار نے جواب دیا ——— "اُس کا نام ایجیلونا ہے۔ امیر عبدالعزیز نے اُسے ملکہ بنا رکھا ہے۔ وہ بڑے سے بڑے حاکم کو بھی امیر اندلس سے نہیں ملنے دیتی۔ وہاں بادشاہوں جیسا دربار لگتا ہے اور حکم ایجیلونا کا چلتا ہے۔"

نائب سالار نے ایجیلونا کی تمام باتیں سنائیں۔ چھوٹے دروازے کا بھی تفصیلی ذکر کیا اور بتایا کہ کوئی ایک بھی حاکم خوش نہیں۔

"خوش نہ ہوتا تو کوئی بڑی بات نہیں" ——— نائب سالار نے کہا ——— "وہاں کے فوجی اور شہری حاکم امیر اندلس کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔ وہ ناراض ہیں اور غصے میں ہیں۔"

خلیفہ سلیمان نے مزید کچھ نہ سنا۔ وہ غصے سے پھنکارنے لگا۔ اُسے موسیٰ بن نصیر کے خاندان کے کسی بھی فرد کے خلاف بہانے کی ضرورت تھی۔ اُسے موسیٰ کے خلاف یہ شکایت بھی تھی کہ اُس نے اپنے بیٹے کو اندلس کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ وہ اپنی پسند کے کسی آدمی کو یہ رتبہ دینا چاہتا تھا۔

"تم واپس چلے جاؤ" ——— سلیمان نے نائب سالار سے کہا ——— "سب کو کہنا کہ میں اُن کی یہ شکایت رفع کر دوں گا۔"

■

اور ایک روز امیر اندلس عبدالعزیز کے خلاف تمام شکایتیں یوں رفع ہوئیں کہ ایک صبح عبدالعزیز نمازِ فجر کی امامت کے لیے کھڑا ہوا۔ اُس نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی اور سورۃ واقعہ کی تلاوت شروع کی ہی تھی کہ اگلی صف سے ایک آدمی بجلی کی تیزی سے آگے کو نکلا، چشم زدن میں تلوار نکالی۔ ایک ہی وار میں امیر عبدالعزیز کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سر کو اٹھایا اور پیشتر اس کے کہ نمازی دیکھ سکتے کہ یہ کیا ہوا ہے، قاتل امیر اندلس کے سر سمیت غائب ہو گیا۔

بیس پچیس روز بعد عبدالعزیز کا سر ایک بیری تھیلے میں جس پر مخمل کا تھیلا چڑھا ہوا تھا، دمشق سلیمان کے پاس پہنچ گیا۔

"امیر اندلس کا سر قید خانے میں لے جاؤ" ——— سلیمان نے حکم دیا ——— "اور یہ اُس کے باپ کے سامنے رکھ دو۔"

حکم کی تعمیل کی گئی۔ عبدالعزیز کا سر قید خانے میں موسیٰ کے آگے رکھ دیا گیا۔ موسیٰ جو پہلے ہی ایذا رسانی، صدمے اور ذلت سے نزع کی حالت کو پہنچ چکا تھا، بیٹے کا سر دیکھ کر غشی میں چلا گیا۔ ہوش میں آیا تو سر وہاں نہیں تھا۔

موسیٰ نے بیٹے کا سر دیکھ کر کہا تھا ۔۔۔ "انہوں نے ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جو دن کو عدل اور انصاف کے ساتھ انتظامی کام کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت کرتا تھا ۔۔۔ میرا بیٹا قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔"

اس حقیقت کی گواہی تاریخ بھی دیتی ہے کہ عبدالعزیز دن کو عدل و انصاف اور انتظامی کام کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت کرتا تھا لیکن وہ جان نہ سکا کہ اعصاب پر عورت کو سوار کر لو تو عقل و ہوش پر بھی سوار ہو جاتی ہے اور مرد کو کٹھ پتلی بنا لیتی ہے۔ اور یہ بھی نہ جان سکا کہ عورت نے بادشاہوں کو گداگر بنایا ہے، شہنشاہوں کے تختے اُلٹے ہیں۔ یہی لغزش عبدالعزیز سے کچھ نادانستہ اور کچھ دانستہ سرزد ہوئی کہ اُس نے ایک عورت کا طلسم اپنے اوپر طاری کر لیا۔

موسیٰ بن نصیر دانشمند اور جہاندیدہ آدمی تھا لیکن وہ انسانی فطرت کی دوسری کمزوری کا شکار ہو گیا۔ یہ بھی انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ کسی انسان کے آگے لوگ جھک جائیں تو وہ آدمی اپنے آپ کو خدا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس میں خوشامد پسندی جیسی کمزوری بھی آجاتی ہے پھر موسیٰ نے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے طارق اور مغیث کو جس طرح ناراض کیا وہ بیان ہو چکا ہے۔

خلیفہ سلیمان نے جس خفیہ طریقے سے عبدالعزیز کو اشبیلیہ میں قتل کرایا تھا وہ اس داستان کے پہلے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ یہ تھا انجام اندلس کے فاتحین کا۔ موسیٰ بن نصیر اپنے بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھ کر چند دن ہی زندہ رہ سکا۔ اس کی وفات ۱۶ء کے وسط میں ہوئی تھی۔ اس کے ایک سال بعد سلیمان بھی فوت ہو گیا۔

جولین پہلے کی طرح سبوستہ کا حکمران رہا۔ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں فقہ اور شریعت کا ایک بہت بڑا عالم ابوسلیمان ایوب کے نام سے ہو گزرا ہے۔ وہ جولین کی تیسری پشت میں سے تھا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کیا وہ میز جس کی ملکیت کا دعویٰ موسیٰ نے کیا تھا، واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کی تھی اور کیا عیسائیوں کی یہ روایت صحیح تھی کہ جو کوئی اس کی ملکیت کا دعویٰ کرے گا، وہ تباہ و برباد ہو جائے گا ۔۔۔۔ موسیٰ نے خلیفہ ولید سے کہا تھا کہ یہ میز اُس نے حاصل کی اور یہ اُسی کی ہے جو وہ تحفے کے طور پر لایا ہے۔ طارق بن زیاد نے ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

ایک یہودی ساحر نے کہا تھا کہ اندلس کی زمین خون مانگتی رہی ہے اور خون ہی مانگتی رہے گی۔ اُس کا یہ کہنا بھی درست ثابت ہوا۔ موسیٰ اور اُس کا بیٹا قتل ہوئے، مغیث الرومی قتل ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی اندلس کی آٹھ سو سالہ تاریخ میں یہی کچھ ہوتا رہا کہ قتل کے ذریعے امیرانِ اندلس کے تختے اُلٹے جاتے رہے اور آپس کی چپقلش اور خونریزی کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں ایک روز اندلس سلطنتِ اسلامیہ سے نکل

گیا۔

حکیم الاُمّت علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی؟
باقی ہے ابھی رنگ مرے خون جگر میں
کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی سنایا بھی سُنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں